ایک سائنٹفک ناول

اُڑن طشتری

خان محبوب طرزی

جملہ حقوق دائمی طور پر حق نسیم بکڈپو لکھنؤ
محفوظ ہیں

قیمت مجلد

۲ روپیہ آٹھ آنے

(۱)

اسد نے دارالبرق میں داخل ہوتے ہی ایاز سے کہا۔

"ایاز! واقعی تم نے اپنے دار تجارب کو برقی عجائب خانہ بنا رکھا ہے۔"

"اس کمرے میں تم صرف وہ آلات دیکھ رہے ہو جو میں نے جرمنی، فرانس، انگلینڈ، ہالینڈ، کناڈا، امریکہ اور جاپان سے خریدے ہیں، میں کبھی کبھی ان سے کام لیتا ہوں ورنہ عموماً میں اپنے بنائے ہوئے آلات اور مشینری ہی استعمال کرتا ہوں۔"

دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے باتیں کرتے ہوئے بڑے مستطیل کمرے سے گذر کر اس ہال میں پہونچ گئے جہاں چاروں طرف بلند چبوتروں پر دو درجن سے زیادہ چھوٹے اور بڑے برقی پلانٹ لگے ہوئے تھے۔

اسد اور ایاز نے دوسری عالمگیر جنگ ختم ہونے کے ایک سال بعد

اُڑن طشتری

علیگڑھ سے سائنس کی اعلیٰ اسناد حاصل کرنے کے بعد تین سال تک مغربی ممالک کے معملوں میں تحقیق و تجسس کے بعد ہندوستان واپس آکر اپنے تجربات شروع کئے تھے۔ چند قومی اداروں اور مرکزی حکومت نے ان کے دارالتجارب کے اخراجات کے لیے گراں قدر رقوم ماہانہ وظائف کی صورت میں مقرر کر دی تھیں۔

اسد نے اپنا دارالتجارب نینی تال سے قریب ایک پرفضا پہاڑی پر بنایا تھا، اُسے بچپن ہی سے اجرام فلکی کے مشاہدات کا شوق تھا، طالب علمی کے زمانہ میں اس شوق نے خبط کی صورت اختیار کر لی اور اب فارغ التحصیل ہوجانے کے بعد اس نے اسی سے اپنا مستقبل وابستہ کر لیا تھا، بچپن میں جب وہ آسمان پر چمکتے ہوئے تاروں کو دیکھتا تھا تو اس کے دل میں تمنا ہوتی تھی کہ وہ کسی طرح اُڑکر ان تک پہونچ جائے اور اب وہ عملی طور پر اسی جدو جہد میں مصروف تھا۔ اس نے انگلستان اور امریکہ میں ان ہوائیوں کو بغور دیکھا تھا جو سطح چاند تک پہونچنے کے لیے جانی جا رہی تھیں۔ اس نے پُراسرار اُڑن طشتریوں کے متعلق بھی کافی معلومات فراہم کی تھیں اور ایک بار غروب آفتاب کے وقت کسی چمکیلی چیز کو بہت بلندی پر مشرق سے مغرب کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ بہت بلندی پر میلوں لمبی ایک آتشیں لکیر بناتی ہوئی مغرب کے سُرخ افق میں غائب ہوگئی تھی۔

اسد خود بھی ایک ایسی ہی ہوائی کی تعمیر میں مصروف تھا، اس کا خیال تھا کہ ہوائی کے ذریعہ مریخ یا زہرہ تک ضرور پہونچ سکے گا۔ اسد اس ہوائی

کو گذشتہ آٹھ ماہ سے تیار کر رہا تھا۔ ہوائی تقریباً پایۂ تکمیل تک پہونچ چکی تھی۔ اسد ایاز کے پاس اسی لیے آیا تھا کہ وہ اس سے برقی آلات اور مشینری لگانے کے سلسلہ میں مشورہ کرے۔

ایاز اپنے وقت کا ماہر برقیات سمجھا جاتا تھا۔ اس نے ایسی متعدد برقی لہریں دریافت کی تھیں جو غیر ممالک کے ماہرین برقیات کی بحث کا موضوع بنی ہوئی تھیں۔ خصوصیت کے ساتھ اس کے زیر عمل ٹیلی ویژن پر دنیا کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے دار التجارب میں چند ایسے والوو تیار کیے تھے جو فضا سے کمزور ترین برقی لہروں کو کھینچ کر ان آلات تک پہونچا دیتے اور ان کو روشنی میں تبدیل کر دیتے تھے۔ ایاز جب اسد سے چھ ماہ قبل آخری بار ملا تھا تو اس نے اسے بتایا تھا کہ وہ ایک بہت طاقتور ٹیلی ویژن تیار کرنے والا ہے۔ اس کے بعد اب دونوں میں ملاقات ہوئی تھی۔

اسد نے برقی طاقت پیدا کرنے والی مشینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم نے اپنے دار التجارب کو پاور ہاؤس بنا رکھا ہے"

"بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ" ایاز نے جواب دیا "یہ جو عفریت پیکر پلانٹ گوشے میں نصب ہے یہ بیک وقت یو پی کے چار بڑے شہروں کے لیے برقی قوت پیدا کر سکتا ہے"

دونوں باتیں کرتے ہوئے اس کمرے میں پہونچ گئے جو ایاز نے اپنے تجربات کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔

"یہاں میں اپنے کسی نائب کو بھی نہیں آنے دیتا ہوں"

"بہت رازداری سے کام لے رہے ہو"

"بہت زیادہ رازداری سے" ایاز نے جواب دیا "بات یہ ہے کہ تم نے میدانی شہروں سے دُور ہمالیہ کے دامن میں ایک پر فضا چوٹی پر اپنا دارالتجارب بنایا ہے، وہاں تک مشکل ہی سے کوئی پہونچ سکتا ہے"

"وہاں میری ڈاک تک نہیں پہونچ سکتی ہے" اسد نے ایاز کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "چار ملازم صرف اسی لیے ہیں کہ وہ روزانہ نینی تال آتے جاتے رہیں"

"—— لیکن یہاں کی صورت حال اس کے برعکس ہے" ایاز نے میز پر سے سگریٹ کا ڈبہ اٹھا کر کھولا اور اسد کو سگریٹ پیش کرتے ہوئے کہا "لکھنؤ یہاں سے صرف چھ میل دُور ہے اس لیے روزانہ طلبار کی ٹولیاں آتی رہتی ہیں، شوقین مزاج نوجوان پک نک کے لیے بھی عموماً اس طرف آ جاتے تھے۔ ان کے علاوہ ہر وہ دوست جو لکھنؤ میں ہے ہفتہ میں ایک بار ضرور آتا ہے اور ہر وہ دوست جو لکھنؤ سے ہو کر گزرتا ہے ایک روز کے لیے یہاں ضرور آتا ہے"

"اس کا تمھاری مصروفیات پر بُرا اثر پڑتا ہوگا"

"یقیناً —— خیر یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے، بتاؤ اب تمھاری ہوائی تیاری کی کس منزل پر ہے؟"

"تقریباً تیار ہو چکی ہے۔ ایندھن کی ٹنکیوں پر تانبے کی چادریں چڑھائی جا رہی ہیں"

"کتنی گنجائش رکھی ہے ——؟"

"اس میں بیس آدمی سفر کرسکیں گے اور اپنے تخمینہ کے مطابق میں انہیں اس قدر ایندھن لے جاسکوں گا کہ مریخ اور زہرہ تک پہنچکر واپس آسکیں!"

"پہلے میں کتنے افراد ہوں گے؟"

"اٹھارہ ——— اور دو اخباری نمائندے ——" اسد نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ان میں چار ملازم بھی شامل ہیں۔"

"کبتک پرواز کا ارادہ ہے؟"

"چھ ماہ بعد اس وقت تک ہوائی بین السیاری سفر کے قابل ہوجائیگی تم بتاؤ ——— ٹیلی ویژن کے سلسلہ میں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے۔؟"

"میرا ہر تجربہ کامیاب ثابت ہوا ہے۔" ایاز نے دیا سلائی جلاکر اسد کی طرف بڑھائی اور اس کے بعد اپنا سگریٹ سلگا کر خاک دان میں تیلی رکھتے ہوئے کہا۔ "اسد! تم کو وہ نوجوان سائنسدان یاد ہے جو طنجہ میں ہمارے ساتھ مراکش ہوٹل فردوس میں ٹھہرا ہوا تھا ———"

"ہاں خوب یاد ہے اس کا نام ڈاکٹر راودریق تھا اور میں اسے دیکھ کر کہتا تھا کہ یہ یقیناً ان عربوں کی اولاد ہے جو وادی الکبیر کے کنارے اپنے دار التجارب میں بیٹھے ہوئے اپنی نت نئی ایجادات سے دنیا کو محو حیرت بناتے رہتے تھے۔ غالباً وہ قرطبہ کا رہنے والا تھا۔"

"ہاں اس نے بھی بتایا تھا اور ٹیلی ویژن کے بنیادی خیال پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے ایک روز کہا تھا کہ جب ہم ایک چیز کو نزدیک سے دیکھ سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسے دور سے نہ دیکھ سکیں۔ فرق صرف اسقدر ہوگا کہ ہم

اسے نزدیک سے بغیر کسی چیز کی مدد کے دیکھ سکتے ہیں لیکن دُور کی چیز دیکھنے کے لیے یا تو ہم کو اپنی قوت بصارت بڑھانے کی ضرورت ہوگی یا پھر اس چیز کو اس درجہ منور کر دیا جائے کہ اس کی روشنی براہ راست ہمارے پردہ بصارت تک پہونچ سکے۔

" مجھے یاد ہے۔ وہ طنجہ کی ایک خوشگوار شام تھی اور تم دونوں آپس میں اس خشک موضوع پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔"

" اسد!" ایاز نے ایک کش لے کر کہا۔" واقعی وہ موضوع تمہارے لیے قطعی غیر دلچسپ اور خشک تھا لیکن میری یہ جدوجہد اسی کی رہین منت ہے۔"

" خیر اب یہ بتاؤ کہ ٹیلی ویژن منظر عام پر آنے کے قابل ہو چکا ہے یا نہیں؟"

" دنیا کو اس دار التجارب سے جس قسم کے ٹیلی ویژن کی توقع ہے وہ تو پندرہ روز قبل تیار ہو چکا ہے لیکن اب میں ایک ایسا ٹیلی ویژن تیار کر رہا ہوں جو سائنسدانوں کو بھی درطہ حیرت میں ڈال دے گا۔"

" واقعی ——— ؟" اسد نے حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

" واقعی۔ میں خود متحیر ہوں کہ وہ چیز کیا ہو سکتی ہے۔ ؟"

" کیا چیز ——— ؟"

" ابھی دکھاتا ہوں ——— " ایاز نے جواب دیا اور سگریٹ کا ایک کش لے کر اس سے پوچھا " چائے پیو گے ؟ "

" ابھی نہیں ——— پہلے تم مجھے وہ چیز دکھاؤ جو تم کو متحیر کیے ہوئے ہے۔"

ایاز کی نگاہیں خود بخود اس میز کی طرف اٹھ گئیں جس پر چند والوز اور متعدد تار بکھرے ہوئے تھے اور چند چھوٹی اور بڑی نلکیوں کے سامنے ایک چھوٹا اسکرین لگا ہوا تھا، اسد نے بھی اس طرف دیکھا اور اٹھتے ہوئے کہا۔

"تو گویا یہ ہے تمہارا ٹیلی ویژن جو ابھی یکجا نہیں کیا گیا ہے۔"

"ہاں۔"

ایاز بھی اسد کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور دونوں ٹہلتے ہوئے میز کے قریب پہونچ گئے

ایاز نے تین بڑے والوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہم نے اپنے دار التجارب میں تیار کئے ہیں۔"

"تم مجھے وہ چیز دکھاؤ جس نے تم کو بھی متحیر کر دیا ہے۔"

ایاز نے ایک کرسی میز کے قریب کھینچ لی اور اسد کو بٹھاتے ہوئے کہا

"دنیا کے کسی اسٹیشن سے بھی کسی منظر کا عکس لہروں میں تبدیل کر کے فضا تک پہونچایا جائے، یہ ٹیلی ویژن ان لہروں کو کھینچکر اس منظر کو فوراً اس پردہ پر منعکس کر دیتا ہے ——"

ایاز نے گھڑی دیکھ کر کہا۔

"اسوقت جزائر ہوائی سے امریکہ کے لیے ہوائی رقاصاؤں کے رقص ٹیلی ویژن پر دکھائے جاتے ہیں۔"

اس نے ٹیلی ویژن کے تاروں کا سلسلہ ملایا، والوز سرخ اور نیلگوں ہونے لگے۔ ایاز نے اپنا سگریٹ ایک خاکدان میں رگڑ کر بجھا دیا اور ٹیلی ویژن

کے ایک لٹو کو گھمانے لگا۔ اس کا کمرہ قدرے تاریک تھا اور ایک طاقتور قمقمہ اس کو جگمگا رہا تھا، ایاز نے دریچے بند کر کے پردے کھینچ دیئے اور میز کے پاس آ کر سفید اسکرین کو دیکھا اور اس پر بتدریج دھوئیں کے بادل چھاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

ایاز نے بڑھ کر کمرے کی روشنی گل کر دی اور دوبارہ میز کے پاس آ کر ٹیلی ویژن کے ایک لٹو کو گھمایا۔ پردہ پر بتدریج متحرک سیاہ اور سفید خطوط اُبھرنے لگے۔ اس نے دوسرا لٹو گھمایا اور خطوط میں سرخ سبز نیلگوں اور زرد رنگ جھلکنے لگا۔

"یہ میری جدت ہے" ایاز نے اسد سے کہا "میں نے کلر فلٹر والو تیار کر لیا ہے یہ ہر منظر کو قدرتی رنگوں میں واضح طور پر پیش کرتا ہے"

اس نے رنگوں کو اور زیادہ واضح کیا اور ایک تیسرے لٹو کو گھمایا اور پردہ پر جزائر ہوائی کی چھ لڑکیاں رقص کرتی ہوئی نظر آئیں۔۔۔۔۔۔"

"کیا اسی چیز نے تم کو متحیر کر رکھا ہے۔؟" اسد نے سوال کیا۔

"نہیں ۔۔۔۔۔۔" ایاز نے جواب دیا "ابھی تو میں تم کو یہ بتا رہا ہوں کہ میرے ٹیلی ویژن کے لیے فاصلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے۔ لو اب ان مناظر کا عکس دیکھو جو مجھے متحیر کئے ہوئے ہیں"

ایاز نے یکے بعد دیگرے دو لٹوؤں کو گھمایا اور پردہ پر یکایک گہرے سبز اور نیلگوں رنگ کی دھاریاں لہروں کی صورت میں رقص کرتی ہوئی نظر آئیں، ایاز نے ایک دوسرا تار ٹیلی ویژن میں لگاتے ہوئے کہا۔

"برقی قوت بڑھانے کے لیے یہ ایک فاضل تار ہے۔"

روشنی زیادہ واضح ہو گئی اب اسد کی نگاہوں کے سامنے ایک فردوسی منظر تھا۔ سرو اور شمشاد سے مشابہ درختوں کی قطاریں، ان میں سُرخ اور زرد رنگ کے پھول۔ ان قطاروں کے درمیان ایک نہر، نہر کے دونوں کناروں پر سنبل کی طرح بیدار گھاس اُگی ہوئی تھی۔ نہر بالکل سیدھی تھی اور حد نگاہ تک چلی گئی تھی۔

نہر پر جا بجا سنگ مرمر اور سنگ سرخ کے خوشنما پل بنے ہوئے تھے اسد نے غور سے دیکھ کر کہا۔

"یہ جو نہر میں کناروں پر کوئی بیل تیرتی اور پانی کی روانی میں ہلکا سا تموج پیدا کرتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ یہ غالباً بنفشہ کی بیل ہے۔"

ایاز مسکرایا، "تمھاری اس باریک بینی کی داد دیتا ہوں۔ میں آٹھ دس روز سے صرف یہی مناظر دیکھ رہا ہوں۔ میں نے ان کی عکسی تصاویر بھی لے لی ہیں اور ان کو بڑے سائز پر تیار کیا ہے، واقعی یہ بیلیں بنفشہ کی ہیں!"

"دیکھو ایاز! ذرا غور سے دیکھو ———" اسد نے پردہ پر نگاہیں جما کر ایاز کا شانہ پکڑ کر اسے جھکاتے ہوئے کہا۔ "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے روپہلی چادر پر زمرد میں جھالر ٹانک دی گئی ہے ——— ہیں یہ کیا ———" اسد نے گھبرا کر کہا۔ "کیا برقی طاقت بتدریج کم ہو رہی ہے ———؟"

"نہیں ———" ایاز نے فوراً جواب دیا۔ "بلکہ یہ منظر بتدریج غائب ہو رہا ہے۔ اب دوسرا منظر دیکھو ———"

درختوں کے رنگ آہستہ آہستہ آسمان کے رنگ میں مل گئے اور ہزاروں راستہ سیاہی مائل ہو کر بھورا ہو گیا اسد اور ایاز پردہ پر نگاہیں جمائے ہوئے بیٹھے اب ان کے سامنے چھوٹے پردہ سیمیں پر ایک جھیل حدنگاہ تک موجیں مارتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

"یہ غالباً کشتیاں ہیں ——" اسد پردہ پر جھک گیا اور بغور دیکھنے لگا۔ کشتیاں بہت دور تھیں اور ہلکی ہلکی موجوں پر ہچکولے کھاتی ہوئی قریب تر آتی جا رہی تھیں ان کی ساخت بالکل ایسی ہی تھی، جیسی کشتیاں مغلیہ دورِ حکومت میں دہلی کے قلعہ معلیٰ اور آگرہ میں تاج محل کے سامنے جمنا کی لہروں کو شب و روز چیرتی ہوئی دوڑا کرتی تھیں۔

"کشتیاں بہت آراستہ معلوم ہو رہی ہیں۔" اسد نے ایاز سے کہا۔

"ہاں ہر طرف رنگا رنگ کے پھولوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔"

"ہر کشتی پر چھ چھ اور آٹھ آٹھ آدمی نظر آ رہے ہیں۔"

ایاز نے کہا۔" ان میں عورتیں بھی ہیں اور مرد بھی۔ ان کے لباسوں پر غور کرو کتنے خوشنما اور عجیب و غریب ہیں۔"

"کشتیاں اور قریب تر آ جائیں تو ہر چیز واضح اور صاف نظر آنے لگی۔"

"اب یہ منظر بھی بدلنے ہی والا ہے ——"

کشتیاں قریب آتی جا رہی تھیں قریب ترین کشتی پر ایک عورت رقص کر رہی تھی۔ اسد نے اس کے لباس کو سمجھنے کی کوشش کی لیکن کشتی ہنوز فاصلہ پر تھی اس لیے اسے صرف لباس کے بجائے سرخ، سبز، زرد، نیلے، پیازی، بنفشی

اور چند دیگر رنگ ہی نظر آئے، عورت نے رقص کرتے ہوئے کچھ اس انداز میں انگڑائی لی کہ بالکل قوس قزح معلوم ہونے لگی۔

اسد بے ساختہ کہہ اُٹھا ”واہ تعریف نہیں ہو سکتی ——— سبحان اللہ“

اس کا جملہ ختم ہوتے ہی منظر ایک دوسرے منظر میں مدغم ہو گیا اور ایک ساعت بعد پردہ پر قوس قزح نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہی رنگ آہستہ آہستہ اُبھر رہے تھے، اسد نے محسوس کیا کہ ایک ہلکا نغمہ بھی ناچ رنگوں کے ابھار کے ساتھ بتدریج بلند ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے ایاز کو استفسارانہ نگاہوں سے دیکھا۔

”پردہ پر نگاہیں جمائے رہو ——“

یکایک ایک ساتھ متعدد ساز چھیڑ دیئے گئے۔ قوس قزح کو حرکت ہوئی اور ایک نوجوان لڑکی زہد شکن انداز میں انگڑائی لیتی ہوئی اٹھی۔ اس کی آنکھوں سے مستی ٹپک رہی تھی اور لب احمریں پر ملکوتی تبسم رقص کرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے دل کش خدوخال، تیکھے ناک نقشہ۔ متناسب اعضاء اور مرمریں جسم کی لطیف جنبشوں نے اسد کو کچھ ایسا مسحور کر لیا کہ اسکا منھ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

فردوسی رقاصہ سازوں کے زیر و بم کے ساتھ بل کھاتی ہوئی اٹھی اور پھولوں سے لدی ہوئی شاخ کی طرح جھومنے لگی۔ یکایک منظر بدل گیا۔

”اُف! غضب خدا کا ——— سوچ گھما دو ایاز ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا“

”دیکھتے جاؤ۔ گھبراؤ نہیں ——— ان ہی مناظر سے ہم کو بہت کچھ سمجھنا ہے“

اب ان کے سامنے ایک معروف بازار کی وسیع سڑک تھی، تقریباً اسّی فیٹ چوڑی ——— اس کے دونوں طرف آٹھ منزلہ عمارتیں تھیں۔ سڑک پر

راہ گیروں کا اژدھام۔ ان کا لباس کچھ مشرقی تھا اور کچھ مغربی عورتیں عام طور پر اپنے چہروں پر سیاہ جالی کی نقاب ڈالے ہوتی تھیں بعض خواتین اپنے چہروں کے نقاب اُلٹے ہوئے تھیں۔ جدید طرز کی کاریں اور ٹرامیں سڑک پر چل رہی تھیں۔

اسد نے عورتوں اور مردوں کا لباس دیکھ کر کہا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم پاکستانی شہر کی ایک مصروف ترین سڑک پر کھڑے ہوئے ہیں۔"

"لیکن پاکستان کے کسی شہر میں ایسی کوئی سڑک نہیں ہے، دہلی، لکھنؤ، گوالیار، حیدر آباد، بنگلور، بمبئی مدراس اور کلکتہ میں بھی ایسی کوئی شاہراہ یا کوئی ایسا بازار نہیں ہے۔"

"لیکن انکا لباس اور ان کے خدوخال بالکل مشرقی ہیں ـــــ" اسد نے قریب ترین راہگیروں کو دیکھتے ہوئے کہا"ـــــ لیکن دکانوں کے سائن بورڈ کس زبان میں لکھے ہوئے ہیں؟"

"بظاہر تو خط کوفی میں معلوم ہوتے ہیں۔" ایاز نے پردہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا"ـــــ لیکن وہ دیکھو سامنے وہ خط قبطی تحریر سے مشابہ ہے۔ قدیم مصری رسم الخط ـــــ"

اسد نے تنگ آکر کہا" پھر یہ مناظر کہاں کے ہو سکتے ہیں ـــــ ہماری دنیا کے تو ہیں نہیں۔"

ایاز فوراً بولا" ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔"

بہر حال یہ مناظر دنیا میں تہلکہ مچا سکتے ہیں۔"

ایاز نے کہا: "بے شک۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسا ٹیلی ویژن نہیں تیار ہو سکا ہے اس لیے کرۂ ارض کے رہنے والوں کو ان فردوسی نظاروں کا کوئی علم نہیں ہو سکا ہے۔"

مصروف بازار کا منظر غائب ہو چکا تھا اور ایک آراستہ کمرے میں ایک نوجوان لڑکی ایک سنگی چبوترے پر کھڑی ہوئی نظر آرہی تھی، اسکے سامنے ایک نوجوان عورت کا مجسمہ تھا۔ مجسمہ کے دونوں ہاتھ ہوا میں اس طرح اٹھے ہوئے تھے جیسے وہ مائل پرواز ہے لیکن چہرہ اس نوجوان حسینہ کی طرف اس انداز میں جھکا ہوا تھا گویا وہ اس کی کوئی بات بہت توجہ کے ساتھ سن رہی ہے۔ نوجوان حسینہ کا چہرہ اس مجسمہ کے کان کے قریب تھا اور وہ کچھ کہہ رہی تھی، اسکا لہجہ کچھ عربی اور کچھ ہندوستانی تھا لیکن الفاظ قطعی غیر مانوس تھے، لڑکی کے خدوخال انتہائی دل کش تھے۔ اس کے ملکوتی حسن نے اسد کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا تھا سب کچھ بھول کر صرف اسی کو دیکھے جارہا تھا۔

حسین لڑکی کا تبسم، متناسب اعضاء کی ایک ایک جنبش اور ہر ادا اسکے دل کی گہرائیوں میں منعکس ہوتی چلی جارہی تھی۔ ایاز نے اس سے کہا۔

"لہجہ سے اندازہ لگاؤ۔ یہ کس ملک کی زبان ہو سکتی ہے۔؟"

اسد اسی طرح مبہوت بنا بیٹھا ہوا لڑکی کے عکس کو دیکھتا رہا، ایاز نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہے تو واقعی حسین"

اسد چونک پڑا اور ایاز کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

پسند آئی ـــــ" ایاز نے اسد سے پوچھا اور سوئچ گھما کر ٹیلی وژن کا سلسلہ منقطع کرتے ہوئے کمرے کا برقی قمقمہ روشن کر دیا۔

"یہ کس ملک یا قوم کی ہو سکتی ہے ـــــ؟"

"یہ مناظر اور یہ انسان ہماری دنیا کے نہیں ہیں۔"

"تم کو یقین ہے ـــــ"

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس دنیا میں ابھی ٹیلی وژن نے اس قدر ترقی نہیں کی ہے ـــــ ابھی تم نے جو مناظر دیکھے ہیں وہ اس دنیا کے کسی حصہ سے برقی لہروں میں تبدیل کر کے ہم تک نہیں پہونچائے گئے ہیں۔ امریکہ کے ماہرین آج کل ٹیلی وژن کے لیے جو مناظر برقی لہروں میں تبدیل کر رہے ہیں وہ تقریباً مقامی ہوتے ہیں۔"

اسد کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا، اس کی سمجھ میں اس وقت کوئی بات نہیں آرہی تھی وہ جس طرف نظر اُٹھا کر دیکھتا تھا اس طرف اسے اسی نامعلوم حسینہ کا چہرہ نظر آرہا تھا وہ کرسی سے اٹھا اور ایاز کے ساتھ ٹہلتا ہوا دریچے کے قریب پہونچ گیا۔

ایاز نے پردہ کھینچ کر دریچے کو کھولا اور دونوں اس کے قریب ہی ایک صوفے پر بیٹھ گئے ایاز کے لیے اگرچہ یہ مناظر نئے نہ تھے لیکن وہ جس وقت بھی ان کو دیکھ لیتا تھا کچھ دیر کے لیے اپنے حواس کھو بیٹھتا تھا۔ وہ ابتک یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ یہ مناظر کہاں سے نشر کیئے جا رہے ہیں۔ دریچہ سے ایاز کے چمن کا ایک حصہ صاف نظر آرہا تھا، اسد اسی طرف پھیلے کے درختوں کے جھنڈ پر نگاہیں جمائے

ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

ایاز نے اٹھ کر میز سے سگریٹ کا ڈبہ اٹھایا اور پھر اسد کے قریب آ کر اُسے سگریٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ایک عجیب بات ہے کہ صبح آٹھ بجے سے شام کو چار بجے تک یکے بعد دیگرے یہی مناظر نظر آتے رہتے ہیں، صرف ان کے زاویئے بدلتے رہتے ہیں اور شام کو چھ بجے سے رات کے دو بجے تک کارخانوں، مشینوں اور دوکانوں وغیرہ کے مناظر نظر آتے ہیں۔"

اسد نے غیر ارادی طور پر سگریٹ سلگایا اور کچھ سوچ کر کہا۔

"وہ لڑکی جو لباس پہنے ہوئے تھی وہ شلوار سے ملتا جلتا تھا"

"شلوار ہی سمجھو اور قمیض کے بجائے اس کے جسم پر فراک کی طرز کا کوئی لباس تھا لیکن شانوں پر دوپٹہ بالکل مشرقی انداز میں پڑا ہوا تھا۔"

"وہ یقیناً کسی دوسری دُنیا کے مناظر ہیں۔ اس دنیا کے لوگ ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں اور ہم سے رابطہ قائم کرنے کے لیے اپنی روزمرہ کی زندگی اور مصروفیات کے مناظر محض اس امید پر نشر کر رہے ہیں کہ اگر ہم ٹیلی ویژن تیار کر چکے ہیں تو ان مناظر کو دیکھ کر یہ سمجھ لیں کہ ——— ہماری دنیا کی طرح ایک اور دنیا بھی ہے۔ وہاں بھی انسان بستے ہیں ——— اور ——— اور ———"

ایاز کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن اسد بول اٹھا۔

"یہ ان کے اشارے ہیں۔ وہ ہمکو اپنی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔ ان کی

ہوا بیاں ہماری دنیا کے گرد چکر لگا رہی ہیں۔ وہ ہم کو دعوت عمل دے رہے ہیں اس لیے ہمارا ابھی فرض ہے کہ ان تک پہونچنے کی کوشش کریں ——— چلو مجھے جائے پلاؤ میں چائے پی کر کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں "۔

ایاز اور اسد باتیں کرتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

(۲)

شام کو اسد جب دوبارہ ایاز کے کمرے میں پہونچا وہ اپنے ٹیلی ویژن میں ایک نیا والو لگا رہا تھا، اسد کے پردۂ خیال پر ابتک اسی نامعلوم لڑکی کے حسین پیکر کا عکس نظر آرہا تھا اور ہندستانی اور عربی لہجہ میں اسکے غیرمانوس الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ اس نے ایاز کے پاس پہونچتے ہی کہا۔

"ایاز اس وقت تم نے کہا تھا کہ تم نے ان مناظر کی عکسی تصاویر بھی لے لی ہیں"

"ہاں ——— وہ سامنے الماری کھولو۔ اس میں ایک بڑے لفافہ میں رکھی ہوئی ہیں"

اسد نے الماری کھول کر بڑا لفافہ نکالا اور تصاویر دیکھنے لگا نامعلوم حسینہ کی تصویر سامنے آتے ہی اس کے دل کی حرکت تیز ہوگئی۔ وہ ایک ساعت تک اس تصویر کو دیکھتا رہا اس کے بعد سب تصویروں کو لفافہ میں رکھ کر لفافہ کو

...ماری میں رکھ دیا اور ٹہلتا ہوا ایاز کے پاس آگیا۔

"کہو اب کیا پروگرام ہے؟"

"دس منٹ بعد شہر چلیں گے، مولانا عبدالسلام سے ملنا ہے۔"

"کوئی شرعی الجھن آپڑی ہے ـــــ؟ اسد نے ہنسکر دریافت کیا۔

ایاز نے ایک قہقہہ لگایا اور کھڑا ہوگیا۔

"چلو پہلے اس شرعی الجھن کو دُور کر لیا جائے پھر والوُ لگاؤں گا۔"

دونوں متعدد کمروں سے گزرتے ہوئے برآمدے میں آگئے۔ پورٹیکو میں ایک شاندار بیوک کھڑی ہوئی تھی، شوفر نے دونوں کو دیکھتے ہی بڑھکر دروازہ کھولا اور دونوں پچھلی نشست پر بیٹھ گئے۔

راستہ میں اسد نے ایاز سے پوچھا۔

"واقعی کسی مولانا سے ملاقات کروگے؟"

"ہاں ـــــ ابھی ٹیلیفون پر ان سے بات ہوئی ہے۔ بعد مغرب مجھے اُن کے مکان پر پہونچنا ہے۔"

"کس سلسلہ میں ان سے ملاقات کر رہے ہو۔؟"

"کیا وہ قاہرہ والا عصرانہ بھول گئے ـــــ؟" ایاز نے اسد سے سوال کیا۔

"قاہرہ والا عصرانہ ـــــ" اسد نے اپنے حافظہ پر زور دیتے ہوئے جملہ دہرایا۔

"ہاں ـــــ وہی جو ڈاکٹر سلیم رافع بے نے دیا تھا اور ہم کو الازہر سے ریکٹر سے لایا تھا۔"

اڑن طشتری

"اور وہ دعوت ـــــ ہاں یاد ہے" اسد نے کہا۔ "وہ تو ایک تاریخی
عصرانہ تھا۔ ریکٹر نے تعارف کے بعد ہم سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اب
جبکہ مشرق بھی سائنس کے میدان میں مغرب کے شانہ بشانہ چل رہا ہے، مشرقی
نوجوانوں کو علمائے دین سے بھی رابطہ قائم کرنا چاہیئے اس لیے کہ قرآن پاک
قدرت کے رازوں کا خزانہ ہے، اس کی ہر آیت ایک علمی اشارہ ہے"

"بالکل ٹھیک ـــــ تم کو ان کی مختصر تقریر کا ایک ایک لفظ یاد ہے۔ ہاں
تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں آج کل اسی سلسلہ میں مولانا عبدالسلام سے وقتاً فوقتاً
ملتا رہتا ہوں، دراصل اس ٹیلی وژن کی تیاری میں مجھے ان کے مشوروں سے بہت
مدد ملی ہے۔"

"واقعی ـــــ؟" اسد نے متعجبانہ لہجہ میں سوال کیا۔

"واقعی۔ اسد میں کیا بتاؤں۔ ہم نے بچپن میں قرآن پاک صرف اس
خیال سے پڑھا تھا کہ اس کے پڑھنے سے ثواب ملے گا۔ ہمارے باپ دادا بھی
اسی طرح پڑھتے آئے ہیں۔ لیکن ہم نے اور ہم سے کیا دنیا نے اس کو سمجھنے کی
کوشش نہیں کی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، کیا ہمارے علماء نے اس کو سمجھا؟"

"جس نے سمجھا وہ یقیناً لائق تعظیم و تکریم ہے۔"

اسد نے سوال کیا: "ایسے کتنے علماء ہیں۔"

"انگلیوں پر شمار کیے جا سکتے ہیں" ایاز نے جواب دیا۔ "یہی تو ایک مصیبت ہے
کہ بیشتر افراد دینی تعلیم محض ایک فریضہ سمجھ کر حاصل کرتے ہیں ان کی عام معلومات محدود

رقی ہیں اس لیے وہ صحیح طور پر اس کا مطلب نہیں سمجھتے ہیں اور عوام کو گمراہ کرتے رہتے ہیں!!

اسد نے اپنے سگریٹ کیس سے سگریٹ نکال کر ایاز کو ایک سگریٹ پیش کی، دوسری سگریٹ اپنے لبوں میں دبائی کھڑکی کے قریب سے ایک لٹو کھینچ کر اپنی سگریٹ سلگائی اور لٹو کو دوبارہ اس جگہ لگاتے ہوئے کہا۔

"یہ تو ایک حقیقت ہے کہ آجکل کے بیشتر علماء غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں لانے کے بجائے خود مسلمانوں ہی کو کافر بنا رہے ہیں ادھر کسی کی کوئی بات ان کی طبع نازک پر گراں گذری اور ادھر انھوں نے کفر کا فتویٰ دیا۔"

کار ایک جھٹکے کے ساتھ ٹھہر گئی، ایک چوراہے پر بچوں کی قطار سڑک کو عبور کر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف جا رہی تھی۔

"کسی یتیم خانے کے بچے معلوم ہوتے ہیں!" اسد نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھول سے چہرے مرجھائے ہوئے ہیں۔ دیکھو کس حسرت سے ہر طرف دیکھ رہے ہیں۔"

"میں اسی لیے انسانوں سے دور ایک پہاڑی پر زندگی بسر کر رہا ہوں۔ مجھے انسان کی خود غرضی اور بے رحمی دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی ہے!" ایاز نے یکایک لہجہ بدل کر کہا۔

"آج کل لکھنؤ واقعی لکھنؤ ہو رہا ہے۔"

"یعنی ——؟" اسد نے لاپروائی کے ساتھ پوچھا۔

یعنی یہ کہ اب لکھنؤ کی رنگینیاں پھر عود کر آئی ہیں۔ وہ نئے ریسٹوران کھل رہے ہیں، شبستان اور ڈریم لینڈ۔ لذیذ کھانوں اور دل پسند مشروبات کے ساتھ جنت نگاہ اور فردوس گوش ـــــ"

اسد ایاز کا جملہ مکمل ہونے سے قبل بول اٹھا۔

"آج میں نے جو مناظر دیکھے اور جو نغمات سنے ہیں ان کے سامنے یہ چیزیں بالکل روکھی اور پھیکی ہوں گی ـــــ"

"بہرحال عکس کے مقابلہ میں گوشت و پوست زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔"

"کیا تم بھی گوشت و پوست کو اہمیت دینے لگے ہو۔؟" اسد نے ایاز کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔

"خیر یہ بات تو نہیں ہے۔ میں ابھی تک اپنی زندگی اور خیالات میں کوئی انقلاب نہیں محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن میں نے ایک عام بات کہہ دی ـــــ"

"وہ عام آدمیوں کے لیے چھوڑ دو ـــــ"

دونوں اپنے اپنے خیالات میں کھو گئے۔ کار شہر کی مصروف سڑکوں سے گذرتی ہوئی والا قدر روڈ پر پہونچ کر ایک شاندار کوٹھی کے سامنے ٹھہر گئی۔ کوٹھی کا ہر کمرہ برقی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔

"مولانا عبدالسلام صاحب اسی کوٹھی میں رہتے ہیں۔"

"خوب ـــــ بڑے ٹھاٹھ ہیں مولانا کے ـــــ"

"بڑی خوبیوں کے انسان ہیں۔ تم ان سے مل کر بہت خوش ہو گے۔"

دونوں کار سے اُترے اور پھاٹک سے گذر کر برآمدے میں پہونچے برآمدے

کے سامنے مختصر سا چمن تھا چمن میں ایک شخص سفید شیروانی پہنے اور سفید صافہ باندھے ایک پتھر پر بیٹھا ہوا بیڑی پی رہا تھا ایاز اور اسد کو دیکھتے ہی وہ بیڑی کو ہاتھ میں چھپا کر کھڑا ہو گیا اور سلام کرتے ہوئے بولا۔

"کمرے میں تشریف رکھیے۔ مولانا مسجد میں ہیں۔"

ایاز اور اسد کمرے میں داخل ہوئے اور ایک ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔

کمرے میں چاروں طرف قدرتی مناظر کی بڑی بڑی قلمی تصاویر لٹک رہی تھیں آتش دان پر دو گلدانوں کے درمیان ایک خوبصورت ٹائم پیس رکھی ہوئی تھی اس سے کچھ اوپر دیوار پر ایک بڑے سنہری چوکھٹے میں مولانا کی تصویر لگی ہوئی تھی —— بھرا ہوا چہرہ، کشادہ پیشانی۔ بڑی بڑی آنکھیں اور گھنی گول داڑھی سر پر زرکار کلاہ اور سرمئی رنگ کی مشہدی لنگی تھی۔ جسم پر طاؤسی رنگ کی دھاریدار سرج کی شیروانی۔

اسد نے کمرے پر طائرانہ نظر ڈالی اور مولانا عبدالسلام صاحب کی تصویر پر نگاہیں جما دیں۔ ایک ساعت تک تصویر کو بغور دیکھتا رہا پھر ایاز کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"آدمی تو سلجھی ہوئی طبیعت کے معلوم ہوتے ہیں۔"

"بہت نفس سمجھ اور خلیق انسان ہیں۔"

ایاز نے سگریٹ کیس نکالنے کی نیت سے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ ملازم نے اسٹیٹ ایکسپریس کا ڈبہ لا کر سنٹر ٹیبل پر رکھ دیا۔ دونوں نے ایک ایک سگریٹ سلگایا اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔

کچھ ہی دیر بعد مولانا عبدالسلام آ گئے۔ وہ اسوقت فاختئی رنگ کے پشمینہ کا عبا پہنے ہوئے تھے۔ عبا کے کناروں پر کشمیری کام بنا ہوا تھا سر پر سمور کی بڑی ٹوپی تھی۔ ان کے سرخ و سپید رنگ بھرے ہوئے چہرے اور سیاہ گھنی داڑھی پر یہ لباس بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ انھوں نے کمرے میں قدم رکھتے ہی بلند آواز میں "السلام علیکم" کہا ایاز اور اسد سے گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے ان کو صوفے پر بٹھایا اور خود بھی ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔

ایاز نے اسد کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

آپ میرے عزیز ترین دوست اسد اللہ خاں صاحب ہیں۔

"اچھا تو آپ ہیں اسد صاحب" مولانا نے بڑھ کر دوبارہ مصافحہ کیا۔ "آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی۔ ایک عرصہ سے اشتیاق تھا۔ ایاز صاحب ہر ملاقات میں آپ کا تذکرہ ضرور کرتے ہیں۔ آپ کب تشریف لائے۔"

"آج ہی حاضر ہوا ہوں۔"

"خدا آپ کو آپ کے ارادوں میں کامیاب کرے۔ یقین مانیے اسد صاحب جس وقت ایاز صاحب نے آپ کے عزائم کا ذکر کیا اس وقت میں بیساختہ کہہ اٹھا یہ شخص خدا کا مقبول بندہ ہے۔ اس لیے کہ وہ اس کی نعمتوں کا اعتراف کر رہا ہے۔ نہ اس کے راز ہائے سربستہ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بے شک اس پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں گی این سعادت بزور بازو نیست + تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

"مولانا صاحب! میں اس کا ایک ناچیز بندہ ہوں۔ ابھی تک میں خود نفس

بندگی ہی نہیں ادا کر سکا ہوں ــــــ"

"آپ کا شن بھی ایک عبادت ہے ــــــ"

"یہ آپ کی ذاتی رائے ہے یا علمائے کرام کی ــــ؟"

"ہمارے نبی کریم نے ہی بتایا ہے"

مولانا عبدالسلام صاحب نے اپنے ملازم کی طرف دیکھا، وہ دروازے کے قریب حکم کا منتظر کھڑا ہوا تھا۔

"میاں عبدالغفور!" انھوں نے ملازم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔ "مہمانوں کی کچھ خاطر نہ کرو گے ۔ ؟"

"جو حکم ہو میاں ــــــ" عبدالغفور نے آگے بڑھکر کہا۔

مولانا عبدالسلام نے ایاز اور اسد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ آج آپ حضرات میرے ساتھ ماحضر تناول فرمائیں ؟"

"اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو پرسوں شام کو ہم لوگ حاضر ہو جائیں ۔ آج مجھے ایک دوسرے صاحب سے بھی ملنا ہے"

"بہتر ہے ــــ پرسوں ہی سہی ۔ ہاں تو ایاز صاحب فرمایئے اب آپ کس مرحلہ پر پہونچے ہیں ؟"

"مولانا صاحب! وہ تو ابھی تک ایک عقدۂ لاینحل ہے ۔ آج ہی نے اسد صاحب کو بھی وہی مناظر دکھائے ۔ ان کا بھی یہی خیال ہے کہ وہ مناظر ہماری دنیا کے نہیں ہیں"

"قطعی نہیں ــ" مولانا نے پُر زور لہجہ میں کہا "وہ عالموں کو پالنے والا ہے

سائنسدان ابھی تک صرف مریخ ہی کے متعلق متفق الرائے ہیں کہ وہ ایک آباد سیارہ ہے لیکن خدا نے اپنے مقدس صحیفہ میں لاتعداد دنیاؤں کا تذکرہ کیا ہے۔ اب یہ ہمارا اور آپ کا کام ہے کہ ان کی تحقیق کریں۔ انکا پتہ چلائیں۔"

"کوشش تو یہی ہو رہی ہے۔ خصوصاً اب مغرب سے زیادہ مشرق میں ان چیزوں سے دل چسپی لی جا رہی ہے۔"

اسد نے مولانا کو سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ شاید اور کچھ کہتا لیکن مولانا بول اُٹھے۔

"افسوس کہ مسلمان عذاب و ثواب جزا و سزا اور خیر و شر کی گتھیوں میں الجھکر فرمانِ خدا کو بھلا بیٹھے اور اپنے نبی کی ہدایات پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور دنیا میں ایک ہزار سال بعد ترقی کا دور شروع ہوا۔ اندلس کے مسلمانوں نے اس دور کی ابتدا کی تھی لیکن اموی اور عباسی خاندانوں کے تصادم اور مسلمانوں کی خانہ جنگیوں نے ان کی ترقی کی راہوں کو مسدود کر دیا۔ انھوں نے عیش و عشرت میں پڑ کر مذہب سے روگردانی کی اور محکوم انکے حاکم ہو گئے۔

اسد نے کہا۔ "اب تو مغربی سائنسداں بھی اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں کہ اگر اندلس کے مسلمان آپس کی خانہ جنگی سے تباہ نہ ہو جاتے تو جوہری طاقت اس وقت ایک داستانِ پارینہ ہوتی اور اس دنیا کا انسان شاید اسی نظام شمسی سے بھی آگے کائنات کی وسعتوں میں پھیل چکا ہوتا۔"

مولانا عبدالسلام کے ہونٹ مرتعش ہو گئے۔ آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اور وہ ایک ساعت تک سنٹر ٹیبل کی طرف بغیر کسی ارادے کے دیکھتے رہے

پھر گلوگیر آواز میں بولے۔

"میرے نوجوان دوست! اسپین کے کھنڈرات آج بھی انکا ماتم کر رہے ہیں، ان کی صناعی دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اسپین کی سیاحت کے دوران میں جب میں وادی الکبیر کے کنارے پہونچا تو آثار قدیمہ دیکھ کر میرا کلیجہ منھ کو آنے لگا۔ مدینۃ الزہرا کے کھنڈرات پر نظر پڑتے ہی بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔ اندلسی مسلمانوں کا اموی دور واقعی ترقی کا دور تھا۔ کلوں اور پرزوں کی ایجاد کا سہرا ان ہی مسلمانوں کے سر بندھتا ہے۔"

اسد نے کہا "ہاورڈ یونیورسٹی شعبہ تاریخ کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر گیرڈ نے نیویارک کے مشہور جریدہ "لک" میں اسکا اعتراف کیا ہے کہ مشینی دور کی ابتدا اندلس ہی میں ہوئی تھی۔"

"میں کیا عرض کروں اسد صاحب!" مولانا عبدالسلام پرجوش لہجہ میں بولے "قرطبہ جسے اب کارڈووا کہا جاتا ہے اس کی موجودہ آبادی کے چاروں طرف وادی الکبیر کے کنارے میلوں تک اس زمانے کے کارخانوں کے آثار پائے جاتے ہیں۔ کھنڈروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت شہر کی آبادی چالیس پچاس لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ بلنسیہ میں بھی ہزاروں کارخانے شکر سازی، کاغذ سازی، سوت، ریشم، ادویات اور فولاد کے کم و بیش پانچ کارخانے صرف غرناطہ میں تھے۔"

ایاز نے کہا "اندلسی مسلمانوں کی تباہی اور بربادی تاریخ اسلام کا سب سے بڑا المیہ ہے۔"

مولانا عبدالسلام صاحب نے سرد آہ بھر کر کہا "یہ سب مذہب سے روگردانی کا نتیجہ ہے!"

کچھ دیر کے لیے سب اپنے تاثرات میں گم ہو گئے۔ عبدالغفور نے خاصدان لا کر میز پر رکھ دیا۔ مولانا عبدالسلام صاحب نے پہلے اسد اور پھر ایاز کی طرف خاصدان بڑھایا اور خود ایک پان کھا کر بولے۔

"ایاز صاحب! آپ ان مناظر کے عکس کا مخرج معلوم کرنے کی کوشش کیجیے۔"

"میں نے آج ایک نیا والوٹیار کر لیا ہے۔ اگر میرا تجربہ کامیاب رہا تو شاید میں اس دنیا سے اس عکس کے مخرج تک کا فاصلہ آسانی کے ساتھ معلوم کر لوں گا اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ میں اجرام فلکی میں اس سیارہ کو بھی دریافت کر لوں جہاں سے ان مناظر کا عکس برابر نشر کیا جا رہا ہے۔"

"خدا آپ کو آپ کے ارادوں میں کامیابی عطا فرمائے۔" مولانا عبدالسلام صاحب نے ایاز سے کہا اور اسد کو مخاطب کرتے ہوئے بولے "اسد صاحب قوم کے دردمند افراد نے آپ سے بھی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔ ایاز صاحب اس سیارہ کا پتہ چلائیں اور آپ وہاں تک پہونچنے کی کوشش کریں۔"

"اگر خدا نے چاہا تو میں ایک روز ضرور وہاں تک پہونچ جاؤں گا۔ آپ دعا کیجیے۔"

"سب سے بڑی دعا انسان کا عزم محکم ہے۔ جو ہمت کرتے ہیں، خدا انکی مدد کرتا ہے۔ اسوقت قوم کو آپ ہی جیسے اولوالعزم نوجوانوں کی ضرورت ہے۔"

ایاز نے کہا "اور مسلمانوں کو آپ جیسے عالم دین کی"

"میں قوم کا خادم ہوں ـــــ میرے دل میں جذبۂ عمل ہے اور شب و روز میں اس سے یہی دعا مانگتا ہوں کہ وہ مجھے اس قابل بنا دے کہ میں اس کے بندوں کی خدمت کر سکوں"

ایاز نے مسکرا کر کہا "آپ کے تو یہ خیالات ہیں اور ہمارے بعض علماء ہمارے خلاف کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں"

مولانا ہنس دیئے "اس میں ان بیچاروں کا قصور بھی کیا ہے۔ ہندستان میں مسلمانوں کی حکومت کے خاتمہ کے بعد جو طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا اس نے اسلامی روح کو کچل کر رکھ دیا۔ فرمان نبی تھا کہ علم حاصل کرو خواہ چین تک جانا پڑے۔ ظاہر ہے کہ چین جا کر علم حاصل کرنے سے مراد دینی تعلیم نہ تھی یہ محض ایک اشارہ تھا۔ لیکن بیشتر افراد آجکل آذوقہ حیات حاصل کرنے کے لیے علم حاصل کرتے ہیں خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی۔ جو دنیاوی علوم حاصل کرتے ہیں ان کو دینیات سے دور کا بھی لگاؤ نہیں رہتا ہے، یہی حالت اُن لوگوں کی ہے جو دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ انکا مطالعہ صرف دینی کتب تک محدود رہتا ہے"

اسد بول اٹھا، مولانا اس وقت آپ نے وہ بات کہدی جو عرصہ سے ہماری گفتگو کا موضوع بنی ہوئی ہے۔ ہم دونوں جب کبھی بھی ملتے ہیں اس مسئلہ میں ضرور تبادلۂ خیال ہوتا ہے"

مولانا عبدالسلام نے مسکرا کر کہا اب عوام بیدار ہوتے جا رہے ہیں، پرسوں ایک صاحب سے اسی موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی انھوں نے ایک عالم دین کے

متعلق بتایا کہ باتوں باتوں میں انھوں نے عالم صاحب سے دریافت کیا کہ ضلع لکھنؤ میں کے تحصیلیں ہیں تو عالم صاحب ان سے خفا ہو گئے اور کہنے لگے۔ جناب میں عالم ہوں پٹواری نہیں ہوں "۔

اسد اور ایاز نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ مولانا عبدالسلام بھی ہنسنے لگے اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: "تو جناب عالی میں یہ کہہ رہا ہوں کہ دونوں کی راہیں جدا ہو گئی ہیں۔ نہ تو بیشتر علمار دین کو دنیا کے متعلق پوری واقفیت ہے اور نہ دنیا کا علم رکھنے والوں کو دین سے آگاہی ہے۔ ایسی صورت میں دونوں گروہوں کے مابین اختلافات کی خلیج حائل ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں ہے "۔

" بیشک آپ کا خیال صحیح ہے "۔ اسد نے مولانا کی تائید کی۔

ایاز نے کہا: " مجھے آپ کیا مشورہ دیتے ہیں۔ ان مناظر کے متعلق دنیا کے دیگر سائنسدانوں کو مطلع کروں یا فی الحال خاموش رہوں "۔

" میری رائے میں تو آپ پہلے اپنا تجربہ ختم کر لیں "۔

" بہتر ہے۔ اچھا تو پھر اجازت دیجئے۔ ہم لوگ پرسوں حاضر ہوں گے "۔

مولانا عبدالسلام، ایاز اور اسد نے ہاتھ ملایا اور دونوں کار پر آکر بیٹھ گئے،

ایاز نے کہا: " چلو شبستان کی بھی ایک جھلک دیکھ لو "۔

" مجھے فرخ اور کنور بہادر سے بھی ملنا ہے "۔

" اسوقت وہ لوگ وہیں ہوں گے "۔

کار چند سڑکوں سے گذر کر ایک جدید طرز کی شاندار عمارت کے سامنے پہونچکر ٹھر گئی۔ سیمابی روشنی نے عمارت کے بیرونی حصہ کو دیوار آتشیں بنا دیا تھا۔

صدر دروازہ ایک بہت بڑے دائرہ کی صورت میں بنایا گیا تھا جس کے چاروں طرف رنگا رنگ کے نقلی پتھر اس طرح لگائے گئے تھے کہ سیمابی روشنی اپر منعکس ہو کر قوس قزح کا سماں پیش کر رہی تھی۔

دروازے کے باہر باوردی ملازم دو رویہ کھڑے ہوئے تھے۔ شہر کے معقول نوجوان جوڑے زرق برق لباس زیب تن کئے ہوئے دروازے سے گذر کر وسیع ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ سڑک سے ہال کا صرف ایک حصہ نظر آ رہا تھا، ہلکے نارنجی رنگ کی روشنی اور شعلہ رخوں کی آمد و رفت نے اسے آتشکدہ بنا دیا تھا۔

اسد اور ایاز کار سے اُترے۔ اسد نے عمارت کی طرف دیکھ کر کہا۔

"عمارت تو شاندار ہے"۔

"اسکا وسیع ہال قابل دید ہے۔ اسکو آراستہ کرنے والوں نے سیمابی قمقموں پر شیشے کے نارنجی خلاف چڑھاکر ایک عجیب دلکشی پیدا کر دی ہے۔ آؤ اندر چلیں"

"جلدی کیا ہے۔ ذرا چہل قدمی کر لیں، ایک مدت کے بعد آج یہاں آیا ہوں ــــ یہ وہی سڑک ہے جسے ہم اور تم غیر ممالک میں یاد کیا کرتے تھے"۔

"واقعی دیار غیر میں پہونچکر وطن کی قدر ہوتی ہے"۔

دونوں شبستاں کے سامنے ٹہلنے لگے۔ جوان العمر حسین و جمیل لڑکیاں اپنے غراروں اور دوپٹوں کو ہوا میں لہراتی ہوئی ہال کے اندر جا رہی تھیں ایاز نے اسد کی طرف دیکھ کر کہا۔

"چلو اندر ہی چلکر بیٹھیں۔ فرخ اور کنور بہادر آ چکے ہوں گے۔ آجکل فرخ تزئین جمال کے ساتھ یہاں گھنٹوں بیٹھا رہتا ہے"۔

جوانی کی ایک لغزش نے اُسے بھی کہیں کا نہ رکھا۔"

ایاز نے اسد کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا اور دونوں باتیں کرتے ہوئے شبستان کے صدر دروازے میں داخل ہو گئے۔

(۳)

ہال میں قدم رکھتے ہی دونوں ایک نئی دنیا میں پہونچ گئے۔ جہاں ہر طرف شوخ و شنگ لڑکیاں نوجوانوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی میزوں کے گرد بیٹھی ہوئی قہقہے لگا رہی تھیں۔ ایک طرف شمالی ہند کے مشہور ساز ندے زر بفت کی شیروانیاں اور سفید چُست پائجامے پہنے اور سر پر بنارسی صافے باندھے بیٹھے ہوئے ہلکے سروں میں کوئی دل کش راگ بجا رہے تھے۔ ہال کے وسط میں پہونچتے ہی دونوں کو ہال کے دائیں اور بائیں حصوں میں ہلکی نیلگوں روشنی نظر آئی۔

"یہ نئی جدت ہے" ایاز نے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "گزشتہ ماہ جب میں یہاں آیا تھا تو ہال میں صرف نارنجی روشنی ہو رہی تھی۔"

"یہ ایک اچھی جدت ہے!" اسد نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

قریب ترین میز کے گرد بیٹھی ہوئی چند نوجوان خواتین ان دونوں کی طرف دیکھنے لگیں۔ دونوں مردانہ حسن کا اچھا نمونہ تھے۔ ایک امریکن یونیورسٹی کے معمل میں کام کرنے والی چند امریکن لڑکیوں نے اسد کا نام مشرقی اپولو رکھا تھا۔

اس کے سنہرے بال، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی نیلی آنکھیں۔ لانبی ناک، پتلے ہونٹ، بیضوی چہرہ، نوجوان لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کر لینے کے لیے کافی کشش رکھتا تھا۔ اس کے کندنی رنگ میں شفق کی سرخی کی سی جھلک تھی۔ وہ ایک دراز قد۔ چوڑے چکلے سینے والا متناسب الاعضار چوبیس سالہ نوجوان تھا۔ ایاز بھی اسی کا ہم عمر اور ایک خوش رو نوجوان تھا۔ زمانۂ تعلیم میں یونیورسٹی کی متعدد روشن خیال اور شوقین لڑکیوں نے ان دونوں سے دوستی کے پینگ بڑھانے کی کوشش کی لیکن اسد اور ایاز نے کبھی ان کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

ایاز اور اسد نے چاروں طرف دیکھا ہال منچلے نوجوان مردوں اور عورتوں سے تقریباً بھر چکا تھا۔ اسد نے ہال کے اختتام پر ایک زرکار مخملی پردہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”یہ غالباً اسٹیج ہے ——“

”ہاں۔ لیکن اب دوسرا پروگرام ساڑھے سات بجے شروع ہوگا۔ آؤ کسی مناسب جگہ پر بیٹھ جائیں“

ایک گوشے سے نقرئی قہقہے بلند ہوئے۔ دونوں اس طرف متوجہ ہو گئے۔ چند نوجوان جوڑے ایک میز کے پاس کھڑے ہوئے ہنس رہے تھے۔ اسد اور ایاز نے انھیں خوش فکروں میں فرخ اور کنور بہادر کو بھی دیکھا اور میزوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ان کے پاس پہونچ گئے۔ اسد کو دیکھتے ہی فرخ اس سے لپٹ گیا۔ کنور بہادر نے اس سے گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ

کیا اور ایاز سے ہاتھ ملایا۔ ان کی ساتھی لڑکیاں ان کے قریب ہی کھڑی ہوئی اسد
دایاز کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ فرخ نے ایک نوجوان لڑکی کا دونوں سے تعارف
کراتے ہوئے کہا۔

"یہ مس لاجونتی ہیں۔ میجر جسونت سنہا کی صاحبزادی ہیں اور آپ ـــــ"
اس نے ایک دوسری لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" اسد تم تو ان کو
پہچانتے ہو گے آنسہ زرین جمال ـــــ آپ کے والد طہران کے ہندوستانی
سفارت خانے میں ایک ممتاز عہدہ پر فائز ہیں۔ وہ پہلے علیگڑھ میں تھے۔"
"میں اس سے قبل بھی آپ کو دیکھ چکا ہوں۔" اسد نے جواب دیتے
ہوئے لاجونتی اور زرین جمال سے ہاتھ ملایا۔
"ـــــ اور آپ مس گیتی ہیں ـــــ گیتی قزلباش ـــــ" فرخ نے
ایک نوخیز حسینہ کی طرف مسکرا کر دیکھا۔" اور آپ ـــــ" اس نے چوتھی لڑکی
کی طرف دیکھ کر کہا۔" ـــــ آپ آنسہ زمرد فریدوں ہیں۔"
رسمی گفتگو کے بعد سب میزوں کے گرد بیٹھ گئے اور آپس میں باتیں کرنے
لگے۔ لاجونتی کنور بہادر کے پاس بیٹھ گئی وہ اس کی ہر ہر بات پر کھلی جارہی تھی
وہ جب بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے باتیں کرتی تھی تو کنور
بہادر کی آنکھیں جھکنے لگتی تھیں۔ اسد نے کنور بہادر کی طرف دیکھا اور ایاز سے
نگاہیں ملتے ہی مسکرا دیا۔ زمرد اسد اور ایاز کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی وہ بھی
مسکرادی۔
فرخ نے کہا۔" ٹھنڈی کافی پیو گے یا گرم؟"

"میرے لیے گرم و سرد یکساں ہیں" اسد نے مسکرا کر کہا۔

"ابھی شاید آپ دنیا کے گرم و سرد سے واقف نہیں ہوئے ہیں" زمرد نے اسد کو آنکھوں کے گوشوں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"ہاں اسد ——" فرخ بول اُٹھا "جب تک تم لکھنؤ میں ہو زمرد سے دنیا کے گرم و سرد کا سبق لیتے رہو ——"

لاجونتی تزئین اور گیتی نے قہقہہ لگایا۔

کنور بہادر نے سنجیدہ صورت بنا کر کہا "اس میں ہنسنے کی کونسی بات بات ہے۔ فرخ نے بہت صحیح مشورہ دیا ہے۔ زمرد خرطوم میں بھی رہ چکی ہیں اور ہلسنکی کے اولمپک کھیلوں میں بھی حصہ لے چکی ہیں۔ اور اس طرح وہ دنیا کا گرم و سرد دیکھے ہوئے ہیں"

"اچھا ——" زمرد نے سر کی ایک لطیف جنبش کے ساتھ کہا "تو گویا آپ لوگ مجھے بنا رہے ہیں"

"زمرد تم تو ذرا سی بات میں ناراض ہو جاتی ہو" فرخ نے منہ بنا کر کہا۔

لاجونتی بول اٹھی "حالانکہ یہ بیچارے تم کو خوش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں"

"پہلے ایک کو تو خوش کر لو" زمرد نے مسکرا کر فرخ سے کہا۔

گیتی اور لاجونتی مسکرا دیں۔ ایاز نے کہا۔

"فرخ —— تم زمرد سے نہیں پیش پا سکتے ——"

زمرد نے کہا "یہ نہ کہیئے ایاز صاحب ورنہ فرخ ابھی پنجہ لڑانے کے لیے

ہاتھ بڑھادیں گے۔"

خدمتگاروں نے میز پر کافی کا سامان لگادیا۔ زمرد نے فرخ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھو فرخ اب تم بُرا مان گئے"

لاجونتی ایاز اور گیتی ہنسنے لگے۔ فرخ نے خفت مٹاتے ہوئے کہا۔

"اچھا صاحب میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"صرف الفاظ ــــــ" کنور بہادر نے ہنس کر دریافت کیا۔

اور کیا ــــ لاجونتی نے ٹکڑا لگایا۔ "تم یہ چاہتے ہو کہ وہ اپنی تمنائیں بھی ــــ"

گیتی نے لاجونتی کے منھ پر ہاتھ رکھ کر ہچکچاتے ہوئے کہا ــــــــ

"کمبخت بڑی منھ پھٹ ہو گئی ہے۔"

"خیر کوئی مضائقہ نہیں ــــ" زمرد نے پیالے میں کافی ڈالتے ہوئے زرین کی طرف ترچھی نظروں سے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "بعد میں زرین سے معذرت کرلوں گی۔"

زرین نے زمرد کو گھور کر دیکھا۔

"تمھارے لیے ٹھنڈی کافی منگاؤں ــــ؟" زمرد نے سنجیدہ صورت بنا کر پوچھا۔

زرین ہنس دی۔ زمرد نے سب سے پہلے اسد کی طرف پیالہ بڑھایا۔ سازوں کی آواز تیز ہو چکی تھی۔ گیتی آہستہ آہستہ طشتری پر چمچ بجانے لگی۔ زرین اسے آنکھوں کے گوشوں سے دیکھ کر مسکرائی اور ایاز کو مخاطب کرتے ہوئے بولی

"ایاز صاحب! سنبھالیے ان کو!"

گیتی نے مسکرا کر چمچہ طشتری میں رکھ دیا اور پیالی اٹھالی۔ ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور سب اسٹیج کی طرف متوجہ ہو گئے۔ زرکار مخملی پردہ آہستہ آہستہ دائیں اور بائیں جانب کھسک رہا تھا۔ اسد کے لیے یہ پہلا اتفاق تھا اس لیے وہ اس طرف ہمہ تن متوجہ ہو گیا۔

ہال کی روشنی بتدریج کم ہونے لگی۔ اسٹیج پر کہسار کا دل کش منظر تھا۔ ہلکی نیلی، سبز اور سُرخ روشنیوں نے منظر میں جان ڈال دی تھی۔ ارغنوں کی آواز بتدریج کم ہو کر مرتعش ہوتی تھی اور پھر یکایک تیز ہو کر جل ترنگ کی آواز میں مدغم ہو جاتی تھی۔

"زرین نے کہا، آج غالباً وہی کشمیری لڑکی رقص کرے گی!"

"ریشماں ____" گیتی نے کافی کا گھونٹ حلق سے اُتار کر کہا۔

گھنگھرو کی تیز آواز کے ساتھ ریشماں اسٹیج پر تھرکتی ہوئی نظر آئی۔ وہ تبت کے پجاریوں کا رقص کر رہی تھی۔ اسد دو ایک منٹ تک اس طرف دیکھتا رہا پھر کافی پینے لگا۔

زمرد نے جھک کر اس سے دریافت کیا "کیا آپ کو رقص و سرود سے دلچسپی نہیں ہے۔؟"

اسد ہنس دیا۔ کنور بہادر نے کہا۔

"ان کو صرف ستاروں سے دلچسپی ہے!"

"فلمی ستاروں سے ____" زمرد نے سوال کیا۔

"نہیں آسمانی ستاروں سے ـــــ" ایاز نے جواب دیا۔

"آپ لوگوں کی زندگی بھی عجیب زندگی ہوتی ہے" گیتی نے اسد اور ایاز کی طرف دیکھ کر کہا۔ "انتہائی خشک اور غیر دلچسپ ـــــ"

"صرف آپ لوگوں کے لیے" ایاز بول اٹھا۔ ـــــ "ورنہ اس زندگی میں جو لطف ہے اس کا اندازہ صرف وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو اس سے واقف ہیں"

زمرد نے اسد سے کہا۔ "فرخ صاحب کہتے ہیں کہ آپ آج کل کسی پہاڑی پر اپنے تجربات میں مصروف ہیں"

"جی ہاں ـــــ" اسد نے جواب دیا۔ "مصروفیت کا تو یہ عالم ہے کہ مہینوں نینی تال تک نہیں جا سکتا ہوں"

"طبیعت تو نہیں گھبراتی ہے ـــــ؟"

"مصروفیت میں طبیعت گھبرانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے"

"آپ کم از کم پندرہ دن روز لکھنؤ میں قیام کریں" زمرد نے اسد سے دوستانہ لہجہ میں کہا "یا پھر تم ہی دو ایک ماہ کے لیے اسد صاحب کے ساتھ چلی جاؤ" تزئین نے مسکرا کر زمرد سے کہا۔

"اگر ممبئی نہ جانا ہوتا تو میں ضرور جاتی ـــــ"

"ممبئی اگست میں جا سکتی ہو ـــــ" گیتی بول اٹھی۔

"تم بھی چلو گی ـــــ"

"ہاں بشرطیکہ مئی کے پہلے ہفتہ میں چلو"

"ضرور تشریف لائیے ـــــ" اسد نے زمرد اور گیتی سے کہا۔ "ان پہاڑوں

کے سیلے ہوں، ہو تم ہفتہ میں تمہیں میرا ایلچی کو مبرجی آجائے گا۔"

"واقعی ـــــ؟" فرخ چونک پڑا۔

"امریکہ کی راک فلر انسٹی ٹیوٹ نے میری ایک تحقیق کے سلسلے میں مجھے ایک ایلچی کو پڑ دیا ہے۔"

فرخ نے کہا ـــ "لیکن مجھ کو ہوا تک نہ دی ـــــ؟"

"میں اسی لیے تمہاری تلاش میں اس وقت آیا تھا۔ تم سب آؤ۔ ایاز ایک ہفتہ بعد میرے ساتھ جائیں گے۔ مجھے حکومت کی طرف سے جو عمارت ملی ہے وہ کسی انجینیئر ریٹائرڈ آفیسر کی کوٹھی ہے میں نے اسی میں اپنی رصد گاہ دارالتجارب اور ایک مختصر سا کارخانہ بنایا ہے اس میں بیک وقت آٹھ مہمان قیام کر سکتے ہیں۔"

"یہ لوگ آئیں یا نہ آئیں لیکن میں گیتی کے ساتھ ضرور آؤں گی۔" زمرد نے اسد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور کنور بہادر سے دریافت کیا "کہو کنور! تم بھی چلو گے ـــــ؟"

"یقیناً" اس نے جواب دیا۔ "میں نے تو اسد کو اپنے گذشتہ خط میں لکھ دیا تھا کہ میں امسال ضرور آؤنگا۔"

رشماں اسٹیج سے جا چکی تھی۔ فرخ اور اس کے ساتھی کافی ختم کر چکے تھے زمرد نے گیتی سے کہا "آج پروگرام کچھ زیادہ اچھا نہیں ہے۔" پھر وہ اسد کی طرف متوجہ ہو گئی "اسد صاحب! کیا آپ ہمارے ساتھ رقص میں حصہ لیں گے ـــــ؟"

"بشرطیکہ دس بجے تک آپ تھک جائیں" اسد نے ہنسکر جواب دیا۔
"تو پھر اٹھیے ڈریم لینڈ چلیں۔ بال روم ڈانسنگ کے لیے لکھنؤ میں وہی ایک اچھی جگہ ہے ــــ"

کنور بہادر نے کہا " رقص سے قبل ہم کو کچھ کھا لینا چاہیئے۔ میں بہت بھوکا ہوں"

فرخ نے فوراً ٹکڑا لگایا " مٹر کا بل اور کچالو سے اپنا پیٹ بھر لو"

لاجونتی نے اٹھتے ہوئے کہا " فرخ صاحب! کچھ بھی نہیں ــــــ آجکل تم بہت ہٹس ہو رہے ہو"

سب ہنستے اور آپس میں باتیں کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ فرخ نے بل ادا کیا اور سب باہر آکر ٹہلتے ہوئے ڈریم لینڈ کے سامنے پہونچ گئے۔ ڈریم لینڈ کی بیرونی دیوار پر جا بجا سیمابی نلکیوں سے تارے بنے ہوئے تھے۔ صدر دروازہ ہلالی شکل کا تھا۔ اسد نے صدر دروازے میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔

" اس کی آرائش میں شبستان سے زیادہ فنکارانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا گیا ہے"

" اپنی اپنی طرز پر دونوں خوب ہیں ــــ" ایاز نے جواب دیا۔

" اسکی چھت دیکھنے کے قابل ہے" زمرد نے اسد سے ہال میں داخل ہونے سے قبل کہا۔

" اس میں کہکشاں بنائی گئی ہے یہ نیلگوں سیمابی روشنی اسی کا عکس ہے"

"شاعرانہ تخیل ہے وہ" اس نے زمرد کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "بہرحال لکھنؤ جو لکھنؤ ہے، جانِ عالم اختر پیا کی رنگین سرزمین ـــــ"

وہ ہال کے اس حصہ میں پہونچ چکے تھے جس کے اوپر ایک بہت بڑے دائرے کی شکل میں بالکنی بنی ہوئی تھی۔

• زرخ نے ایک کاؤنٹر کے پاس پہونچکر سب کے داخلے کے ٹکٹ لیے۔ زمرد اسد کے شانے اور بازو کو مس کرتی ہوئی چل رہی تھی، اسکا چہرہ وفورِ مسرت سے گلاب کا شگفتہ پھول معلوم ہو رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی اس کو پر شوق نگاہوں سے دیکھ لیتی تھی۔

ہال میں قدم رکھتے ہی اسد نے کہا۔

"یہاں شبستان سے زیادہ رونق ہے"

"آج سنیچر ہے۔ سنیچر کو یہاں بال روم میں ڈانس کا خاص پروگرام ہوتا ہے۔ فوجی افسران کی بیویاں، کالج اور یونیورسٹی کے طلبا خاص طور پر آج کثیر تعداد میں آتے ہیں"

گیتی بول اٹھی "اتوار، منگل اور جمعرات کو شبستاں میں تل رکھنے کی جگہ نہیں رہتی ہے"

رقص کا ایک دور ختم ہو چکا تھا۔ حسین و جمیل لڑکیاں اور خوش پوش خواتین اپنے دوستوں اور شوہروں کے ساتھ میزوں کے گرد بیٹھی ہوئی خوش گپیاں کر رہی تھیں۔ جا بجا قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ اسد، زمرد، ایاز اور ان کے ساتھی میزوں کی قطاروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے رقص کے مسطح فرش کے قریب

پہونچ گئے۔ زمرد نے دو خالی میزوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "آئیے ہم لوگ وہاں بیٹھیں ـــــــ"

ایاز، فرخ، گیتی اور تزئین ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔ اسد، زمرد، لاجونتی اور کنور بہادر نے ایک دوسری میز کی کرسیاں گھیر لیں۔ اسد اور زمرد بے تکلفی کے ساتھ باتیں کر رہے تھے گیتی تزئین اور فرخ نے دو چار بار ان دونوں پر فقرے کسے لیکن زمرد نے اپنی باتوں کی دھن میں اسپر توجہ نہیں دی۔ لاجونتی بھی اسد سے باتیں کر رہی تھی، کنور بہادر نے ویٹر کو بلا کر کھانے لانے کا آرڈر دیا۔

تزئین نے آہستہ سے فرخ سے کہا "زمرد اسد میں بہت دلچسپی لے رہی ہے"

"اس میں تعجب کی کون سی بات ہے ـــــــ؟" گیتی نے تزئین کو جواب دیا "ہر انسان کو کسی نہ کسی سے دلچسپی ضرور ہوتی ہے"

فرخ نے کہا "اسد عجیب و غریب کردار کا نوجوان ہے"

تزئین فوراً بول اٹھی "بہرحال وہ تعلیم یافتہ اور انتہائی مہذب ہیں ـــــــ"

ایاز نے ہنسکر کہا "ـــــــ لیکن تعلیم یافتہ اور مہذب ہو جانے کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ انسان اپنے کردار کی خصوصیات کھو بیٹھے!"

"آپ لوگ کردار کردار کی رٹ لگایا کرتے ہیں۔ آخر کردار سے آپ کا کیا مطلب ہے، کیا تارک الدنیا انسان ہی کا کردار ہوتا ہے۔؟" تزئین نے بیک وقت فرخ اور ایاز سے سوال کیا۔

"نہیں ـــ تزئین تم غلط سمجھ رہی ہو" ایاز نے جواب دیا "دنیا میں رہکر دنیا کی آلائشوں سے پاک رہنا ہی کردار کی پختگی ہے ہم کو بچپن سے یہی تعلیم ملی ہے"

"اگر دنیا آپ کی ہم خیال ہوتی تو آج یہ چہل پہل نہ نظر آتی، لوگ اسوقت اپنے گھروں یا مسجدوں میں ہوتے"

تری ——— " فرخ نے زرینہ کو محبت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "تم ایاز سے بحث نہ کرو"

"اچھا ایاز صاحب ——— فرخ صاحب سفارش کر رہے ہیں اس لیے میں آپکی جیت تسلیم کیے لیتی ہوں"

گیتی فرخ اور ایاز نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔

زمرد، لاجونتی، کنور بہادر اور اسد آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ چاروں نے بیک وقت اس طرف دیکھا۔ لاجونتی نے اسد سے کہا۔

"فرخ کی زندگی بھی عجیب زندگی ہے، میں ان کو دو سال سے جانتی ہوں۔ اس عرصہ میں میں نے ایک دن بھی ان کو آزردہ یا مغموم نہیں دیکھا۔"

"یہ بھی ایک بہت بڑی خوبی ہے" گیتی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

اسد نے کہا "فرخ خوش نصیب انسان ہے۔ لیکن اس نے اپنا مستقبل تباہ کر لیا"

"عجیب احمق ہے ——— " کنور بہادر نے کہا "گزشتہ ماہ اس کے ماموں آئے تھے وہ اپنے ساتھ گریڈیہ لیئے جا رہے تھے۔ کوئلہ کی کان میں پانچ سو کی جگہ مل رہی تھی لیکن اس نے جانے سے انکار کر دیا"

"اس کو لکھنؤ کی رنگینیوں نے کہیں کا نہ رکھا" اسد نے مغموم لہجہ میں کسی کو مخاطب کیے بغیر کہا۔

زمرد نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے اسد سے دریافت کیا۔

"آج آپ کتنے عرصہ کے بعد ڈانس کریں گے ــــــ؟"

"غیر ممالک سے واپسی کے بعد آج یہ پہلا رقص ہوگا۔"

"کیا آپ ینی تال بالکل نہیں آتے ہیں۔؟"

"آتا ہوں لیکن رقص کی نیت سے نہیں۔" اسد نے جواب دیا۔ "دراصل یہ چیزیں اپنی ہی سوسائٹی میں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔"

کنور بہادر بہت تیزی کے ساتھ پلیٹیں صاف کر رہا تھا۔ زمرد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کنور تم بالکل بھوکے بنگالی ہو رہے ہو۔" لاجونتی نے اسے ٹوکا۔

"گھر میں سب برت سے تھے اس لیے میں بھوکوں مر گیا ــــــ"

"خیر ــــــ" زمرد نے ہنس کر کہا۔ "اپنی صحت کا خیال رکھتے ہوئے کھاؤ۔"

کچھ دیر بعد آرکسٹرا شروع ہوا اور لکڑی کے مسطح فرش پر جوڑے ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈال کر رقص کرنے لگے زمرد اور اسد رقص کرتے ہوئے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک پہونچ گئے فرخ اور تزئین دو بار اُن کے قریب سے گزرے تزئین اسد کو دیکھ کر مسکرائی۔

زمرد کی نگاہیں زیادہ تر اسد کے چہرہ ہی پر جمی رہیں۔ وہ ہر ہر قدم پر اسد کی تعریف کر رہی تھی۔ لاجونتی ایاز کے ساتھ رقص کر رہی تھی کنور بہادر اور رجیتی بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ رقص ختم ہوتے ہی تزئین اسد کے پاس آ کھڑی ہوگئی

"اب میں آپ کے ساتھ رقص کروں گی"

اسد کے جواب سے جمیل فرخ نے زمرد سے کہا "زمرد آؤ اب ہم اور تم رقص کریں"

زمرد ایک معنی خیز تبسم کے ساتھ کھڑی ہو گئی

"فرخ تم احساس کمتری کا شکار ہوتے جا رہے ہو"

"میری اچھی زمرد! اسوقت صرف جوانی کی باتیں کرو ——"

زمرد نے ایک ہلکا لطیف قہقہہ لگایا اور ساز چھڑتے ہی منچلے مرد حسین و جمیل عورتوں کو بغل میں دبا کر رقص کرنے لگے ۔ اسد تزئین اسد کی کمر میں ہاتھ ڈالے مسکراتی اور رقص کرتی ہوئی فرخ اور زمرد کے قریب سے گزری ۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں چہرہ دور مسرت سے کھلا جا رہا تھا اور وہ سرگوشیوں کے لہجہ میں اسد سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی ۔

زمرد نے اس کی طرف دیکھ کر فرخ سے آہستہ سے کہا ۔

"دیکھو تزئین کی گرفت کس قدر سخت ہے ۔ وہ شدت کے ساتھ اسد صاحب کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے"

"تم اپنی گرفت سخت کر لو ڈارلنگ ——" فرخ نے اپنی گرفت کو سخت کرتے ہوئے کہا ۔

"مجھے تم پر رحم آتا ہے فرخ ——" زمرد نے پر معنی تبسم کے ساتھ کہا ۔

"کاش ایسا ہی ہوتا ——" فرخ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ۔

"تم سنبھلنے کی کوشش کرو فرخ! ـــــ تمھارے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔"

"ان لطیف و شیریں لمحات کو باتوں میں ضائع نہ کرو زمرد۔"

"زندگی کا ہر لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔"

دونوں رقص کرتے ہوئے اس جگہ آ گئے جہاں سے چلے تھے۔ کنور بہادر اور لاجونتی رقص کرتے ہوئے ان کے قریب سے گزرے ایاز اور گینی بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اسد اور تزئین ہال کے آخری گوشے تک پہونچ چکے تھے تزئین نے آہستہ سے اسد سے کہا۔ "آئیے اس وقفہ میں ہم اور آپ بیٹھ کر باتیں کریں ـــــ"

اسد تزئین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا دیا اور وقفہ کا اشارہ ہوتے ہی دونوں ایک قریب ترین میز کے پاس بیٹھ گئے۔ تزئین ابتک اسد کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھی۔ وہ اس سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی رقص شروع ہوتے ہی پھر دونوں کھڑے ہو گئے اور اسد تزئین کو لیے ہوئے لاجونتی اور فرخ کے پاس پہونچ گیا۔ زمرد کنور بہادر کے ساتھ رقص کر رہی تھی اور گینی ایاز کے ساتھ تھی۔ فرخ کے پاس پہونچکر اسد نے تزئین کو کرسی پر بٹھا دیا اور کچھ دیر بعد زمرد کے ساتھ رقص کرنے لگا۔ دس بجے اسد اور ایاز اپنے دوستوں کے ساتھ باہر نکل آئے۔ زمرد نے دوسرے روز ایاز کے دار التجارب میں آنے کا وعدہ کیا اور دونوں کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

(۴)

اسد علی الصبح بیدار ہوا نماز فجر ادا کی اور ایک پیالہ چائے پی اور سیر کے لیئے نکل گیا۔ وہ بچپن سے نماز کا پابند تھا اور فجر کی نماز کے بعد سیر کے لیے نکل جاتا تھا اور واپسی تک اپنا اس روز کا لائحہ عمل بنا لیتا تھا۔ وہ اپنے پروگرام کا بہت پابند تھا۔ اس۔ ورا اس کو ایک سے زائد باران پراسرار مناظر کو ٹیلی ویژن پر دیکھتا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ ایاز سے اس سلسلہ میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا اسے توقع تھی کہ اگر ایاز کے نئے والدو کا تجربہ کامیاب رہا تو اس کو ان مناظر کے عکس کے مخرج کا فاصلہ بھی معلوم ہو جائے گا۔

وہ انہیں خیالات میں کھویا ہوا ایک نہر کے قریب پہنچ گیا۔ اس سے کچھ فاصلہ پر چند دیہاتی لڑکیاں نہر میں نہا رہی تھیں۔ چند لڑکیاں پانی سے دُور تھوڑے بلندی پر کھڑی ہوئی ہنس رہی تھیں۔ نہانے والی لڑکیاں کبھی کبھی اپنے ہاتھوں سے ان کی طرف پانی اُچھال دیتی تھیں۔ وہ کچھ دیر تک ایک درخت کے قریب کھڑا ہوا دیہاتی دوشیزاؤں کی معصوم اٹھکیلیوں کو دیکھتا رہا پھر آگے بڑھا اور ایک کھیت کی منڈیر سے گزرتا ہوا اس راستہ پر پہونچ گیا جو ایاز کے دارالتجارب کی طرف جاتا تھا۔

اسد طلوع آفتاب سے کچھ قبل ہی دارالتجارب کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ ایاز محل کی چھوٹی بنگلہ نما خوبصورت دو منزلہ عمارت کے ساتھ چمن میں سبزے

پر کرسی ڈالے بیٹھا ہوا کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔

"کیا ناشتہ کر چکے ــــ؟" اسد نے پہونچتے ہی سوال کیا۔

"تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ آؤ ناشتہ کر لیں۔ آج میں جلد سے جلد ٹیلی ویژن میں نیا والوو لگا دینا چاہتا ہوں"

دونوں نے ایک کمرے میں پہونچکر ناشتہ کیا۔ اسد قیام گاہ کی دوسری منزل پر چلا گیا اور ایاز اس کمرے میں پہونچا جہاں وہ ٹیلی ویژن پر تجربات کر رہا تھا۔ اسنے والوو کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پندرہ منٹ کی جدوجہد کے بعد اسے ٹیلی ویژن میں لگا دیا۔ اس کے دونائب بھی اسکا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ ۸ بجے ایاز نے اسی کمرے میں اسد کو بلایا۔

"نیا والوو ٹھیک کام کر رہا ہے ــــ؟" اس نے پہونچتے ہی ایاز سے دریافت کیا۔

"بظاہر تو ٹھیک کام کر رہا ہے۔ لیکن ابھی ان مناظر پر تجربہ نہیں کیا ہے" ایاز نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "پانچ منٹ میں یہ والوو گرم ہوکر اپنا کام کرنے لگے گا"

اسد ایک کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

ٹیلی ویژن کا پردہ سیمیں مکدر ہوتا جا رہا تھا اور لاؤڈ اسپیکر میں سیٹیاں بجنے لگی تھیں اسد نے دریافت کیا۔

"تمہارے بے تکلف دوست تو اس کمرے تک نہیں آجاتے ہیں۔؟"

"نہیں ــــ میں نے اسی لیے سرحدی دربان رکھ چھوڑا ہے۔ اسلم خاں

کسی کو اس طرف دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دیتا ہے۔ میرا ایک نائب جلیم آئیوان کو ملاقات کے کمرے میں بٹھاتا ہے۔"

لاؤڈ اسپیکر سے بادلوں کی گھڑ گھڑاہٹ سے مشابہ آواز نکلی۔ دونوں اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ایاز نے فوراً ایک سوئچ دبا کر ٹیلی ویژن میں ایک اور پلگ لگا دیا اور پردہ پر بادلوں کی صورت میں ہلکے ہلکے رنگ ابھرنے لگے۔ اسد نے اپنی کرسی کھینچ کر اسکرین کے قریب کر لی۔ ایاز تیزی کے ساتھ ٹیلی ویژن کے لٹو ولز کو گھما رہا تھا اور منظر بتدریج واضح ہوتا جا رہا تھا۔

"کوئی سُرخ منظر ابھر رہا ہے ——"

"اس پراسرار دنیا کے کسی صنعتی کارخانے کا ایک منظر ہے ——"

پردہ پر منظر واضح ہوتا گیا۔ اسد پردہ لگا ہے جا ئے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک ساعت بعد اس نے کہا۔

"اس منظر میں تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بالکل ایسی ہی مشینیں ہیں۔ وہ دیکھو۔ سامنے بھٹی ہے —— لیکن واقعی بہت بڑی بھٹی ہے اور یہ —— یہ آتشیں نہر —— غالباً پگھلا ہوا لوہا سُرخ سیال کی طرح بہہ رہا ہے —— اور یہ کیا —— ؟"

اسد خود بخود بڑبڑانے لگا۔ "یعنی پگھلے ہوئے لوہے سے اسقدر قریب انسان چل رہے ہیں۔ وہ دیکھو سرخ متحرک پتلے —— کیا یہ آتشی مخلوق ہے ؟"

"میرے خیال میں تو یہ لوگ کسی خاص کپڑے کا لباس یا کسی خاص دھات کا خود اور زرہ پہنے ہوئے ہیں —— ورنہ اس درجہ حرارت میں انسان راکھ

ہو جائے ـــــ

منظر آہستہ آہستہ ایک گوشے میں غائب ہوتا جا رہا تھا اور کارخانے کے دیگر حصے سامنے آتے جا رہے تھے۔ کئی ٹن وزنی ایک ہتوڑے سے ایک بہت بڑی سلاخ پر مسلسل ضربیں پڑ رہی تھیں اس کی آواز میں خود اسد کی آواز دب کر رہ گئی یکایک منظر اس طرح بدلا جیسے کسی نے کتاب کا ورق الٹ دیا۔ اب اسد اور ایاز کے سامنے ایک کوہستانی منظر تھا۔ ہزاروں آدمی چست لباس پہنے ایک زیر تعمیر راستے میں کھڑے ہوئے ایک فولادی رستے کو کھینچ رہے تھے۔

پہاڑ اگرچہ بہت بلند تھے لیکن فاصلہ کی وجہ سے ان کی چوٹیاں تک نظر آ رہی تھیں۔ زیر تعمیر راستہ چٹانوں اور چھوٹی پہاڑیوں کو کاٹتا ہوا ان کے دامن تک چلا گیا تھا۔

"یہ نیا منظر ہے ـــــ" ایاز نے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تاروں کا رسّہ کیوں کھینچا جا رہا ہے"

رسہ کھینچنے والے کسی خاص اشارے پر ایک ساتھ کچھ کہتے تھے اور خاموش ہو جاتے تھے۔ ایاز ایک گوشے کی طرف جھپٹا اور ایک پہیہ دار تپائی کھینچ کر اسد کی کرسی کے بالکل قریب لے آیا۔ اس تپائی پر ایک کیمرہ نصب تھا۔ اسد نے اپنی کرسی کو ایک طرف کھینچا۔ ایاز نے فوراً کیمرے کا پلگ ایک ساکٹ میں لگایا اور عکس نما میں پردہ کا عکس دیکھ کر کیمرہ کا سوئچ دبا دیا۔

اسد نے ایاز سے دریافت کیا: "کیا سب مناظر کو فلمبند کر چکے ہو۔؟"

"ہاں ـــــ تاکہ وقت ضرورت ہر چیز کو مکرر اور سہ کرر دیکھا جا سکے۔"

دونوں یکایک پردہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ رسہ کھینچنے والے رسہ چھوڑ کر زمین پر لیٹ گئے اس کے بعد ہی بہت دور پہاڑ کے دامن میں ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ دھوئیں کے بادل آسمان کی طرف اُٹھے اور بادل کی گرج کی آواز کی طرح بڑی بڑی چٹانیں اور پہاڑیاں شق ہو کر گرنے لگیں۔ آواز کم کرنے کے لیے ایاز نے ایک لٹو کو آہستہ سے گھمایا۔ منظر بتدریج پیچھے ہٹنے لگا۔

اسد نے کہا "جوہری طاقت سے پہاڑیاں اور چٹانیں اڑائی جا رہی ہیں"

"مولانا عبد السلام کا کہا ہوا ایک ایک لفظ صحیح ثابت ہو رہا ہے" ایاز نے پردہ کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا انھوں نے کہا تھا کہ اس قسم کا کوئی منظر بھی نظر آئے گا؟"

"انھوں نے تفصیل تو نہیں بتائی تھی لیکن اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا تھا میں چاہتا ہوں کہ آج ہی ان کو یہ منظر بھی دکھا دوں ــ"

پردہ پر نظر آنے والا منظر ایک دوسرے منظر میں مدغم ہونے لگا۔ اسد اسی طرح خاموش بیٹھا ہوا پردہ کی طرف دیکھتا رہا۔ اب ان کے سامنے سرو و شمشاد کے درختوں، آبشار اور نہر کا منظر تھا۔

"یہ تو وہی کل والا منظر ہے ــ" اسد نے جیب سے سگریٹ کیس نکالتے ہوئے کہا۔

ایاز نے کیمرہ کا سوئچ دبا کر اسے ساکن کر دیا۔ اور ایک الماری سے ایک بیضوی شکل کا آلہ نکال کر لایا اور اسد سے پوچھا۔

840-11
538

"اسد! تم کو پردے کے دونوں کناروں پر یہ منظر کچھ ہلکا نظر آ رہا ہے"

141524

یا یہ صرف میری ہی نظر کا قصور ہے۔ ؟"

اسد نے بغور دیکھنے کے بعد کہا: "ہاں کناروں پر منظر یقیناً کچھ دھندلا ہو گیا ہے۔ جیسے کہرا چھایا ہوا ہے۔"

"میرے خیال میں کائناتی شعاعیں اس منظر کو متاثر کر رہی ہیں۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کرۂ ارض پر اس منظر کی شعاعیں آڑی اور ترچھی پڑ رہی ہوں۔ اور دنیا کی گولائی کی وجہ سے ہمارا ٹیلی ویژن چند آخری اور بیلی عمودی لہروں کو پوری طرح نہ ضبط کر سکا ہو۔"

"خیر اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم فاصلہ کیسے معلوم کر سکو گے۔ ؟"

ایاز نے بیضوی آلہ ٹیلی ویژن کے قریب رکھ کر اس میں دو تار لگائے اور ایک دوسری مشین سے اس کا سلسلہ ملا کر ٹیلی ویژن کے ایک والوؤ سے ملی ہوئی تانبے کی پلیٹ پر مشین کے ایک تار کی نوک لگائی۔ پلیٹ سے چرچراہٹ کے ساتھ نیلگوں شعلے بلند ہونے لگے۔ بیضوی آلہ میں قطب نما قسم کی ایک چھوٹی گھڑی لگی ہوئی تھی، اس کی سوئی تھرائی اور آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے ہٹی لیکن پھر اپنی جگہ پر آ گئی۔

ایاز نے فوراً سوئچ بورڈ کے قریب ہو کر جلد جلد چند برقی قمقمے روشن کیے اور مشین کے قریب آ کر پھر وہی عمل شروع کیا لیکن سوئی نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔ اس نے برقی قمقموں کو گل کر دیا اور بیضوی آلہ کا سلسلہ مشین سے قطع کرتے ہوئے اسد سے کہا

"میں نے آج ٹیلی ویژن میں جو والوؤ لگایا ہے۔ وہ زیادہ طاقتور نہیں ہے

لیکن عکس سے فاصلہ معلوم کرنے کے لیے میں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ صحیح ہو۔

"میرا بھی یہی خیال ہے" اسد نے جواب دیا "اس لیے کہ تم نے جب اس مشین کے تار کا سرا والو کی پلیٹ سے مس کیا تو منظر دھندلا ہو گیا تھا"۔

اسد کا جملہ ختم ہوتے ہی پھر دھندلا ہونے لگا۔ ایاز نے پوچھا۔

"بالکل اسی طرح ——؟"

"ہاں تقریباً یہی حالت ہو گئی تھی"

پردہ پر جھیل کا منظر دیکھتے ہی اسد نے ایاز سے کہا۔

"اب اس کے بعد غالباً بازار کا منظر نظر آئے گا اور اس کے بعد——

غالباً وہ اس دنیا کے ریڈیو کا ایک ریڈیو اسٹیشن ہے —— اور وہ ——

لڑکی غالباً ہماری دنیا کے نام پیغام نشر کرتی ہے"

"ہو سکتا ہے کہ بازار کے منظر سے پہلے ہی وہ منظر آجائے۔ یہ مناظر روزانہ ترتیب کے ساتھ نہیں نظر آتے ہیں"

دونوں پردے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کشتیاں پانی کی موجوں کو کاٹتی ہوئی قریب تر ہوتی جا رہی تھیں۔ رقص کے مظاہرے صاف نظر آنے لگے تھے۔

ایاز نے کہا

"یہ رقص تو کچھ ہندوستان کے مشہور کتھک اور منی پوری ناچوں کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے"

"سازوں کی آواز بھی اپنی دنیا کے مشرقی سازوں سے ملتی جلتی ہے" اسد نے پردے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تانت اور تاروں کے سازوں کی آواز

معلوم ہوتی ہے"

ایاز نے کہا: "ان لڑکیوں کے خدوخال بالکل ایشیائی ہیں"

"اس دنیا کے اس خطہ کی آب و ہوا بھی بالکل اپنے مشرقی ممالک کی طرح ہوگی"

اسد نے کچھ سوچ کر کہا اور خاموش ہوگیا لیکن ایک ساعت بعد پھر بولا

"لیکن وہاں بھی سرد خطوں کا ہونا یقینی ہے اور ضرور ہوں گے"

کشتیاں قریب تر آتی جا رہی تھیں۔ ایاز نے کہا

"اس دنیا کے انسان ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں"

منظر اس طرح بدلا جیسے کسی نے ایک پتلی چھڑی یا پتلی کو ایک سرے سے اس طرح سطح پر پھیرا کہ پہلا منظر پتلی کے ساتھ ہی غائب ہوتا چلا گیا اور دوسرا منظر سامنے آتا گیا۔ دونوں مناظر کے درمیان متحرک پتلی حد فاصل تھی۔

بازار کا منظر دیکھتے ہی اسد نے کہا

"ان مناظر کی تبدیلی میں سینما کی تکنیک سے کام لیا جا رہا ہے"

"مووی کیمرہ کے لیے تو یہ تکنیک آسان ہے لیکن ٹیلی ویژن کے لیے اسی تکنیک میں بہت دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہوگا"

اسد نے بغیر کسی ارادے کے کہا: "انسان اگر چاہے تو وہ ہر دشواری پر عبور حاصل کر سکتا ہے"

ایاز نے قطعی غیر متوقع طور پر سوال کیا: "اگر میں اپنی دنیا سے اس سیارہ تک کا فاصلہ معلوم کروں تو کیا تم وہاں تک پہنچنے کی دشواریوں پر عبور حاصل

کرنے کی کوشش کروگے ــــــ؟"

"مجھے امید تو ہے کہ اگر فضائے بسیط میں آفتاب کی حرارت نے اگر مجکو اور میرے راکٹ کو گیس میں نہ منتقل کر دیا تو میں اس سیارے تک ضرور پہونچ جاؤں گا۔"

"جب دوسرے سیاروں کی ہوائیاں ہماری دنیا کے گرد اُڑن طشتریوں کی صورت میں نظر آسکتی ہیں تو ــــــ"

اس کا جملہ مکمل ہونے سے قبل منظر دھندھلا ہوا اسد نے اسے ہاتھ کے اشارے سے خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا اور پردہ کی طرف دیکھنے لگا اور آراستہ کمرہ سامنے آتے ہی اس کی نگاہیں اس نوجوان لڑکی کے پیکر پر جم گئیں اس نے اپنی کرسی قدرے آگے کھینچ لی۔ لڑکی کے سامنے وہی خوبصورت مجسمہ تھا۔ وہ اسی طرح اس کی طرف جھکا ہوا تھا اور وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ وہی کمرہ تھا وہی آرائش اور وہی لڑکی لیکن آج منظر کا زاویہ بدلا ہوا تھا۔ ایاز نے کیمرے کا سوئچ دبایا اور ایک خفیف گھڑگھڑاہٹ کے ساتھ کیمرہ منظر فلمبند کرنے لگا۔ اسد نے اسے استفسارانہ نگاہوں سے دیکھا۔ ایاز اسد کا مطلب سمجھ گیا اور بولا

"جب ان مناظر کے زاویے بدلتے ہیں تو کوئی نئی چیز نظر آتی ہے۔"

دونوں پردہ کی طرف بغور دیکھنے لگے۔ نوجوان حسینہ ہندوستانی اور مغربی لہجہ میں کسی غیر مانوس زبان میں کچھ کہہ رہی تھی۔ آواز بہت صاف تھی۔ عطوست عارش۔ ڈوناب۔ کشاش۔ تارلی۔ گھرلی نخارقی کے الفاظ اسد کے ذہن نشین ہو گئے اور وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ منظر کو حرکت ہوئی اور لڑکی کا عکس قریب تر

ہونے لگا۔

اسد کے قلب کی حرکت تیز ہوگئی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ کرسی کے ہتھوں پر رکھ لیے اور بہت غور سے پردے کی طرف دیکھنے لگا۔ منظر اس قدر قریب آگیا کہ اب صرف اس نوجوان حسینہ کا چہرہ اور دونوں شانے ہی نظر آرہے تھے۔ اس کا بیضوی چہرہ، کشادہ پیشانی، کھنچے ہوئے ابرو، غلافی آنکھیں لانبی ستواں ناک، غنچہ دہن، باریک لب، صراحی دار گردن، اس کے سفید رنگ میں شہابی جھلک تھی۔ اس کے لب متحرک تھے اور وہ کچھ کہہ رہی تھی، آواز اب بالکل واضح ہو چکی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی ستار نواز مضراب سے ستار کے تاروں کو آہستہ آہستہ چھیڑ رہا ہے۔ وہ یکایک خاموش ہو گئی اور اسد کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے حسرت سے دیکھ رہی ہے۔ اس کی آنکھوں کی چمک بڑھنے لگی اور ایک لمحہ بعد ان میں آنسو جھلک آئے۔

اسد نے کرسی کے ہتھوں پر زور دے کر اُٹھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ لڑکی کی آنکھوں سے دو موٹے آنسو نکل آئے۔ اسد کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی منظر بدل گیا۔ اسد نے آنکھیں پھاڑ کر پردہ کی طرف دیکھا اور دیوانہ وار دریچہ کی طرف بھاگا۔ ایاز اسے وحشت زدہ دیکھ کر اس کے پیچھے لپکا دریچہ تک پہنچنے سے قبل اسے شانے پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"اسد! کیا بات ہے ——؟"

"ایاز! ——" اسد نے پلٹ کر اسے دیکھا اور اس کے شانوں کو

ہاتھ رکھ کر ملتجانہ لہجہ میں بولا" ـــــ ایاز مجھے باہر صاف و تازہ ہوا میں پہنچا دو۔"

ایاز نے اس کی بغل میں ہاتھ ڈال کر اسکا ہاتھ اپنے شانوں پر رکھ لیا اور اسے سہارا دے کر ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"آخر بات کیا ہے ـــــ کیسی طبیعت ہے ـــــ؟"

"میرا دل بیٹھا جارہا ہے۔ مجھے وحشت ہو رہی ہے ایاز۔ مجھے باہر لے چلو اُف ـــــ اُف ـــــ" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ دبایا اور منہ بنا کر سر کرسی کے تکیہ پر لٹکا دیا۔

ایاز نے اسے کرسی پر اچھی طرح بٹھایا اور کمرہ کا سوئچ دبا کر اسے ساکن کرنے کے بعد ٹیلی ویژن کا برقی سلسلہ منقطع کر دیا۔ اسد اسی طرح آنکھیں بند کیے کرسی کے تکیہ پر سر رکھے ہوئے تھا۔ ایاز نے اس کے قریب پہونچکر اسے سہارا دیا اور دونوں آہستہ آہستہ باہر آ گئے۔ اسد پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔

ایاز کے دو اسسٹنٹ اسد کو اس حالت میں دیکھ کر ایاز اور اسد کے پاس پہونچ گئے۔ ایاز نے ان میں سے ایک کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"مجیب! ذرا ڈاکٹر انور کو بلانا ـــــ اور اشرف ـــــ" اس نے اپنے دوسرے اسسٹنٹ سے کہا "تم اس آرام کرسی کو سامنے کھلی ہوئی بارہ دری میں ڈال دو۔"

اسد کی طبیعت قدرے سنبھل گئی۔ اس نے ایاز سے کہا۔

"ایک گلاس ٹھنڈا پانی منگاؤ ـــــ"

ایاز کے اشارہ پر ایک ملازم ایک گلاس پانی لے کر آ گیا۔ ایاز نے اسد کو

لے جاکر بارہ دری میں آرام کرسی پر لٹا دیا اور خود ایک کرسی کھینچ اس کے قریب بیٹھ گیا
اسد نے پانی پیا اور کرسی پر دراز ہو گیا۔ مجیب ڈاکٹر انور کے ساتھ آگیا۔ ڈاکٹر انور ایاز کے دار التجارب میں مویشیوں کے غددوں پر تجربہ کر رہے تھے۔ انھوں نے آتے ہی اسد کی نبض دیکھی دل پر ہاتھ رکھ کر اس کی رفتار کا اندازہ لگایا آنکھوں کے پپوٹے دیکھے اور اسد سے دریافت کیا۔

"شدت سے پیاس محسوس ہوئی تھی۔؟"

"جی ہاں ——"

ڈاکٹر انور ایک ساعت تک اسد کے چہرے کو دیکھتے رہے پھر ٹہلنے لگے اسد نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایاز نے اٹھ کر ڈاکٹر انور سے دریافت کیا۔

"آپ کا کیا خیال ہے ——؟"

بڈھے ڈاکٹر نے اپنی ٹھڈی کھجلاتے ہوئے کہا۔

"کسی خاص واقعہ سے متاثر ہو کر دل کی حرکت تیز ہو گئی۔ میں ایک شربت بھیجتا ہوں پلا دیجئے۔ نصف گھنٹہ میں حالت معمول پر آ جائے گی۔"

بڈھے ڈاکٹر انور اپنے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے چلے گئے۔ مجیب ان کے جانے کے پانچ منٹ بعد گیا اور ایک گلاس میں سرخ رنگ کا شربت لے کر آیا اور اسد کو پلا دیا۔ اس کی طبیعت سنبھلتی جا رہی تھی۔ ایاز کے ایک اسسٹنٹ نے آ کر اس سے کہا۔

"کوئی صاحب آپ کو ٹیلی فون پر بلا رہے ہیں۔"

ایاز مجیب کو اسد کے پاس چھوڑ کر چلا گیا اس نے جاتے ہوئے مجیب کو کہہ دیا

کہ اگر ضرورت ہو تو فوراً اُس کو بلالیا جائے۔
کچھ دیر بعد اسد نے ایک گلاس پانی پیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نجیب اسکے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا مصور سائنسی رسالہ کائنات دیکھ رہا تھا۔ اس نے رسالہ کو چھوٹی میز پر رکھ دیا اور اسد سے دریافت کیا۔

"اب آپ کا مزاج کیسا ہے ——؟"

"اب تو بالکل ٹھیک ہوں ——" اسد نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کیا چکر آگیا تھا ——؟"

"چکر تو نہیں آیا تھا، لیکن کچھ عجیب حالت ہو گئی تھی۔ ایاز کے پاس بیٹھا ہوا ٹیلی ویژن دیکھ رہا تھا کہ یکایک دل بیٹھنے لگا اور وحشت ہونے لگی۔"

"ہوا کو صاف کرنے والا پنکھا غالباً بند ہوگا۔ اس کمرے میں بہت جلد حبس ہو جاتا ہے۔"

اسد نے رسالہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "نیا پرچہ ہے ؟"

"جی ہاں —— آج ہی آیا ہے ——"

اسد نے پرچہ اٹھایا اور سرورق دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ تو ڈاکٹر غیاث کے راکٹ کا ماڈل ہے۔"

"جی ہاں —— جا کر تا ڈیڈیو نے کل ہی اعلان کیا ہے کہ وہ اسی ہفتہ جزائر تیمور کی کسی پہاڑی سے ایک ہوائی فضاء میں پھینکیں گے، کائناتی شعاعوں سے اسکی رفتار اور فاصلہ معلوم کرنے کی کوشش کرینگے۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ وہ بہت جلد اس قسم کا کوئی اعلان کرینگے۔"

www.paksociety.com

مجیب نے کہا "ڈاکٹر اسد! میں نے سنا ہے کہ آپ کی ہوائی دنیا کی سب سے بڑی ہوائی ہوگی؟"

"سب سے بڑی تو نہیں لیکن تیز رفتار ضرور ہوگی۔ اس میں تقریباً بیس آدمی سفر کرسکیں گے ۔۔۔۔"

"اسے جوہری طاقت سے چلایئے گا ۔۔۔۔"

"جوہری طاقت بھی استعمال کی جاسکتی ہے لیکن اس قدر مالی گنجائش نہیں ہے۔ بہرحال میں ایک خاص قسم کا ایندھن استعمال کروں گا۔"

"اس راکٹ کا انجن واقعی عجیب وغریب ہوگا؟"

"اس کو فضائے بسیط میں لے جانے کے لیے کسی انجن کی ضرورت نہیں۔ معمولی بیٹری سے صرف ایک بار ایندھن کو جلا دیا جائے گا اور بس ۔۔۔۔ ہاں دیگر ضروریات کے لیے اس میں بجلی پیدا کرنے والے دو پلانٹ ضرور لگائے جائیں گے"

"آپ کا راکٹ بھی ہوگا دیکھنے کے قابل ۔۔۔۔"

اسد کسی گہرے خیال میں کھو گیا۔ دارالتجارب کے احاطہ میں ایک خوبصورت اسپورٹنگ کار داخل ہوئی اور عمارت کے پورٹیکو میں پہونچکر ٹھہر گئی۔ اسد اور مجیب نے ایک ساتھ اس طرف دیکھا۔ زمرد کار سے اتر رہی تھی۔

(۵)

زمرد برآمدے میں چلی گئی۔ مجیب نے اسد سے کہا۔

"مس زمرد نے آپ کو ایک گھنٹہ قبل ٹیلیفون کیا تھا لیکن آپ ایاز کے کمرے میں تھے اس لیے آپ کو مطلع نہ کیا جا سکا"

اسد بارہ دری میں ٹہلنے لگا۔ مجیب نے کہا۔

"ایاز صاحب اپنے کمرے میں ہوں گے۔ مس زمرد وہاں تک نہ پہونچ سکیں گی اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں ان کو یہیں بلا لوں"

"بلا لیجیے۔ بیچاری بلا وجہ ادھر اُدھر سر مارتی پھریں گی"

مجیب بارہ دری سے نیچے اترا ہی تھا کہ زمرد برآمدہ سے پورٹیکو میں نظر آئی۔ اس نے بارہ دری کی طرف دیکھا اور اسد پر نگاہیں پڑتے ہی ہاتھ اٹھا کر انگلیاں ہلاتی ہوئی اس طرف لپکی اور بارہ دری کے قریب پہونچتے ہی بولی۔

"آپ یہاں ہیں۔ اور میں وہاں تلاش کر رہی تھی"

اسد نے بڑھکر زمرد سے ہاتھ ملایا اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کرسی کے قریب پہونچکر اس کو بٹھایا اور خود دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ابھی میں نے آپ کو ٹیلیفون کیا تھا ـــــ"

"میں اس وقت ایاز صاحب کے ساتھ ان کے کمرے میں ایک تجربہ میں مصروف تھا"

"تجربوں سے آپ کی طبیعت نہیں گھبراتی ہے ؟"

اسد نے ہنسکر زمرد سے پوچھا "آپ سیر و تفریح سے نہیں اکتاتی ہیں۔ ؟"

"خوب ——" زمرد کھلکھلا کر ہنس پڑی "تو گویا یہ آپ لوگوں کا دلچسپ ترین مشغلہ ہے ——"

مجیب چلا گیا۔ اسد نے زمرد سے دریافت کیا۔

"آپ کے لیے چائے منگاؤں یا شربت ؟"

"صرف ایک گلاس ٹھنڈا پانی" زمرد نے ہنسکر جواب دیا "اور اس کے بعد یہ بتائیے کہ آج آپ کا کیا پروگرام ہے —— ؟"

"دراصل میں آج کل لکھنؤ چند خاص تجربات کے سلسلہ میں آیا ہوں اور جلد سے جلد واپس جانا چاہتا ہوں"

"—— لیکن شام کو تو فرصت رہتی ہوگی"

"جی نہیں ——" اسد نے جواب دیا۔ "کیا عرض کروں۔ مصروفیت کا تو یہ عالم ہے کہ ہم لوگ وقت پر کھانا بھی نہیں کھا سکتے ہیں"

"خیر کل شب کو آپ اور ایاز صاحب غریب خانے پر کھانا تناول فرمائیں"

"کل تو ہم مولانا عبدالسلام کے یہاں مدعو ہیں"

"یا اللہ ——" زمرد نے منھ بنا کر کہا "آپ لوگوں کا قرب حاصل کرنا بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں"

اسد مسکرا دیا "میں خود شرمندہ ہوں کہ بااوقات میری ذات سے دوستوں کی دل شکنی ہوتی ہے"

"خیر پرسوں تو آپ کہیں مدعو نہیں ہیں"

"تجربات کے پیش نظر تو شاید مجھے یہاں سے باہر قدم رکھنے کی مہلت نہیں مل سکتی ہے لیکن بہرحال میں ضرور حاضر ہوں گا۔"

"میں بعد مغرب یہاں آجاؤں گی ـــــ اور آپ لوگوں کو لیجاؤں گی"۔

بہتر ہے ـــــ"

زمرد نے پانی پی کر گلاس رکھتے ہوئے کہا۔

"اس وقت ایاز صاحب سے ملاقات ہو نہ سکے گی"۔

"وہ غالباً اپنے دارالتجارب میں ہیں"۔

"اچھا تو مجھے اجازت دیجئے میں پرسوں شام کو حاضر ہوں گی"۔

"زمرد کھڑی ہوگئی۔ اس نے اسد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا ہاتھ ملایا اسد اس کے ساتھ اس کی کار تک آیا زمرد کار میں بیٹھ گئی۔ اسٹیرنگ سنبھالا آنکھوں پر گہرے تالوں کا چشمہ لگایا۔ ایک بار پھر اسد کی طرف دیکھا اور کار اسٹارٹ کر کے ونڈ اسکرین پر نگاہیں جمائے اسٹرنگ گھماتی ہوئی چلی گئی۔

•

اسد متعدد کمروں سے گزرتا ہوا مجیب کے ساتھ ایاز کے پاس پہونچا۔ وہ دوسری منزل کے کمرے میں ایک چھوٹی مشین کے پاس بیٹھا ہوا۔ ٹیلی ویژن کے نئے دالوڈ کا امتحان لے رہا تھا۔ مجیب اسے دروازے ہی پر چھوڑ کر چلا گیا۔ اسد نے اندر قدم رکھتے ہی پوچھا۔

"کیا اسے بیکار کردو گے؟"

"نہیں ـــــ بلکہ اب یہ ٹھیک کام دے گا" ایاز نے جواب دیا۔ "دراصل میں نے اسے غلط طریقہ پر لگایا تھا۔ مجھے خود تعجب تھا کہ اس قدر طاقتور والوکیوں نہیں کام کر رہا ہے"

ایاز کھڑا ہو گیا۔

"آؤ ٹیلی ویژن کے کمرے میں چلیں"

دونوں اپنے اپنے خیال میں کھوئے ہوئے زینے سے اُتر کر متعدد کمروں سے گزرتے ہوئے اس کمرے میں پہونچ گئے۔ ایاز نے ٹیلی ویژن میں والو لگا کر متعدد تاروں سے اس کا سلسلہ ملایا اور ٹیلی ویژن کا پلگ بورڈ میں لگا کر ایک لٹو کو گھمایا ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ والوُ روشن ہو گئے۔ اس نے دوسرے لٹو کو آہستہ آہستہ گھمایا اور ٹیلی ویژن کا سفید پردہ مکدر ہونے لگا۔

اسد نے کرسی کھینچ لی اور پردہ کے سامنے بیٹھ گیا۔ ایاز نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر دریافت کیا۔

"طبیعت ٹھیک ہے نا ـــــ؟"

"بالکل ـــــ"

"اگر اس حسینہ نے پھر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تو ـــــ"

اسد اس کا جملہ ختم ہونے سے قبل بول اُٹھا

"غالباً تم نے غور نہیں کیا۔ اسوقت مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ میری ہی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے حسرت سے دیکھ رہی ہے"

"واقعی یہ ایک عجیب بات تھی" ایاز نے پردہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ابھی

نگاہوں سے تو میں بھی متاثر ہو گیا تھا ـــــــ ممکن ہے وہ اپنی اداکاری کا کمال دکھا رہی ہو"
"اداکاری ـــــــ ؟" اسد نے کچھ سوچ کر کہا۔ "نہیں۔ یہ اداکاری نہیں ہو سکتی ہے"
پردے پر رنگ ابھر کر پہلے جھیل کا منظر آیا پھر آبشار اور سرو و شمشاد کی قطاریں اس کے بعد بازار اور سڑک کے مناظر اور ان کے بعد نشر گاہ کا منظر۔ لیکن اب مجسمہ کے پاس ایک دوسری لڑکی تھی۔ پہلی لڑکی کی ہم عمر۔ دل کش خدو خال۔ اس کا بھی لباس ویسا ہی تھا اور وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ اسد نے بے دلی کے ساتھ ایاز کی طرف دیکھا۔ ایاز نے قطعی غیر متوقع طور پر ٹیلی ویژن کا سلسلہ منقطع کر دیا اور اٹھ کر کمرے کا برقی قمقمہ روشن کیا۔

اسد اٹھ کر دریچے کے پاس پہونچا اور پردوں کو کھینچ کر دریچہ کھول دیا۔ ایاز بھی ٹہلتا ہوا اس کے پاس پہونچ کر اور میز سے سگریٹ کا ڈبہ اٹھا کر ایک سگریٹ جلاتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں دو تین باتیں ہو سکتی ہیں" اس نے اسد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یا تو اس لڑکی کو کوئی خاص حادثہ پیش آیا ہے اور یا پھر وہ لوگ ہم کو الجھانے کی کوشش کر رہے ہیں"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا راز ہے ـــــــ" اسد نے بغیر کسی ارادے کے کہا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

ایاز دریچہ کے پاس کھڑا ہوا باہر کی طرف دیکھتا اور سگریٹ کے کش اڑاتا رہا۔ وہ کسی گہرے خیال میں کھویا ہوا تھا۔ اسد نے یکا یک اسکو مخاطب کر کے پوچھا۔

"اس نئے والزو کو استعمال کرنے کے بعد تم نے فاصلہ کا اندازہ لگایا"

"نہیں ــــــ"

"کیوں ــــــ ؟"

تمہاری طرح میں بھی اس منظر سے پریشان ہو گیا لیکن تم نے کس وجہ سے بہت زیادہ اثر لیا۔
اسد نے ایاز کو استفسارانہ نگاہوں سے دیکھا۔ ایاز نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے
ہوئے کہا۔ تم کچھ اور خیال نہ کرنا ــــــ واقعی اس لڑکی کی مایوس نگاہیں دیکھ کر
مجھے اس سے ہمدردی پیدا ہو گئی ــــــ لیکن ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔"
اسد نے اس سے دریافت کیا۔" کیا تم نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ اس لڑکی
کو کوئی خاص حادثہ پیش آیا ہے۔؟"

" ہاں ــــــ جب تمہاری حالت متغیر ہوئی تو مجھے یقین ہو گیا۔ میرے
خیال میں بے بسی اور بیچارگی کے عالم میں انسان کی آنکھوں سے غیر مرئی برقی لہریں
خارج ہوتی ہیں اور اگر کوئی دوسرا انسان اس انسان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
دیکھے تو وہ متاثر ہو جاتا ہے ــــــ اگرچہ ابھی تک میں نے کوئی ایسا تجربہ نہیں
کیا ہے لیکن تم یقیناً اس لڑکی کی آنکھوں سے خارج ہونے والی لہروں ہی سے
متاثر ہو کر بیہوش ہوئے تھے۔"

"میں ہوش میں تھا۔"

"بہرحال تم پر ایک سکر کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔"

"اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"ہاں اب تم بالکل ٹھیک ہو لیکن تم کو آرام کی ضرورت ہے۔ میرے خیال
میں تم جا کر کچھ دیر آرام کرو۔ اب میں ٹیلی ویژن پر فاصلہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"

اسد کھڑا ہو گیا۔ بڑھکر سگریٹ کے ٹن سے ایک سگریٹ نکالا اور سلگا کر آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا لیکن دو چار قدم چلکر ٹھہر گیا اور ایاز کو مخاطب کر کے کہا

" ابھی مس زمرد آئی تھیں "۔

" بہت محتاط قسم کی لڑکی ہے۔ لیکن تم سے دل چسپی ہو گئی ہے "

" پرسوں سمجھا دینا ——— "

" پرسوں ——— ؟" ایاز نے پوچھا۔ " کیا وہ پرسوں پھر آئیں گی "

" ہاں ——— انھوں نے تم کو اور مجھکو پرسوں رات کے کھانے پر مدعو کیا ہے اور بعد مغرب ہم کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئیں گی "

" خوب ——— " ایاز نے آہستہ سے کہا اور باہر چمن کی طرف دیکھنے لگا۔

اسد چلا گیا۔ دوپہر کے کھانے کے لیے ایاز جب ایک بجے اپنے دارالتجارب سے نکل کر کھانے کے کمرے میں پہونچا تو اسد کو اپنا منتظر پایا۔ اس کے ہاتھ میں ایک انگریزی رسالہ تھا۔

" آج کیا زیادہ بھوکے ہو ——— ؟" ایاز نے اسد سے دریافت کیا۔

" نہیں ——— بھوک تو بالکل نہیں ہے۔ گول کمرے میں بیٹھا ہوا یہ رسالہ دیکھ رہا تھا طبیعت گھبرائی ادھر چلا آیا "

" کوئی خاص بات ——— ؟"

" ڈاکٹر رچرڈسن نے زرکناس کے کوہستانی سلسلہ کی ایک رصدگاہ سے ایک اُڑن طشتری کو مشرق سے مغرب کی طرف جاتے ہوئے دیکھا ہے "

" کوئی نئی بات نہیں ہے " ایاز نے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا " اب تک

ہزاروں بار اُڑن طشتریاں دیکھی گئی ہیں لیکن کسی نے بھی کوئی نئی بات نہیں بتائی۔"

"بہرحال اس میں اب شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ کسی دوسرے سیارے میں بسنے والے ہماری دنیا کا جائزہ لے رہے ہیں۔"

ملازم نے میز پر کھانا چن دیا۔ دونوں نے کھانا ختم کیا اور ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔ ایاز نے ایک سگریٹ اسد کو دیا اور دوسرا خود سلگا کر دھوئیں کے لچھے بنانے لگا۔ اسد نے ایک ساعت بعد اس سے دریافت کیا۔

" تم نے اس نئے والوڈ اور مشین کی مدد سے فاصلہ معلوم کرنے کی کوشش کی؟"

"ہاں ——— میں نے تین بار ریڈر کی لہریں استعمال کر کے فاصلہ معلوم کرنے کی کوشش کی اور تینوں بار ایک ہی نتیجہ نکلا۔"

"یعنی ———؟"

"یعنی یہ کہ اسنٹ چالیس سکنڈ میں وہ لہریں اپنے مخرج پر واپس آگئیں۔"

دونوں کسی گہرے خیال میں کھو گئے۔ کچھ دیر بعد ایاز اٹھا اور باہر جانے لگا۔

"کیا پھر لہروں کو استعمال کرو گے؟"

"نہیں ——— اب کچھ دیر آرام کروں گا۔ تم بھی سو جاؤ۔"

دونوں اپنی اپنی خواب گاہ میں چلے گئے۔ اسد شام کو پانچ بجے اٹھا، غسل کیا برآمدے میں شام کی چائے پی اور نیچے اترا، مجیب اشرف، کرجی، منوہر سنگھ، انعام اللہ، یوسف پرویز، ڈیوڈ، ارمیلا، فیروزہ عادل جی امینو، عبدالعلی، جاوید اور تیواری وغیرہ لیبارٹیکو کے سامنے سبزہ پر ایاز کے سامنے ایک دائرہ کی شکل میں کھڑے ہوئے تھے اور وہ ان سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اسد بھی ٹہلتا ہوا وہاں پہونچ گیا

ایاز نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔

"میں تمکو بلوانے ہی والا تھا"

اسد اس کے قریب جاکر کھڑا ہو گیا۔ ایاز نے سائنسدانوں اور تحقیق کرنے والوں کی مختصر جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یہ دستاویزی یا تفریحی فلم نہیں ہے۔۔۔ بلکہ ۔۔۔ بلکہ اسے آپ لوگ ایک معمہ ایک پہیلی سمجھیں ۔۔۔ اور ۔۔۔ اور میرا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگ غور کر کے بتائیں کہ یہ مناظر کہاں کے ہو سکتے ہیں"

ایاز ایک ساعت کے لیے خاموش ہوا اور پھر سب پر طائرانہ نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ دنیا کی سیاحت کیے ہوئے ہیں۔ دنیا کا ہر بڑا شہر دیکھے ہوئے ہیں، لہذا اس فلم کو۔ ان مناظر کو دیکھ کر آپ بتائیں کہ وہ کہاں کے ہو سکتے ہیں۔؟"

نوجوان پارسی حسینہ فیروزہ نے مسکرا کر کہا۔

"یہ آج ہمارا پہلا سہ ماہی امتحان ہے شاید ۔۔۔"

"ہو سکتا ہے کہ نئے تحقیقی نصاب کی فہرست ہو" ایاز نے فوراً مسکرا کر جواب دیا ایک سحر سرحدی پٹھان نے محل کی دوسری منزل سے مجیب کو مخاطب کر کے کہا

"مجیب صاحب اب آپ لوگ سب آسکتا ہے"

ایاز نے اپنے دارالتجارب میں تحقیق کرنے والے سائنس دانوں سے کہا

"آپ لوگ پروجیکشن روم میں چلیں"

سب دو دو اور چار چار کی ٹولیوں میں محل کے زینے پر چڑھکر پروجیکشن روم

میں پہونچ گئے۔ اسد اور ایاز اس بڑے کمرے میں سب کے بعد داخل ہو گئے۔ کمرے میں آٹھ آٹھ کی قطار میں پچاس سے زیادہ کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ سب کرسیوں پر بیٹھ گئے اور پردہ سیمیں کی طرف دیکھنے لگے۔ مجیب نے سب دروازے بند کر دیے اور اپنے ساتھیوں میں جا کر بیٹھ گیا۔ ایاز اور اسد سب سے پیچھے ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ ایاز نے اسد سے کہا۔

"اس وقت میں ان لوگوں کو وہ مناظر دکھانا چاہتا ہوں جو میں نے ٹیلی ویژن سے فلمبند کیے ہیں۔

" ــــ لیکن ان لوگوں کو ابھی یہ نہیں بتایا ہے کہ یہ مناظر کہاں کے ہیں؟"

"نہیں ــــ" ایاز نے جواب دیا۔ "اور نہ میں فی الحال انکو بتانا چاہتا ہوں"

کمرے کی چھت کا صرف ایک چھوٹا فانوس روشن تھا۔ گھنٹی بجتے ہی وہ بھی گل ہو گیا اور سب پردہ سیمیں کی طرف دیکھنے لگے۔ پردہ پر ٹائٹل کے بجائے ایاز کا ایک پیغام نظر آیا۔

"آپ لوگ ان مناظر کو بغور دیکھیں اور سمجھنے کی
کوشش کریں کہ یہ کہاں کے ہیں ــــ"

پیغام کے بعد ہی آبشار کا منظر پردہ سیمیں پر آیا۔ فیروزہ نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"اوہ ٹکنی کلر ــــ"

سرو و شمشاد کے درخت۔ پانی میں ان کا عکس اور بہت دور پر آبشار نظر آ رہا تھا، مجیب اشرف اور منوہر سنگھ فیروزہ کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

مجیب ایاز نے سر جھکا لیا اور کچھ سوچنے لگا۔ اسد پھر پردہ کی طرف دیکھنے لگا۔ کشادہ
ہ کے دونوں جانب عمارتیں تھیں، سڑک پر جدید ترین ساخت کی کاریں چل
یں۔ دونوں کناروں پر راہ گیروں کی آمد و رفت کا سلسلہ بندھا ہوا تھا۔ لیکن
پیار تخیل۔ عام بڑے راستوں کی طرح زیادہ شور و غل نہ تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے
ایاز۔ ے ہی نظام کے ماتحت خود بخود ہو رہا ہے۔ یہ منظر چند عالیشان محلات
سے دیکھو" منظر میں غائب ہو گیا۔ ایاز نے پردہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ! منظر بھی تمہارے لیے نیا ہے"

کی طرف دیکھا اور شاہی ایوانات معلوم ہوتے ہیں" اسد نے اس طرف دیکھتے ہوئے

ایاز نے آہستہ شادہ ہیں اور جا بجا فوارے چھوٹ رہے ہیں"

"بہت باتونی لڑکی ہونے لگا۔ ایاز نے اسد کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا

اسد پردہ سیمیں کی طرف آ آئے گی۔ اس کی نگاہوں سے متاثر نہ ہونا"

دی۔ پردہ سیمیں پر منظر بدلتے ہی ایک صورت مجسمہ کے سامنے کھڑی ہوئی کچھ کہہ رہی تھی
"یہ تو غالباً کشمیر کا منظر ہے ے اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ فیروزہ نے اشرف
"کشتیوں کی ساخت تو دیکھو ف دیکھتے رہے۔ منظر آہستہ آہستہ قریب
نوجوان سائنسدانوں کی نگاہیں پردہ ہونے لگی۔ لڑکی کا چہرہ بالکل قریب آ گیا
توجہ کے ساتھ پردہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جمیل نے اس کی آنکھوں میں آنسو آتے ... آگئے

منوہر سنگھ اشرف اور ان کے چند ساتھی جنھوں نے
ت پہ سر رکھے ہوئے تھا۔
کئے بغیر کہا۔

"ارے ____ کشتیوں پر لڑکیاں رقص کر رہی ہیں" نے ... سے پکارا۔

میں پہونچ گئے۔ اسد اور ایاز اس بڑے کمرے میں سب کے بعد داخل ہو گئے
میں آٹھ آٹھ کی قطار میں پچاس سے زیادہ کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ سب کرسیٔرت بنا ہوا
بیٹھ گئے اور پردہ سیمیں کی طرف دیکھنے لگے۔ مجیب نے سب دروازے بند
اور اپنے ساتھیوں میں جا کر بیٹھ گیا۔ ایاز اور اسد سب سے پیچھے ایک صیکا یک پانی کی
بیٹھ گئے۔ ایاز نے اسد سے کہا۔ ی کے دامن میں

"اس وقت میں ان لوگوں کو وہ مناظر دکھانا چاہتا ہوں جو رہے تھے۔ ایاز
ٹیلی وژن سے فلمبند کیے ہیں۔

"۔۔۔۔ لیکن ان لوگوں کو ابھی یہ نہیں بتایا ہے کہ یہ منا

"نہیں۔۔۔" ایاز نے جواب دیا۔ "اور نہ ہیں فی الحال"

کمرے کی چھت کا صرف ایک چھوٹا فانوس روشن تھا خوفناک آواز کے ساتھ
گل ہو گیا اور سب پردہ سیمیں کی طرف دیکھنے لگے۔ پریما کے ساتھ نشیب کی طرف چلی۔
ایک پیغام نظر آیا۔ ایاز سے دریافت کیا۔

"آپ لوگ ان مناظر کو بغور دیکھ ہمارے چٹانوں سے ٹکراتے پتھرول
کوشش کریں کہ یہ کہاں۔ ۔ شور کے ساتھ ہر طرف بہہ نکلے۔ انسان
پیغام کے بعد ہی آبشار کا منظر: اونچی چٹانوں پر کھڑے ہوئے چاروں طرف
آواز میں کہا۔

"اوہ ٹکنی کلر ۔۔۔۔ یا اور پردہ پر چھ منزلہ اور آٹھ منزلہ عمارتیں نظر آنے لگیں
سرد و شمشاد بنائی تھا۔ اسد نے ایاز سے کہا۔
آرہا تھا، مجیب ... وجہ کی طرح ان کے فن تعمیرات میں بھی عربی جھلک ہے۔"

ایاز نے سر جھکا لیا اور کچھ سوچنے لگا۔ اسد پھر پردہ کی طرف دیکھنے لگا۔ کشادہ سڑک کے دونوں جانب عمارتیں تھیں، سڑک پر جدید ترین ساخت کی کاریں چل رہی تھیں۔ دونوں کناروں پر راہ گیروں کی آمدورفت کا سلسلہ بندھا ہوا تھا۔ لیکن دنیا کے عام بڑے راستوں کی طرح زیادہ شور و غل نہ تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سب ایک ہی نظام کے ماتحت خود بخود ہو رہا ہے۔ یہ منظر چند عالیشان محلات کے پس منظر میں غائب ہو گیا۔ ایاز نے پردہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ منظر بھی تمہارے لیے نیا ہے!"

"ہاں یہ شاہی ایوانات معلوم ہوتے ہیں!" اسد نے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا "سڑکیں بہت کشادہ ہیں اور جابجا فوارے چھوٹ رہے ہیں!"

منظر دھندلا ہونے لگا۔ ایاز نے اسد کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"اب وہ لڑکی نظر آئے گی۔ اس کی نگاہوں سے متاثر نہ ہونا!"

نشرگاہ میں لڑکی خوبصورت مجسمہ کے سامنے کھڑی ہوئی کچھ کہہ رہی تھی ایاز اور اسد پوری توجہ کے ساتھ اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ فیروزہ نے اشرف سے کچھ کہا لیکن دونوں پردہ ہی کی طرف دیکھتے رہے۔ منظر آہستہ آہستہ قریب آنے لگا۔ اسد کے قلب کی حرکت تیز ہونے لگی۔ لڑکی کا چہرہ بالکل قریب آگیا اس نے کچھ کہا اور حسرت کے ساتھ دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آتے آگئے منظر بدل گیا۔

ایاز نے اسد کی طرف دیکھا۔ وہ صوفے کی پشت پہ سر رکھے ہوئے تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ایاز نے گھبرا کر اسے ہلاتے ہوئے آہستہ سے پکارا۔

"اسد"

"ہاں گھبراؤ نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں"

چند مناظر کے بعد کمرے کی چھت کا فانوس روشن ہو گیا اور سب سے پہلے فیروزہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی اٹھی اور مینو سے کہنے لگی۔

"کتنے عجیب و غریب مناظر تھے"

یکے بعد دیگرے سب کھڑے ہو گئے اور ان مناظروں پر اظہار خیال کرتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔ ایاز اور اسد سب کے بعد کمرے سے نکلے۔ منوہر سنگھ، عبدالعلی اور مینو سبزہ پر کھڑے ہوئے ان ہی مناظر کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ منوہر سنگھ کہہ رہا تھا

"اگر اندلس کے مسلمان تباہ نہ ہو جاتے اور برابر ترقی کرتے رہتے تو آج انکا معیار زندگی ایسا ہی ہوتا"

اسد ایک ساعت کے لیے ٹھہرا۔ منوہر سنگھ کی طرف دیکھا اور ایاز کے ساتھ چلا گیا۔

(۶)

اسد کی نگاہوں کے سامنے تمام رات وہی مناظر رہے۔ کبھی اس نے جھیل کی سطح پر کشتیوں کو ہچکولے کھاتا ہوا دیکھا اور کبھی نشر گاہ کی اس لڑکی کو جس کی مایوسانہ نگاہوں نے اسے مضطرب کر دیا تھا۔ علی الصبح جب وہ بستر سے اٹھا تو اس کی طبیعت کسلمند تھی، اس نے غسل کیا۔ نماز فجر ادا کی اور باہر صاف اور

تازہ ہوا میں چہل قدمی کے لیے نکلا۔ پھاٹک کے باہر اسے ایاز نظر آیا۔ وہ ایک کھیت کی منڈیر پر کھڑا ہوا کچھ سوچ رہا تھا۔ اس نے اسد کو دیکھتے ہی اشارے سے اپنے پاس بلایا اور جب وہ اس کے قریب پہونچا تو اس نے اسد کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میرا ٹیلی ویژن کا تجربہ تو تقریباً پایۂ تکمیل کو پہونچ چکا ہے۔"

"یعنی تم ایسا ٹیلی ویژن پیش کر سکتے ہو جو دنیا کے ہر گوشے کے مناظر کا عکس آپ پردہ پر دکھا سکے ـــــ؟"

"قطعی ـــــ" ایاز نے جواب دیا۔ "اور اسی کے ساتھ میں نے پراسرار مناظر کے عکس کے مخرج کا فاصلہ بھی معلوم کر لیا اور تم کو بھی بتا چکا ہوں۔ کل شب کو میں نے اپنے اس تجربہ کی دوبارہ بھی تصدیق کر لی ہے۔

اسد نے دریافت کیا "تمھارا کیا خیال ہے ـــــ؟ کیا یہ مناظر مریخ سے نشر کیے جا رہے ہیں ـــــ؟"

"نہیں ـــــ مریخ قریب ترین سیارہ ہے۔ زہرہ کے چاروں طرف نائٹروجن گیس کے بادل چھائے رہتے ہیں اس لیے میں اس کے متعلق بھی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا لیکن یہ سیارہ جہاں سے یہ منظر نشر کیے جا رہے ہیں۔ ہمارے نظام شمسی سے باہر نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مشتری میں بسنے والے انسان ہوں۔ یا زہرہ کے ہوں ـــــ ہر حال ان کو ہماری دنیا سے گہرا تعلق یا کوئی خاص واسطہ ضرور ہے۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ اسد کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ جب دونوں واپسی پر دارالتجارب کے احاطہ میں داخل ہوئے

تو اسد نے ایاز سے کہا۔

"ان انسانوں کا لب ولہجہ، ملبوسات، اور عمارتوں کا طرز تعمیر ہماری دنیا سے بہت مشابہ ہے۔"

"جس طرح کسی زمانہ میں جاپان اور روس کے اندرونی حالات کے متعلق بیرونی دنیا کو ایک عرصہ تک کوئی علم نہیں ہو سکا اور وہ برابر ترقی کرتے رہے، اگر پاکستان، افغانستان، ایران یا خیوا اور بخارا اسی طرح پس پردہ ترقی کی منازل طے کرتے رہتے اور دنیا کو ان کے متعلق کوئی علم نہ ہوتا تو ان مناظر کو دیکھ کر یہی سمجھا جاتا کہ یہ ان ہی ممالک میں سے کسی کے ہیں۔"

اسد نے کچھ سوچ کر کہا "ان مناظر نے مجھے عجیب ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیا ہے میں ابتک یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ اُڑن طشتریاں جو دنیا کے مختلف حصوں میں کبھی کبھی نظر آتی رہتی ہیں مریخی انسانوں کی ہیں۔ لیکن اب ——" اسد نے ٹھہر کر کہا۔

"—— اب میرا خیال ہے کہ یہ کسی دوسرے سیارے کے انسان ہیں جو ہماری دنیا کے گرد منڈلا رہے ہیں۔"

"میں آج مولانا عبدالسلام کو بھی بلاؤں گا۔"

"تم نے اپنے دارالتجارب کے دیگر افراد سے بھی اس کے متعلق تبادلۂ خیال کیا؟"

"نہیں —— " ایاز نے جواب دیا۔ "آج گیارہ بجے ہم سب اس پر تبادلۂ خیال کریں گے۔ مولانا عبدالسلام کو بھی اسی لیے مدعو کیا ہے۔ اس لیے کہ ان کی رائے یقیناً صائب ہوگی۔"

دونوں بارہ دری میں پہونچکر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مجیب اشرف، منوہرار ملا اور مینو آ گئے وہ سب بارہ دری کے باہر سبزہ پر کھڑے ہو گئے۔ ایاز اور اسد بھی کھڑے ہو گئے ایاز نے مجیب سے دریافت کیا۔

"کوئی خاص بات ہے"

ار ملا نے جواب دیا۔ "کیا وہ مناظر ہم آج دوبارہ دیکھ سکتے ہیں؟"

"ضرور دیکھ سکتے ہیں" ایاز نے جواب دیا۔ "میرے خیال میں آپ لوگ دس بجے پروجکشن روم میں پہونچ جائیں، اس کے بعد کانفرنس ہوگی"

سب آپس میں باتیں کرتے ہوئے چمن کی طرف چلے گئے۔ اسد اور ایاز نے دوسری منزل پر جاکر ناشتہ کیا اور ایاز کار پر بیٹھکر شہر کی طرف چلا گیا۔ اسد اس کی واپسی تک اس کے دارالمطالعہ میں بیٹھا ہوا فرانسیسی ماہر طبعیات ڈاکٹر دوہ ری کی ایک تصنیف پڑھتا رہا۔ ایاز ساڑھے نو بجے واپس آیا اس کے ساتھ مولانا عبدالسلام بھی تھے۔

رسمی گفتگو کے بعد ایاز اسد اور مولانا عبدالسلام کے ساتھ اپنے محل میں پہونچا مولانا کو چند نئی تصاویر دکھائیں اور تینوں باتیں کرتے ہوئے پروجکشن روم کے سامنے پہونچ گئے۔ ایاز کے دارالتجارب میں کام کرنے والے سائنس داں کمرے کے باہر برآمدے میں دو دو اور چار چار کی ٹولیوں میں کھڑے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ٹھیک دس بجے سب پروجکشن روم کے اندر پہونچ گئے اور ان افراد کے بیٹھنے کے بعد گیارہ بجے عمارت کے بڑے کمرے میں کانفرنس شروع ہوئی۔

کمرے کے وسط میں ایک دائرے کی شکل میں میزیں لگائی گئی تھیں۔ ہر میز پر

بینچیں اور سفید کاغذ کے تختے رکھے ہوئے تھے۔ ایاز نے مولانا عبدالسلام کو اپنے پاس بٹھایا تھا۔ ان کے بائیں جانب اسد کی کرسی تھی۔ دائرے کے وسط میں ایک چھوٹی میز پر ایاز کا وہ ٹیلی ویژن رکھا ہوا تھا جس پر وہ کچھ عرصہ سے تجربہ کر رہا تھا۔ سب کی نگاہیں ٹیلی ویژن پر جمی ہوئی تھیں۔

ایاز اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے عزیز رفیقو! آج میں آپ کے سامنے ایک نئی چیز پیش کر رہا ہوں یہ چیز ایک ٹیلی ویژن ہے جو آپ کے سامنے رکھا ہوا ہے اب تک یورپ امریکہ اور ایشیا میں جو ٹیلی ویژن تیار کیے گئے ہیں وہ صرف ایک محدود دائرے تک کام کرتے ہیں۔ یعنی ہالی وڈ کے مناظر زیادہ سے زیادہ کیلیفورنیا یا امریکہ کی وسطی ریاستوں تک دیکھے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح لندن سے جنوبی فرانس تک ایک دائرہ ہے ابھی تک کوئی ایسا ٹیلی ویژن نہیں تیار ہوا تھا جو عالمگیر مناظر کو پردہ پر پیش کر سکے۔ میں نے اس ٹیلی ویژن پر نہ صرف برلن ماسکو سڈنی نیویارک اور اوٹاوا ہی کے مناظر دیکھے ہیں بلکہ کچھ ایسے مناظر بھی نظر آئے ہیں جو میرے لیے عقدہ لاینحل بنے ہوئے ہیں۔"

سب کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ مولانا عبدالسلام نگاہیں نیچی کیے سر جھکائے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ایاز نے ان کی طرف دیکھا اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"وہ مناظر بھی عجیب و غریب ہیں — میں ان کو قلمبند کر کے آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ ابھی تک ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہ مناظر کہاں سے نشر کیے

جا رہے ہیں۔"

مینو نے کہا: "یہ مناظر ہماری دنیا کے تو معلوم نہیں ہوتے ہیں۔"

عبدالعلی بول اٹھا: "یا ہو سکتا ہے کہ کسی اسٹیشن سے کوئی ڈرامہ نشر کیا جا رہا ہو اور اس میں یہ دکھایا گیا ہو کہ اگر مغلیہ دور میں ہندوستان ترقی کرتا تو ———"

سب کے قہقہوں میں اس کی آواز دب کر رہ گئی۔ مولانا عبدالسلام بھی مسکرا دیے۔ فیروزہ نے کہا: "میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ مناظر ہماری دنیا کے نہیں ہیں۔"

مجیب، اشرف، ارملا اور دیگر افراد نے بھی یہی کہا۔ اسد نے منوہر سنگھ سے دریافت کیا۔

"آپ کا کیا خیال ہے ———؟"

"مناظر میں بھی ایشیائی جھلک ہے، ان انسانوں کے خد و خال، ملبوسات اور لہجہ ایشیائی ہے۔ موسیقی کا انداز بھی بالکل مشرقی ہے۔ سازوں سے زیادہ نغمے بلند ہو رہے تھے جن سے ہمارے کان آشنا ہیں۔ قدیم اور جدید ایشیائی موسیقی کا مرکب ———" منوہر سنگھ نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر کہنا شروع کیا: "ان مناظر میں ہم نے جو عمارتیں دیکھی ہیں ان کا طرز تعمیر بھی ایشیائی ہے، خصوصاً وہ ایوانات جو فوارے کے قریب نظر آتے ہیں۔ اسی طرز کی عمارتیں کسی زمانہ میں اسپین میں بھی تھیں ان کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں۔ میں نے قرطبہ اور اس کے نواحی علاقوں میں ایسے ہی بام و در کے کھنڈرات اور ستون دیکھے ہیں۔"

مولانا عبدالسلام کی نگاہیں منوہر سنگھ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، وفورِ مسرت سے ان کا چہرہ کھل گیا تھا اور آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی تھیں۔ اسد کو ایسا محسوس ہوتا تھا گویا نوجوان سائنسدان اس کو کوئی دل خوش کن پیغام سنا رہا ہے خود ایاز بھی منوہر کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

منوہر سنگھ ایک جادو بیان مقرر کی طرح چاروں طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"میرے ساتھیوں میں بیشتر تعداد ان کی ہے جو اندلس کے کھنڈرات دیکھ چکے ہیں۔ بہرحال میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یہ مناظر کہاں سے نشر کیے جا رہے ہیں لیکن میرے دل میں رہ رہ کر یہ خیال ضرور پیدا ہو رہا ہے کہ اگر اندلسی مسلمان عیش و عشرت میں پڑ کر تباہ نہ ہو جاتے اور برابر ترقی کرتے رہتے تو آج اُنکا معیارِ زندگی یہی ہوتا جو ہم نے ان مناظر میں ان انسانوں کا دیکھا ہے۔"

منوہر سنگھ کے خاموش ہوتے ہی سب آہستہ آہستہ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ انکے اندازِ گفتگو سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھی اس کے ہم خیال ہیں مولانا عبدالسلام نے ایاز سے آہستہ سے کچھ کہا۔ اسد بھی ان سے باتیں کرنے لگا۔ اور کچھ دیر بعد مولانا نے کھنکھار کر سب کو مخاطب کیا۔

"میرے نوجوان دوستو! آپ بخوبی واقف ہیں جن علوم میں آپ تحقیق کر رہے ہیں ان سے مجھ کو دور کا لگاؤ نہیں ہے لیکن اپنے عزیز دوست ایاز صاحب کے سائنسی تجربات سے دلچسپی ضرور ہے۔ آج ہم نے جو مناظر دیکھے ہیں۔ وہ ہم کو وقتی طور پر متحیر کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ لیکن علمِ الہیات سے تعلق رکھنے والے کے لیے یہ اس کی قدرت کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔"

اُڑن طشتری

مولانا عبدالسلام نے سورۂ رحمٰن کی ایک آیت پڑھ کر کہا۔

"وہ کہتا ہے کہ تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔۔۔۔۔۔ ذرا غور تو فرمایئے ہم اپنی اسی محدود ترقی پر پھولے نہیں سماتے ہیں اور اسکو بھلا بیٹھے ہیں۔ اس کے وجود سے منکر ہو چکے ہیں۔ یہ مناظر ہماری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہیں۔ یہ اس کے وجود کا کھلا ہوا ثبوت ہیں۔ اس کی خدائی میں معلوم نہیں اس دنیا جیسی کتنی دنیائیں ہیں — یہ مناظر ہمارے لیے غیبی اشارے ہیں"

منوہر سنگھ نے مولانا سے پوچھا۔

"مولانا صاحب۔ دوسرے سیاروں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے"

"سیاروں کی تحقیق دنیا کے لیے نئی نہیں ہے" مولانا عبدالسلام نے جواب دیا "جس طرح ہماری دنیا آباد ہے اسی طرح اور ایسی ہی معلوم نہیں کتنی دنیائیں ہونگی"

"ان مناظر کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔؟" منوہر سنگھ نے دریافت کیا۔

"میں آپ کے خیال سے متفق ہوں۔ اگر اندلسی مسلمان ترقی کرتے رہتے تو یقیناً ان کا معیار زندگی آج یہی ہوتا"

مولانا عبدالسلام نے اندلسی مسلمانوں کی ترقی ان کی ایجادات اور باقیات پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا "جو مناظر ہم نے آج پردہ سیمیں پر دیکھے ہیں۔ ان کے طرز تعمیر میں کسی حد تک اندلسی جھلک پائی جاتی ہے" ان لوگوں کے خدوخال اور لہجہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالسلام نے بتایا کہ آج بھی مراکش رلیت اور الجزائر میں ایسے چہرے اور مہرے کے لوگ نظر آتے ہیں"

عبدالعلی نے کہا "میرا تو اب تک یہی خیال ہے کہ یہ کسی ڈرامے یا فلم کے مناظر تھے

جو کسی اسٹیشن سے نشر کیے جا رہے ہیں۔"

ایاز نے ہنس کر کہا "——— لیکن وہ اسٹیشن یہاں سے کروڑوں میل دور ہے میں نے ریڈار کی لہروں سے اس کا فاصلہ معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن ابھی پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا ہوں۔"

ارملا نے ایاز سے سوال کیا "پھر آپ کا کیا خیال ہے۔؟"

"کسی آباد سیارے سے یہ مناظر نشر کیے جا رہے ہیں۔" ایاز نے جواب دیا۔

اسد نے کہا "ایک مدت سے ہماری دنیا کے گرد اُڑن طشتریاں منڈلا رہی ہیں، وہ ہمارے لیے ابھی تک معمہ بنی ہوئی ہیں ——— ہم کو اس کا علم ہے کہ وہ راکٹ یعنی ہوائیاں ہیں۔ لیکن وہ کہاں سے آتی ہیں اور اس سیارے سے کرۂ ارض تک کتنے وقت میں پہونچتی ہیں ابھی ہم کو اس کا کوئی علم نہیں ہو سکا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے سیارے میں بسنے والے انسان ہم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔" مجیب نے اپنا خیال ظاہر کیا "لیکن کسی وجہ سے وہ کرۂ ارض پر نہ اُتر سکتے ہوں۔"

"وجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔" اسد بول اٹھا "لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی سیارے کے انسان ہمارے قریب پہونچ چکے ہیں اور وہ ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں ———"

"میرے پیارے دوستو!" مولانا عبدالسلام نے سب کو مخاطب کر کے کہا "آپ لوگ جس راز کو معلوم کرنے کے لیے سرگرداں ہیں، وہ مغرب کے لیے یقیناً ایک راز ہے جس کی عقدہ کشائی وہاں موجودہ ماحول اور نظریات زندگی اور کائنات کے

بھی تقریباً ممکن ہے لیکن وہی راز مشرق کے لیے راز نہیں رہا ہے، آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل یہ راز انسان پر منکشف ہو چکے ہیں، اب یہ بات اور ہے کہ ہم نے مشرقی ہوتے ہوئے اس طرف توجہ نہ کی۔ ان علوم کو اپنے تعلیمی نصاب سے خارج کر دیا۔ شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کے کلام میں جا بجا اسکے اشارے ملتے ہیں"

منیر شگفتہ کا چہرہ فرط مسرت سے گلاب کے شگفتہ پھول کی طرح کھل گیا۔ مولانا عبد السلام کو اس طرح دیکھ رہا تھا گویا وہ اسی کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ مولانا عبد السلام جھوم جھوم کر کہہ رہے تھے۔

"۔۔۔۔ کیا خوب کہا ہے علامہ مرحوم نے ۔۔۔۔ فرماتے ہیں ؎

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں!

ایک آسمان نہیں ہے ۔۔۔۔" مولانا نے آسمان کی تشریح کرتے ہوئے کہا۔

"اسلام نے ایک آسمان کا تخیل نہیں پیش کیا ہے، قرآن حکیم میں جا بجا سماوات کا تذکرہ ہے۔ آسمان کوئی ٹھوس نہیں، یہ حد نگاہ ہے اور اس طرح زمین و آسمان لازم و ملزوم ہوئے۔ یعنی زمین کے ساتھ آسمان کا ہونا لازمی ہے۔ اگر زمین نہ ہوگی تو آسمان بھی نہ ہوگا۔ علامہ مرحوم نے اس شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ تمہارے سامنے اور زمینیں اور دنیائیں بھی ہیں۔"

ہر شخص مولانا عبد السلام کی تقریر توجہ کے ساتھ سن رہا تھا، انھوں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"ایک جگہ علامہ نے اس چیز کو بالکل واضح کر دیا ہے وہ کہتے ہیں ؎

اُڑن طشتری

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں!

مولانا مسکرائے اپنے مخصوص انداز میں اپنی گھنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور قدرے ٹھہر کر بولے۔

"ممکن ہے آپ لوگ اسے میری خوش عقیدگی پر محمول کریں ـــــ اور کسی حد تک آپ ایسا خیال کرنے میں حق بجانب بھی ہوں گے ـــــ بہرحال علامہ اقبال مرحوم نے ایک جگہ کہا ہے ؎

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی

یہ منزل کیا ہو سکتی ہے ـــ ؟" مولانا نے سامعین سے سوال کیا اور ایک ساعت بعد بولے "کوئی اسے عرشِ معلّٰی سمجھتا ہے اور کوئی اسے مقامِ محمود سے تعبیر کرتا ہے میں کسی کے خیال اور عقیدے کی تردید نہیں کرتا۔ اسلیے کہ من آنم کہ من دانم۔ لیکن جہاں تک اس مسئلہ پر میں نے غور کیا ہے، میں اسی نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اس چرخ نیلی فام یعنی ہماری حد نگاہ سے اس طرف کوئی دنیا ہے اور اس مصرعہ میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے ـــــ"

مولانا عبدالسلام ایک ساعت کے لیے خاموش ہوئے چاروں طرف دیکھا اور پھر بولے۔

"علامہ اقبال مرحوم نہ تو ماہر فلکیات تھے اور نہ سائنسداں اس لیے یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ان کے اس مصرعہ کو ایک نظریہ یا حقیقت کیوں تسلیم کیا جائے اور اسے کیوں اہمیت دی جائے لیکن اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ شاعر تھے۔ صحیح معنوں میں ایک شاعر ـــــ شاعرِ مشرق ان سے

شاعری جز دیست از پیغمبری

وہ جس عالم میں ڈوب کر شعر کہتے تھے اس سے وہ خود بھی ناواقف تھے۔
انھوں نے اپنے ایک شعر میں اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

یہ بحث بہت طویل ہے اس سے قطع نظر میں ابھی عرض کر رہا تھا کہ ہماری حدِ نگاہ سے اس طرف ایک دنیا ہے اور وہ مسلمان کی منزل ہے۔ دنیا کے عام انسانوں کی منزل نہیں بلکہ مسلمانوں کے لیے مخصوص ہے ۔۔۔۔ لیکن کیوں ۔۔۔۔؟"

مولانا عبدالسلام نے مسکرا کر اسد ایاز اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا "وہ دنیا مسلمانوں ہی کے لیے کیوں مخصوص ہے۔؟ آخر ان میں کیا خصوصیت ہے ۔۔۔۔؟ اگر آپ حضرات بتا سکتے ہوں تو بتائیے ۔۔۔۔"

مولانا مسکرا کر ایک ایک فرد کی طرف دیکھ رہے تھے اور سب خاموش تھے۔ کوئی اپنے لبوں میں پنسل دبائے ہوئے تھا کوئی غیر ارادی طور پر اپنی انگلیوں پر انگلیاں پھیر رہا تھا لیکن سب کی نگاہیں ان ہی پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک ساعت بعد انھوں نے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ نہیں بتا سکتے ہیں اس لیے کہ مغربی درسگاہوں میں یہ علوم نہیں پڑھائے جاتے۔ لیکن حقیقت میں نظریں ایسی چیزیں تلاش کر لیتی ہیں۔ ایک تعلیم یافتہ انسان تھوڑی توجہ کے بعد ایسی گتھیوں کو چند لمحوں میں سلجھا لیتا ہے۔ پھر نا مکمل خام سے اس طرف ایک دنیا مسلمانوں کے لیے مخصوص ہے

خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کے لیے ـــــ اس لیے کہ مسلمانوں نے اپنے عروج
دور میں خصوصیت حاصل کرلی تھی ـ اس کے لیے اندلسی مسلمانوں کے حالات پڑھئے
تاریخ اسپین اٹھا کر دیکھیئے!

منوہر سنگھ نے دفور جوش میں اپنی ہتھیلی پر مٹھی مار کر کہا: "بیشک ـــــ بیشک
کیا بات کہدی آپ نے مولانا!

مولانا عبدالسلام نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے
ہوئے بولے۔

"دنیا میں سب سے پہلے اندلسی مسلمانوں نے سائنس کے دارالتجارب بنائے
اور تجربے کیے مشینی دور کی ابتدا انھوں نے ہی کی۔ خلیفہ عبدالرحمن کا دور اسپین
کا دور زریں تھا۔ اسی زمانہ میں قرطبہ کے ایک نوجوان انجینیر ابوالقاسم عباسی نے
ایک طیارہ بنایا اور پرواز کی لیکن اس کی عمر نے وفا نہ کی اور اس طیارے میں جو
خامیاں رہ گئی تھیں وہ دور نہ کی جا سکیں اسی زمانہ میں اندلس کے ایک بندرگاہ
المیریہ کے ایک انجینیر ابوالصلت نے جرثقیل کے ایسے آلات تیار کیے جن کی
مدد سے غرق شدہ جہاز نکالے جانے لگے"۔

مولانا نے کھنکھار کر آواز صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ابوالقاسم کی ایجاد نے اندلسی موجدوں، سائنسدانوں اور انجینیروں کو
فن پرواز کی طرف متوجہ کردیا اور ابوالصلت نے جرثقیل کے آلات سے ایک
ایسی ہوائی تیار کی جو وقت ضرورت زمین کی کشش سے آزاد ہو سکتی تھی"

اسد نے پوچھا: کیا ابوالصلت کی ہوائی دنیا کی پہلی ہوائی تھی۔؟"

اُڑن طشتری

"بلحاظ جسامت ہی کہا جا سکتا ہے لیکن ہوائی اس دور کے مسلمانوں کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ تقاریب اور تہواروں کے موقعوں پر وہ ہوائیاں اڑاتے تھے۔ ہندوستان میں آج تک مسلمان شب برات کے موقعہ پر کر بجوے اور ہوائیاں اڑاتے ہیں یہ ان ہوائیوں کی بگڑی ہوئی صورت ہے، بعض کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ جر ثقیل کے آلات کے استعمال کے ساتھ ہی ابوالصلت نے عام ہوائیوں میں استعمال کیے جانے والا مادہ زیادہ طاقتور صورت میں تیار کر کے اپنی ہوائی میں استعمال کیا۔"

ارملا نے مولانا سے دریافت کیا: کیا اس اندلسی انجینئر نے اپنی ہوائی کو استعمال کیا؟

"دمشق کے ایک طبیب کی لائبریری میں ایک قدیم قلمی نسخہ ہے اس میں صرف اسی قدر لکھا ہے کہ ابوالصلت متعدد بار اپنی ہوائی کو چشم زدن میں اس قدر بلندی تک لے گیا کہ وہ انسانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی اور پھر واپس آ گئی۔ حاسدوں نے اس کے خلاف خلیفہ کے کان بھرے۔ ابوالصلت کو اس کا علم ہو گیا اور ایک روز وہ اور اس کے چند شاگرد مع اپنے اہل و عیال کے غائب ہو گئے۔ وہ کہاں گئے۔ یہ ایک راز تھا۔ جو راز ہی رہا۔ اس نسخہ میں اس سے زیادہ حالات نہیں ملتے ہیں لیکن چند کتابوں کے حوالے ضرور موجود ہیں اور وہ کتابیں اندلسی مسلمانوں کی تباہی کے ساتھ ہی نذر آتش کر دی گئیں ـــــ بہرحال میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ابوالصلت اور اس کے شاگرد اس ہوائی کے ذریعہ کسی ایسے سیارے میں پہنچ گئے جہاں زندگی ممکن ہو سکتی تھی یا وہ آباد تھا ـــــ ان مناظر کو دیکھ کر

ٹیلی ویژن روم میں آکر ان مناظر کو ٹیلی ویژن پر بھی دیکھیں:

مولانا عبدالسلام اسی وقت اپنی کار پر واپس چلے گئے۔ ایاز کے نائبین اور اس کے دارالتجارب میں کام کرنے والے اپنے مس کی طرف جانے لگے۔ ایاز نے اپنے کمرے کی طرف رخ کیا اور اسد کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اسے آگے بڑھاتے ہوئے کہا "مولانا نے اس وقت جو کچھ کہا ہے اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"یہ ایک حیرت انگیز انکشاف ہے۔ میرے دماغ میں کل سے یہی خیالات چکر لگا رہے ہیں۔"

"کل سے ——؟" ایاز نے کہا "تو گویا تمہارا بھی یہی خیال ہے کہ ان مناظر کا اندلسی مسلمانوں سے کوئی تعلق ضرور ہے۔"

"سب سے پہلے منوہر سنگھ کے دماغ میں یہ بات آئی کہ ان مناظر کا تعلق اندلسی مسلمانوں سے ہو سکتا ہے۔ کل شام کو جب ہم سب پروجیکشن روم سے نکل کر باہر آئے تو منوہر سنگھ، عبدالعلی اور مینو سے کہہ رہا تھا کہ اگر اندلس کے مسلمان تباہ نہ ہو جاتے اور برابر ترقی کرتے رہتے تو آج ان کا معیار زندگی ایسا ہی ہوتا۔"

"منوہر اسپین کی سیاحت کر چکا ہے اور خصوصاً اندلس کے چپہ چپہ میں گھوما ہے اس نے وہاں کے آثار قدیمہ کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے۔ وہ قاہرہ میں عربی پڑھ چکا ہے۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے کھانے کے کمرے میں جا پہنچے۔ ایک بجے کھانا کھایا اور پونے دو بجے ٹیلی ویژن کے کمرے میں آ گئے۔ انجیب، منوہر سنگھ، اشرف، ارملا اور مینو ان سے قبل وہاں پہنچ چکے تھے اور برآمدے میں کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ دو بجے سے تین بجے تک سب ٹیلی ویژن پر ان مناظر کو دیکھتے رہے۔ منوہر سنگھ نے

عمارتیں دیکھتے ہی ان کے بام و در کی تشریح شروع کر دی تھی۔ مناظر دیکھنے کے بعد سب اسی کمرے میں چار بجے تک ان ہی کے متعلق آپس میں بحث کرتے رہے۔

ایاز اور اسد بعد مغرب مولانا عبدالسلام کی کوٹھی پر پہونچ گئے اور کھانے کے بعد بہت دیر اندلسی مسلمانوں کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ مولانا عبدالسلام نے اسد کے ایک سوال کے جواب میں کہا۔

"میں نے المیریہ کے قریب ایسے کارخانوں کے آثار دیکھے ہیں جن میں کسی زمانہ میں لوہا گلایا اور ڈھالا جاتا ہوگا۔ بعض بھٹیاں ابتک خستہ حالت میں موجود ہیں وہ بھٹیاں کیا پورے شہ نشین ہیں ــــــ ایران کے سب سے بڑے آتشکدہ میں بھی بیک وقت اتنی مقدار میں آگ نہ روشن ہوتی ہوگی۔"

"ابن بدرون نے ان چیزوں کے متعلق لکھا ہے" اسد نے مولانا کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "خود مغربی مورخین نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ اندلس کے مسلمانوں نے جو کارخانے بنائے تھے ان میں لوہا اور دیگر دھاتیں گلائی جاتی تھیں۔"

ایاز نے کہا۔ "بہرحال ان مناظر کی اصلیت خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن ان کی تحقیق و تجسس میں آپ کے انکشاف سے مدد ملے گی۔"

اسد کسی گہرے خیال میں کھویا ہوا تھا۔ مولانا عبدالسلام نے اس سے کہا۔

"اسد صاحب! آپ ہوائی تیار کر رہے ہیں اور ایک روز کسی سیارے تک پہونچنے کی کوشش کریں گے ــــ"

"ابتک خیال تو یہی تھا ــــ" اسد نے جواب دیا۔

"تو کیا اب آپ نے اپنا خیال بدل دیا ہے ــــ؟" مولانا نے اسد سے دریافت کیا۔

"خیال تو نہیں بدلا ہے لیکن پروگرام میں ضرور ترمیم و تنسیخ کرنا پڑے گی۔ پہلے میں قریب ترین سیارے مریخ ہی پہونچنے کی کوشش کرتا لیکن اب مجھے اس سیارے تک پہونچنا ہے جو مسلمانوں کی منزل ہے اور ہماری حد نگاہ سے اس طرف ہے"

"خدا آپ کو آپ کے ارادوں میں کامیاب کرے۔ جو ہمت کرتے ہیں خدا انکی مدد کرتا ہے" مولانا عبدالسلام جوش میں بولے "اس سلسلہ میں میں آپ کی ہر ممکن مدد کے لیے تیار ہوں"

اسد نے کچھ سوچ کر کہا "کیا آپ اسپینی مراکش کے قصبہ رضوان جاکر ان کے نادر قلمی نسخوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ۔۔۔۔ تحقیقی فنڈ آپ کے اخراجات برداشت کرے گا"

"آپ کی ہوائی کشتی پایۂ تکمیل کو پہونچ جائے گی ۔۔۔؟"

"غالباً دسمبر تک بالکل تیار ہو جائے گی"

"میں جولائی میں مراکش جا سکتا ہوں"

"مولانا! ۔۔۔" اسد نے خوش ہو کر کہا "اگر آپ مراکش جاکر دسمبر سے قبل واپس آجائیں اور مجھے ابوالصلت کے متعلق مزید معلومات حاصل ہو جائیں تو یہ میری نصف کامیابی کے مترادف ہوگا"

"میں حتماً یہی کوشش کرونگا کہ زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم ہو جائیں"

مولانا نے اسد کو جواب دیتے ہوئے کہا "مجھ سے اسکندرونہ میں شیخ احمد بن یحییٰ نے بتایا تھا کہ صلیبی جنگوں کے اختتام پر شکست خوردہ عیسائیوں نے ارض مقدس سے بھاگتے ہوئے جب طرابلس کے اسلامی کتب خانہ کو نذر آتش کیا تو اسکی ہزاروں

کتابیں اور قلمی نسخے اُٹھا لے گئے۔ یورپ کے بعض شہروں میں اب بھی ایسے نسخے موجود ہیں۔ شیخ احمد بن یحییٰ نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ یوگوسلاویہ کے ایک شہر سراجیوو میں وہاں کی جامع مسجد کے پیش امام کے پاس ایسے متعدد قلمی نسخے ہیں۔ یہ نسخے اسے ایک نومسلم پادری نے دیے تھے۔ میں مراکش سے واپسی پر سراجیوو بھی جانے کی کوشش کروں گا۔"

مولانا عبدالسلام نے اسد کو ہر طرح سے مطمئن کرادیا کہ وہ مراکش جاکر ان نسخوں کا فوراً مطالعہ کریں گے۔ ایاز اور اسد ساڑھے دس بجے اپنی قیام گاہ پر پہونچ گئے۔

دوسرے روز شام کو ایاز اور اسد زمرد کے ساتھ اس کی کوٹھی پر گئے زمرد نے اپنی چند سہیلیوں اور ہم جماعت نوجوانوں کو بھی مدعو کیا۔ تعارف کے بعد ہی ایاز اور اسد ان سب سے بے تکلف ہوگئے۔ زمرد اسد کے گرد ہی چکر کاٹتی رہی اور اُسے جب بھی موقعہ ملا اس کے پاس بیٹھ گئی۔ زمرد کی ایک سہیلی مریم کی تجویز پر بڑے کمرے میں ریکارڈ کی ہوئی میوزک پر رقص ہوا۔ زمرد نے رقص میں اسد کو ایک لمحہ کے لیے نہیں چھوڑا اور جب وہ ان دونوں کو رخصت کرنے کے لیے انکی کار تک آئی تو اس نے آہستہ سے اسد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسد صاحب! کیا آپ مجھے کل کچھ وقت دے سکتے ہیں؟ میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں ——"

ایاز ان سے کچھ ہی فاصلے پر کھڑا ہوا مریم سے باتیں کر رہا تھا۔ اسد نے ایاز اور مریم کی طرف دیکھا اور زمرد سے کہا۔

"آپ دس بجے تشریف لائیے میں اپنے کمرے میں ہونگا۔"

"میں ضرور آؤں گی ——" زمرد نے اسد کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

ایاز اور مریم باتیں کرتے ہوئے ان کے قریب پہونچ گئے دونوں لڑکیوں نے ان کو خدا حافظ کہا اور نصف گھنٹہ بعد وہ اپنی قیام گاہ پر پہونچ گئے۔ اسد تمام راستہ خاموش رہا۔ وہ زمرد جیسی لڑکیوں سے دُور رہنا چاہتا تھا ایاز نے اس کی پریشانی کا سبب سمجھ لیا اور جب وہ دونوں قیام گاہ پر پہونچے تو اس نے اسد کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"زمرد بہت اچھے کیرکٹر کی لڑکی ہے وہ سوسائٹی میں اُٹھتی بیٹھتی ضرور ہے لیکن نوجوانوں سے دُور ہی رہتی ہے، یہ پہلا اتفاق ہے کہ میں نے اسکو تم سے اس قدر جلد بے تکلف ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"وہ کل دس بجے دن کو میرے پاس آئے گی۔" اسد نے ایاز سے کہا۔ "تم اس کو سمجھا تا کہ میں ایک گوشہ نشین انسان ہوں اور راکٹ تیار ہو جانے کے بعد اپنی مہم پر روانہ ہو جاؤں گا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میں اس دنیا میں دوبارہ واپس بھی آؤں گا یا نہیں ——"

"آج جب وہ تمہارے ساتھ رقص کر رہی تھی تو فرطِ مسرت سے کھلی جا رہی تھی اور مجھکو اس کی حالت پر افسوس ہو رہا تھا۔ خیر۔ میں کل اس کو سمجھانے کی کوشش کرونگا ——"

دونوں اپنی اپنی خوابگاہ میں چلے گئے۔ اسد ہر طرف سے خالی الذہن ہو کر بہت دیر تک مولانا عبدالسلام کی تقریر پر غور کرتا رہا اور انھیں خیالات میں کھو گیا۔

دوسرے دن دس بجے زمرد اپنی اسپورٹ کار پر آن وارد ہوئی۔ بنفشی رنگ کا غرارہ اور اسی سے مطابقت رکھتا ہوا جمپر پہنے ہوئے تھی اور شانوں پر گہرے عنابی رنگ کا دوپٹہ پڑا ہوا تھا۔ وہ کار سے اترتے ہی دوسری منزل پر پہونچی۔ اسد برآمدے ہی میں ٹہل رہا تھا۔ رسمی گفتگو کے بعد دونوں برآمدے ہی میں کرسیوں پر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے

زمرد نے کہا "کنور بہادر سے مجھے تفصیل کے ساتھ آپ کی مصروفیات کا حال معلوم ہوا ہے وہ کہہ رہے تھے کہ آپ کا راکٹ بہت جلد تیار ہو جائے گا اور آپ کسی آباد سیارے تک پہونچنے کی کوشش کریں گے۔"

"جی ہاں ابھی تک تو یہی خیال ہے۔"

"کیا آپ میری ایک درخواست منظور کر سکتے ہیں ۔۔۔؟" زمرد نے اسد کو ملتجانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اسد کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ لیکن اس نے چہرے سے اپنی پریشانی کو ظاہر نہ ہونے دیا اور اس سے کہا۔

"فرمائیے ۔۔۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔؟"

"اگرچہ میں نے تاریخ میں بی۔ اے کیا ہے لیکن مجھے علم سیارگان سے بچپن ہی سے دلچسپی رہی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ کچھ دن آپ کی رصد گاہ میں رہ کر اپنی معلومات میں اضافہ کروں ۔۔۔"

اسد نے اطمینان کی سانس لی۔ جوانی کا نازک ترین لمحہ گزر چکا تھا۔ اس نے پہلی بار زمرد کو غور سے دیکھا اور ایک ساعت بعد اس سے کہا۔

"آپ شوق سے وہاں تشریف لائیے اور اپنی معلومات میں اضافہ کریں یہ میری

خوش قسمتی ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ مجھے ایک تاریخ داں کی ضرورت بھی تھی

" میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں "

اسد نے زمرد سے کہا: " میں اندلسی مسلمانوں کے حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں "

" آپ کس دور کے مسلمانوں کے حالات جاننا چاہتے ہیں؟ "

" وہ دور جب انھوں نے صنعت و حرفت، علم و ہنر اور زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کی اور یورپی اقوام کے لیے ترقی کی ایک شاہراہ بنائی "

" خلیفہ عبدالرحمٰن ثانی الحکم اور عبدالرحمٰن ثالث کا دور تاریخ اندلس میں عہد زریں کے نام سے مشہور ہے "

" مغربی مؤرخین سے قطع نظر کیا آپ نے ابن خلدون اور دیگر عرب مؤرخوں اور سیاحوں کی کتابیں اور حالات بھی پڑھے ہیں "

" بہت زیادہ ــــــ " زمرد نے جواب دیا " ایک سال قبل مجھے اس کا خبط سا ہو گیا اور اسی لیے میں نے اسلامی ممالک کا سفر کیا۔ میں افغانستان، ایران، آذربائیجان کردستان عراق، ترکی، شام، فلسطین، نجد و حجاز، مصر اور شمالی افریقہ کے دیگر عرب ممالک اور اسپین تک کی سیاحت کر چکی ہوں۔ کل شب کو وقت کم تھا ورنہ میں اپنا البم دکھاتی "

" ایاز نے مجھے آپ کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا ورنہ میں خود حاضر ہوتا "

" در اصل ایاز صاحب بھی مجھ سے صرف اسی حد تک واقف ہیں کہ میں انکو کبھی کبھی شبستاں یا ڈریم لینڈ میں نظر آ گئی ہوں ـــ بہر حال اگر اس وقت آپ کو فرصت ہو تو تشریف لے چلیے " زمرد نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

دس بجکر ۲۰ منٹ آئے ہیں، آپ بارہ ساڑھے بارہ بجے تک یہاں واپس آ سکتے ہیں "۔

"میں تیار ہوں بشرطیکہ آپ کو زحمت نہ ہو "۔

زمرد مسکرا کر کھڑی ہو گئی "۔ شہر کی ہنگامہ آرائیوں سے دور اپنی رصدگاہ میں زیادہ وقت گزارنے کے باوجود آپ رسمی گفتگو کو ضروری سمجھتے ہیں "۔

اسد زمرد کے جواب پر قدرے نادم ہو گیا لیکن فوراً ہی خفت مٹانے کیلیے کہا۔

"شہر کے رسمی جملے شہر ہی میں استعمال کیے جا سکتے ہیں "۔

وہ مسکرا کر کھڑا ہو گیا اور دونوں باتیں کرتے ہوئے زینے سے اتر کر پورٹیکو میں آ گئے۔ برآمدے میں مجیب کھڑا ہوا ایک شخص سے باتیں کر رہا تھا۔ اسد نے اسے بلا کر کہا،

"ایاز سے کہہ دیجیے گا کہ میں شہر جا رہا ہوں "۔

"وہ اسی کمرے میں ہیں میں بلائے لاتا ہوں "۔

وہ مڑا ہی تھا کہ ایاز ایک کمرے سے نکلا اور اسد کو زمرد کے ساتھ دیکھ کر مسکراتے ہوئے انگریزی کی ایک ضرب المثل دہرائی

"عورت تیرا نام کمزوری ہے "۔

کمزوری اور شہ زوری لازم و ملزوم ہیں۔ اگر صرف شہ زوری ہوتی تو دنیا کا نظام تباہ ہو چکا ہوتا۔ زمرد نے مسکرا کر جواب دیا۔ اگر آپ اپنی کمزوری اور شہ زوری کو متوازن رکھ سکتے ہوں تو بسم اللہ۔۔۔ اگر کوئی کام نہ ہو تو چلیے بارہ ساڑھے بارہ بجے تک واپس آ جائیں گے "۔

"میں ضرور چلتا لیکن اس وقت ایک تجربہ میں مصروف ہوں۔ ایک گھنٹہ بعد چل سکتا ہوں "۔

"تو پھر غریب خانہ پر آ جائیے۔ "

"ہاں یہ ہو سکتا ہے۔۔۔ میں ضرور آؤں گا۔۔۔ "

ایاز نے اسد اور زمرد کی طرف دیکھا مسکرایا اور ان کو خدا حافظ کہہ کر کمرے میں چلا گیا۔۔۔

زمرد نے اسد کو اپنی کوٹھی پر لاکر اپنے البم دکھائے۔ اسد نے سرسری طور پر دو ایک البم کی تصاویر دیکھنے کے بعد کہا۔

" مجھے صرف اندلس کے قدیم شہروں کے کھنڈرات کی تصاویر دکھایئے۔"

زمرد نے ایک البم اٹھاکر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

" اسے دیکھیے۔ اس میں قرطبہ کے آثار قدیمہ کی تصاویر ہیں۔"

دو چار تصاویر دیکھنے کے بعد اسد نے ایک بڑی تصویر پر نگاہیں جما دیں اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ زمرد اٹھکر صوفے کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور جھک کر تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ قصر الزہراہ کے کھنڈر ہیں ـــــ قرطبہ سے چار پانچ میل دور وادی الکبیر کے دوسرے کنارے پر مدینہ الزہرا آباد کیا تھا۔ میں نے اس قصر کے کھنڈروں کی ایک درجن سے زیادہ تصاویر اتاری ہیں۔ وہ دیکھیے نیچے دوسری تصویر۔ اس نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ قصر الزہرا کے ان شکستہ فواروں کی تصویر ہے جن سے آجتک پانی رستا ہے اور ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا ہے کہ یہ پانی کہاں سے آتا ہے۔"

اسد تصویر سے نگاہیں ہٹا کر کمرے سے باہر چمن کی طرف دیکھنے لگا۔ سورج مکھی کے بسنتی پھولوں کے گرد چند خوبصورت تتلیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر کسی خیال میں کھویا ہوا اسی طرف دیکھتا رہا۔ پھر تصویروں کو دیکھا اور صفحہ الٹ کر دوسری تصاویر دیکھنے لگا۔

زمرد نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ قرطبہ کی قدیم رصدگاہ

کی تصویر ہے اور یہ جو آپ آڑے ترچھے اور سیدھے خطوط دیکھ رہے ہیں یہ رصد گاہ کے حصے کی چار دیواریاں ہیں جہاں سے ہیت داں دوسرے سیاروں کو دیکھتے تھے۔ یہ چار دیواریاں اونچی اور نیچی ہیں ان کے نیچے پتھر کی نالیاں ہیں اور آثار سے پتہ چلتا ہے کہ ان چار دیواریوں پر ایسے آلات نصب کیے جاتے تھے جن کی مدد سے اس وقت کے ہئیت داں اجرام فلکی کا بخوبی مشاہدہ کر سکتے تھے۔"

زمرد اسد کے سامنے آکر ایک دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی اور تصویر پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ جو بظاہر کنوئیں کی جگت معلوم ہو رہی ہے یہ دراصل ایک مینار کے آثار ہیں مجھ سے وہاں کے قدیم باشندوں نے بتایا کہ اس مینار کا ایک حصہ ابھی حال ہی میں گرا ہے۔ اس مینار کی تصویر میڈرڈ کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔ اسے دیکھنے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے کے ہئیت داں اجرام فلکی کا مشاہدہ کرتے تھے۔"

اسد اس تصویر کو کچھ دیر تک دیکھتا رہا اس کے بعد دوسری تصاویر دیکھنے لگا۔

زمرد نے صفحہ الٹ کر ایک تصویر دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ قرطبہ کے ایک قدیم محل کے ایک حصہ کی تصویر ہے۔ اس محل کے صرف یہی چند ستون اور محراب باقی رہ گئے ہیں۔"

اسد کے قلب کی حرکت تیز ہو گئی۔ اس نے ٹیلی ویژن پر جو مناظر دیکھے تھے ان میں ایک عمارت کے بام و در بالکل ایسے ہی تھے۔ وہ اسی تصویر میں کھو گیا۔ زمرد کسی ضرورت سے اٹھ کر چلی گئی۔ اسد اسی انہماک کے ساتھ تصاویر دیکھتا رہا۔ زمرد واپس آکر اس کے سامنے بیٹھ گئی اور اس سے دریافت کیا

"آپ کو اپنے مطلب کی کوئی تصویر ملی ؟"

اسد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا "میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اس دور کے مسلمانوں کو دیگر سیاروں کے متعلق کچھ علم تھا یا نہیں ؟"

زمرد مسکرا دی "اسد صاحب! اس دور کے مسلمان ہم سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھے ان کی ایجادات آج بھی مغربی محققوں کے لئے معمہ بنی ہوئی ہیں"۔

زمرد کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن کوٹھی کے احاطہ میں داخل ہوتی ہوئی ایک کار نے اس کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اور اس نے اٹھتے ہوئے کہا

ایاز صاحب بھی آ گئے"

دونوں کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گئے۔

(۸)

ایاز کار سے مسکراتا ہوا اترا اور دونوں کو دیکھتے ہی کہا

"آپ لوگ کمرے سے اس طرح نکلے ہیں جیسے کہیں جانے کے لیے تیار ہیں اور صرف میرا ہی انتظار تھا"

"واقعی صرف آپ ہی کا انتظار تھا" زمرد نے جواب دیا

"کہاں کا ارادہ ہے ---- ؟" ایاز نے دونوں سے دریافت کیا۔

زمرد نے دونوں سے دریافت کیا "نئے ہوائی مستقر جاتے ہوئے یہاں سے ساتھ میل پر ایک بہت اچھا ریسٹوران جانے کیسا ہے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس وقت

ہم دوپہر کا کھانا وہیں کھائیں ــــــ؟"

ایاز فوراً بول اٹھا" پرانے ہوائی مستقر جاتے ہوئے یہاں سے چھٹے میل پر دارالتجارب ہے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس وقت ہم دوپہر کا کھانا وہیں کھائیں ــــــ؟"

اسد اور زمرد نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔

ایاز نے زمرد سے کہا" میری کار موجود ہے۔ آپ اسی پر واپس آجائیگا"

اسد بول اٹھا" میں چند تصاویر دیکھ رہا تھا"

"اسپین سے متعلق میرے پاس چار البم ہیں وہ سب لیے چلتی ہوں"

وہ جواب کا انتظار کیے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی اور البم لے آئی۔ ایاز نے کہا مجھے حضرت گنج میں ایک خیاطی کی دوکان پر اپنا ایک کوٹ دیکھنا ہے اسکے بعد ہم براہ راست دارالتجارب چلیں گے"

تینوں کار کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئے اور حضرت گنج ہوتے ہوئے پینتالیس منٹ میں دارالتجارب پہونچ گئے۔ ایاز زمرد اور اسد کے ساتھ کھانا کھاکر فوراً اپنے معمل میں چلا گیا۔ زمرد اور اسد چمن کے سامنے ایک روشن کمرے میں آکر بیٹھ گئے اور البم کی تصاویر دیکھنے لگے۔

زمرد اسد کو ہر تصویر کی تفصیل بتا رہی تھی۔ جامعہ قرطبہ کی عمارت کی تفصیل بتاتے ہوئے اس نے کہا۔

"اس مسجد کے مغربی حصے میں بھی ایک ایسا کرہ تھا جہاں سے سیاروں کی گردش کا مشاہدہ کیا جاتا تھا"

اسد نے البم اپنے سامنے میز پر رکھ دیا اور زمرد سے پوچھا۔

"آپ نے ان کی سائنسی معلومات اور تحقیق و تجسس کے متعلق بھی کسی کتاب میں تفصیل کے ساتھ کچھ پڑھا ہے؟"

"جی ہاں ــــــ" زمرد نے جواب دیا۔ "یوں تو قریب قریب ہر تاریخ میں اندلسی مسلمانوں کی سائنسی ترقی اور معلومات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے لیکن بعض جرائد میں مغربی محققین نے عجیب و غریب واقعات لکھے ہیں۔"

"مثلاً ــــــ؟"

"مثلاً ڈچ مورخ ڈاکٹر ایوگن نیلیس نے اپنے ایک مضمون انونشنس آف مورس (مورون یعنی اندلسی مسلمانوں کی ایجادات) میں لکھا ہے کہ انھوں نے طیارہ سازی کا کام بھی شروع کیا تھا اور ایک طیارہ بھی تیار کر لیا تھا لیکن کسی وجہ سے ان کی توجہ دوسری طرف مبذول ہو گئی اور وہ تجربہ نامکمل رہ گیا۔"

"آپ المیریہ بھی تشریف لے گئی ہیں ــــــ؟" اسد نے دریافت کیا۔

"جی ہاں ــــــ آپ نے شاید وہ البم نہیں دیکھا ہے۔" زمرد نے ایک البم اٹھاتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھیے اس میں المیریہ کے قدیم بندرگاہ کی تصاویر بھی ہیں۔"

اسد نے زمرد کے ہاتھ سے البم لے لیا اور دیکھنے لگا۔ زمرد نے ایک تصویر کو جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے ابو الصلت کا نام سنا ہوگا۔ وہ اپنے وقت کا مشہور ترین انجینیر اور موجد تھا۔ یہ بندرگاہ اسی نے تعمیر کرایا تھا۔"

"ابوالصلت نے تحقیق کے ایسے آلات تیار کئے تھے جنکی مدد سے وہ سمندر کی تہہ سے غرق شدہ جہاز نکال لیتا تھا ـــــ میں نے سنا ہے کہ اس نے الخیل صنوبار پر ایک راکٹ یا اسی قسم کی کوئی چیز تیار کی تھی ـــــ"

اس کا دارالتجارب البیریہ کے مضافات میں ایک مرتفع مقام پر تھا۔ اس کے آثار موجود ہیں لیکن وہاں میں نے کوئی ایسی خاص چیز نہیں دیکھی جس کی تصویر لیتی۔ ہر چیز یا تو امتداد زمانہ سے مسمار ہو چکی ہے یا مسمار کی گئی ہے، اب وہاں صرف کھنڈرات ہی ہیں ـــــ اور البیریہ کے باشندے ابتک وہاں جاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔"

"یہ کیوں ـــــ؟" اسد نے دریافت کیا۔ "اس میں ڈرنے کی کون سی بات ہے۔ کیا وہ لوگ توہم پرست ہیں۔"

"جہاں تک توہم پرستی کا سوال ہے۔ اہل غرب اہل شرق سے زیادہ توہم پرست ہیں اور جنوبی مشرقی اسپین کے باشندے ابتک پرانے قلعوں اور کھنڈرات میں جانے سے ڈرتے ہیں۔"

"آپ نے اس کی وجہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کی؟"

"آپ کوشش کو کہہ رہے ہیں۔ میں اسی لیے وہاں ایک ماہ دس دن رہی، میں نے وہاں کے کتب خانوں میں قدیم نسخے تلاش کیے اور مضافات شہر میں جا کر دیہات کی عورتوں سے وہ قصے سنے جو وہاں ان کھنڈروں کے متعلق مشہور ہیں۔"

اسد ہمہ تن متوجہ ہو گیا۔ زمرد سنبھل کر کرسی پر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔

"اس سفر میں میرے ساتھ نجف آباد کی ایک خاتون رشیدہ بھی تھیں۔ میرا اور ان کا پیرس سے ساتھ ہوا تھا۔ وہ اسپینی زبان سے واقف تھیں اور میری ہی طرح

اسپین کی سیاحت کا شوق رکھتی تھیں۔ وہ اس ان ہی کی وجہ سے مجکو اسپین میں ہر جگہ اندلسی مسلمانوں کے متعلق بہت کچھ معلوم ہو سکا۔ وہ انگریزی کی طرح اسپینی زبان میں بھی بلاتکلف بات چیت کر سکتی تھیں۔ مضافات المیریہ میں جب انھوں نے ایک بوڑھی عورت سے دریافت کیا کہ تم لوگ ان کھنڈروں کا ذکر کرتے ہوئے اسقدر کیوں ڈرتے ہو تو اس نے آنکھوں سے خوف و ہراس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ان کھنڈروں کا ذکر نہ کرو ان کھنڈروں میں مُردوں کے بھوت رہتے ہیں اور برسات کی اندھیری راتوں میں وہ ان کھنڈروں سے نکل کر بستیوں تک آجاتے ہیں۔ گذشتہ سال جب وہ ایک اندھیری رات میں ان کھنڈروں سے نکلے تو انھوں نے غریب زنائیں کا کھیت روند ڈالا۔ اس سے ایک سال قبل وہ ایک کھیت سے فریدریق نامی ایک نوجوان کاشتکار کو پکڑ کر ان کھنڈروں میں لے گئے تھے۔ ابھی اس کی زندگی کے دن پورے نہیں ہوئے تھے اس لیے وہ بھاگ نکلا لیکن پاگل ہو گیا۔"

"یہ تو وہم پرستی کی انتہا ہے"۔ اسد نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"پہلے تو میں بھی ان قصوں کو ان جاہل کاشتکاروں کا واہمہ سمجھی لیکن "

"لیکن بعد میں آپ بھی بھوتوں کے وجود کی قائل ہو گئیں"۔

زمرد مسکرائی اور اس کے دانت چمکنے لگے۔ "خیر بھوتوں وغیرہ کی تو میں قائل نہیں ہوں لیکن ہاں یہ ضرور یقین ہو گیا کہ ان کھنڈروں میں انسانوں کی نقل و حرکت ہوتی رہتی ہے"۔

"انسانوں کی نقل و حرکت۔؟" اسد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس سے آپ کا کیا مطلب ہے ـــــ وہ انسان کون ہو سکتے ہیں ـــ؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتی!" زمرد نے جواب دیا "ہو سکتا ہے کہ وہ ڈاکو ہوں اور ان کھنڈروں کو اپنا مسکن بنا لیا ہو۔"

"لیکن آپ کو انسانی نقل و حرکت کا یقین کیسے ہوا کیا آپ نے وہاں ایسے نشانات دیکھے ہیں ـــــ؟"

"جی ہاں نشانات بھی دیکھے اور قصے بھی سنے ـــ ایک روز ایک دیہاتی عورت نے بتایا کہ اس نے ان کھنڈرات سے ایک آتشیں ہالہ ایک خوفناک آواز کے ساتھ بلند ہوتے ہوئے دیکھا اس عورت کا بیان ہے کہ وہ بلند ہوتے ہوتے ایک ستارہ ہو گیا۔ ایک دوسری عورت نے بتایا کہ اس نے ایک تاریک رات میں کوئی جلتی ہوئی شے آسمان سے انھیں کھنڈروں میں گرتے ہوئے دیکھی۔ المریہ کے سرکاری ریکارڈ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ ان کھنڈروں میں متعدد بار رات کی تاریکی میں کوئی جلتی ہوئی چیز آسمان سے گرتی ہوئی دیکھی گئی ہے مقامی حکام نے اس راز کو معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی نتیجہ نہیں برآمد ہوا۔"

"مجھے تفصیل کے ساتھ ان کھنڈروں کے متعلق بتائیے۔"

"ـــ دیکھیے ـــ اسے اس طرح سمجھیے" زمرد نے ایک کاغذ پر قلم سے نقشہ بناتے ہوئے کہا۔ شہر سے جنوب مغرب میں ایک پہاڑی ہے اس پہاڑی کے دامن میں ایک بلند چٹان ہے۔ اسی چٹان سے کھنڈروں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور پہاڑی تک چلا جاتا ہے۔ پہاڑی میں جا بجا بہت بڑے غار ہیں ممکن ہے یہ غار قدیم سرنگوں کے دہانے ہوں بہرحال اب ان میں درندے رہتے ہیں غاروں

کے سامنے نشیب کے رخ پر ایک بلند چٹان پر ایک ڈھلوان چبوترہ ہے۔ اس چبوترہ کا فرش بہت چکنا ہے۔ وہ غالباً کسی دھات اور پتھر سے بنایا گیا ہے۔ اسمیں گہری نالیاں ہیں۔ اسی چبوترے کے نیچے ایک بہت بڑا غار ہے۔ یہ کسی زمانے میں سرنگ یا تہہ خانہ کا راستہ ہوگا۔ ان کھنڈروں میں یہی ایک ایسی چیز ہے جو آج تک شکستہ حالت میں موجود ہے ورنہ اب وہاں پتھروں کے اونچے نیچے ڈھیروں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اسی ڈھلوان چبوترے کی سطح پر میں نے کچھ ایسے نشانات دیکھے تھے جو صرف بھڑکتے ہوئے شعلوں یا جلتی ہوئی گیس کی لپٹ ہی سے پیدا ہو سکتے ہیں۔"

اسد بہت دیر تک زمرد سے انہیں آثار قدیمہ کے متعلق سوالات کرتا رہا۔

ساڑھے تین بجے ایاز آیا۔ اسد نے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

"مس زمرد نے اسوقت جو کچھ بتایا ہے وہ بھی کم حیرت انگیز نہیں ہے۔"

"کہاں کے متعلق ——؟"

"اندلس کے متعلق انہوں نے چند خاص باتیں بتائی ہیں خصوصاً ابوالصلت کے دارالتجارب اور رصد گاہ کے متعلق تو انہوں نے جو کچھ بھی بتایا ہے وہ طلسم ہوشربا سے کم حیثیت نہیں رکھتا ہے ——"

"میں نے وہاں جو کچھ سنا وہ آپ سے بتا دیا ——" زمرد فوراً بول اٹھی۔

اسد اس کا مطلب سمجھ گیا اور کہنے لگا۔

"طلسم ہوشربا سے میرا یہ مطلب نہ تھا کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ واقعی ناقابل اعتبار ہے۔ دراصل قصہ یہ ہے کہ میں نے ایسے ہی چند مناظر ٹیلی ویژن پر بھی دیکھے

ہیں وہ بھی ہمارے لیے معمہ بنے ہوئے ہیں۔ اور اب یہ معمہ اسی طرح حل ہو سکتا ہے کہ ان کے سلسلہ کو ملایا جائے۔ لکھنؤ آنے کے بعد سے ابتک گزشتہ دو تین روز میں میں نے جو معلومات فراہم کی ہیں ان سے اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ مجکو ایک بار اسپین جاکر ان آثار قدیمہ کو دیکھنا چاہیئے۔ میں ابو الصلت کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنا چاہتا ہوں ـــــ"

"آپ کی مہم سے اس کا کیا تعلق ہے؟" زمرد نے سوال کیا۔

"یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔"

ایاز بول اٹھا "ـــــ میرے خیال میں تو بتانے کی ضرورت ہی نہ پیش آئیگی" جائے پی کر ہم ٹیلی ویژن کے کمرے میں چلیں گے۔ مس زمرد خود ہی ان مناظر کو دیکھ لیں گی۔"

"مجھے صرف زمرد کہا کیجئے ـــــ"

"بہت بہتر ہے۔" اسد ہنس دیا۔

زمرد نے کہا "آپ لوگ کن مناظر کا تذکرہ کر رہے ہیں۔"

اسد نے کہا "ان مناظر کا تذکرہ جو المریہ کے دیہاتیوں کے قصوں سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہیں ـــــ"

"میں نے تو آپ کو صرف چند قصے سنائے ہیں۔"

"باقی قصے ان مناظر کو دیکھنے کے بعد سنایئے گا۔ آیئے چلکر چائے پی لیں۔"

زمرد، اسد اور ایاز نے ایک کمرے میں جاکر چائے پی اور کچھ دیر بعد ٹیلی ویژن کے کمرے میں پہونچ گئے۔ ایاز نے ایک نئے والو پر تجربہ کرنے کے لیے سنہری گچھ

اور ملا کو بھی بلا لیا اور کمرے کے دریچے بند کر کے برقی قمقمہ روشن کر دیا گیا۔

لیاز اور منوہر سنگھ نے ٹیلی ویژن کی برقی قوت بڑھانے کے لیے اس میں چند تار لگائے اور کمرے کی روشنی گل کر کے سب پردے کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اسد نے یکے بعد دیگر ٹیلی ویژن کے چند لٹو گھمائے اور کچھ دیر بعد جھیل کا منظر سامنے آ گیا۔

کشتیاں بالکل قریب آ چکی تھیں، ایک لڑکی رقص کر رہی تھی۔ زمرد اسد کے پاس بیٹھی ہوئی بہت غور سے پردے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسد نے جھک کر آہستہ سے کہا۔

"اب یہ منظر ایک دوسرے منظر میں مدغم ہونے والا ہے۔"

لڑکی نے رقص کی حالت میں انگڑائی لی اور اپنے رنگین لباس کے باعث دور سے بالکل قوس قزح معلوم ہونے لگی۔

زمرد نے پردہ کی طرف نگاہیں جمائے ہوئے جھک کر اسد سے کچھ کہنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ منظر ایک بڑے قوس قزح میں تبدیل ہو گیا اور انھیں رنگوں [illegible] لڑکی موسم بہار کی دیوی کی طرح انگڑائی لیتی ہوئی نکلی۔

زمرد اس منظر میں کھوئی ہوئی تھی۔ اسد نے نشرگاہ کے منظر کو بہت توجہ کے ساتھ دیکھا۔ آج وہ لڑکی فیروزی رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ کچھ دیر بعد جب اسد نے ٹیلی ویژن کا سوئچ گھمایا اور اسی کے ساتھ کمرے کا برقی قمقمہ روشن ہو گیا تو اسد نے زمرد کی طرف دیکھا۔ اس نے بھی کھوئی ہوئی نگاہوں سے اسد کی طرف دیکھا اور غیر ارادی طور پر دریچے تک چلی گئی۔ اسد نے بڑھ کر دریچے کا

پردہ کھینچکر اسے کھول دیا اور اس سے پوچھا
"کیا گرمی معلوم ہو رہی ہے ——؟"
"نہیں —— " اس نے اسی کھوئے ہوئے انداز میں جواب دیا اور سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ منوہر سنگھ، مینو اور ارملا ایاز کے ساتھ ٹیلی ویژن پہ جھکے ہوئے کچھ دیکھ رہے تھے۔ اسد نے زمرد کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا اور اس کی کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے اس سے کہا۔
"آپ بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی ہیں —— آئیے میں آپ کو باہر صاف و تازہ ہوا میں لے چلوں ——"
زمرد کھڑی ہو گئی۔ اسد نے آہستہ سے اس کی پشت پہ ہاتھ رکھ کر اسے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔
"چلیے ——"
دونوں متعدد کمروں سے گزرتے ہوئے عمارت کے باہر سبزے پر پہونچ گئے۔ اسد نے ایک ملازم کو آواز دے کر دو کرسیاں منگوائیں اسد نے زمرد کو کرسی پر بٹھاتے ہوئے اس سے دریافت کیا۔
"اب آپ کا مزاج کیسا ہے؟"
"میں بالکل ٹھیک ہوں" زمرد نے مسکرا کر جواب دیا۔ "خدا معلوم اس وقت کیا ہو گیا تھا"
"کیا اس سے قبل بھی آپ ——"
اسد کا جملہ ختم ہونے سے قبل زمرد بول اٹھی "جی نہیں۔ آج تک کبھی ایسا اتفاق

نہیں ہوا۔"

اسد دوسری کرسی پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"ایک روز ان مناظر کو دیکھ کر میری بھی ایسی ہی حالت ہو گئی تھی۔"

زمرد نے گلاب کے تختوں پر نگاہیں جمادیں اور کچھ سوچنے لگی

اسد نے کہا۔"آپ کسی خیال سے پریشان ہو گئی ہیں۔"

زمرد نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرادی۔

اسد نے پوچھا۔"آخر کیا بات ہے ___؟"

"آپ میری اس پریشانی کو بھی توہم پرستی پر محمول کریں گے۔"

"یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ کم از کم کچھ بتائیے تو ___"

"جو مناظر میں نے اس وقت دیکھے ہیں ان کا طرزِ تعمیر بالکل اندلسی ہے۔ اگر اندلسی مسلمانوں کی تعمیر کی ہوئی عمارتیں آج اچھی حالت میں ہوتیں تو میں ان مناظر کو دیکھتے ہی کہہ دیتی کہ قرطبہ، غرناطہ، المیریہ، طلیطلہ اور مالقہ کے مناظر ہیں ___"

"مولانا عبدالسلام صاحب اور ڈاکٹر منوہر سنگھ کا بھی یہی خیال ہے۔ دونوں اسپین کی سیاحت کیے ہوئے ہیں ___"

"ان مناظر میں ہم نے انسانوں کو جو لباس پہنے ہوئے دیکھا ہے اس میں بھی کسی حد تک اندلسی مسلمانوں کے ملبوسات کی جھلک ہے۔ اگر اندلس کے مسلمان اپنی عیش پسندی اور آپس کی خانہ جنگی کا شکار نہ ہو گئے ہوتے تو آج ان کا معیارِ زندگی تقریباً یہی ہوتا۔"

"ڈاکٹر منوہر سنگھ نے بھی یہی کہا ہے، آپ ان ہی کے الفاظ دہرا رہی ہیں۔"

" لیکن آپ یقین کریں کہ مجھے مولانا عبدالسلام صاحب اور ڈاکٹر منوہر سنگھ کے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم ہے اور نہ میں ان حضرات سے واقف ہوں۔"

" یقیناً آپ ان ہر دو حضرات سے ناواقف ہیں اور ان ہی چند غیر مربوط واقعات نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔"

" اسد صاحب !" زمرد نے سنبھل کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔" میں آپ کو یقین واثق ہوں کہ ان مناظر کی عمارتیں اندلسی مسلمانوں کے فن تعمیر کا نمونہ ہیں اور ــــــ اور میں کیا عرض کروں. میں جس قدر غور کر رہی ہوں اسی قدر میرا دماغ ماؤف ہوا جا رہا ہے. مجھے ایک گلاس ٹھنڈا پانی منگوا دیجیے۔"

" میرے خیال میں شکنجبین زیادہ مفید ثابت ہوگا۔"

" جو مناسب سمجھیے. منگا لیجیے. میرے حلق میں کانٹے پڑے جا رہے ہیں۔"

اسد تیزی کے ساتھ برآمدہ میں گیا اور چند منٹ بعد خود ہی ایک گلاس شکنجبین لیے آگیا. زمرد نے اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے کہا.

" آپ کو بہت زحمت ہوئی ــــــ "

ایاز اور منوہر سنگھ برآمدے میں نظر آئے اور اسد اور زمرد کو سبزے پر دیکھ کر انکے پاس آگئے. زمرد ایاز کو دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی. ایاز نے اسے کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا

" غالباً آپ بھی انھیں مناظر سے متاثر ہو گئی تھیں۔"

اسد بول اٹھا۔" انھوں نے بھی منوہر سنگھ کے خیال کی تائید کی ہے۔"

" اسد صاحب !" منوہر سنگھ نے پرجوش لہجہ میں کہا۔" میں کامل یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ یہ سب قدیم اندلسی تہذیب و تمدن کا پرتو ہے. اندلسی مسلمانوں نے

سائنس میں حیرت انگیز ترقی کی تھی۔ اس دور کے سائنسدانوں نے آباد سیاروں کا پتہ چلا لیا اور جب اندلس میں اپنے لیے حالات ناسازگار دیکھے کسی دوسرے ملک کے بجائے کسی دوسری دنیا میں چلے گئے۔"

زمرد کھڑی ہوئی اور منوہر سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے ابو الصلت کے متعلق بہت کچھ پڑھا ہوگا ____۔"

"جی نہیں ____" منوہر سنگھ نے کہا۔ "یہ میری بدقسمتی تھی کہ میں نے تاریخ کی طرف توجہ نہ دی لیکن سپین کے عجائب خانوں میں بعض ایسی چیزیں دیکھی ہیں جو اس سے منسوب کی جاتی ہیں۔"

زمرد نے کہا۔ "دو چار قدیم نسخوں میں ابو الصلت کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اور اس کے چند شاگرد یکایک غائب ہو گئے اور پھر کبھی کسی ملک میں نہیں دیکھے گئے۔ خلیفہ وقت نے ان کو ہر ملک میں تلاش کرایا لیکن ان کا کوئی پتہ نہیں چلا ____۔"

ریاز بول اٹھا۔ "مولانا عبدالسلام صاحب کا بھی یہی خیال ہے کہ وہ اپنے شاگردوں اور لواحقین کو لے کر کسی دوسرے سیارے میں چلا گیا۔"

اسد نے کہا۔ "آیئے چل کر ڈرائنگ روم میں بیٹھیں۔"

"مجھے اب اجازت دیجئے۔" زمرد نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے سیڈرڈ کے عجائب خانے میں ایک قلمی نسخہ کے کچھ حصے نقل کیے تھے۔ وہ نسخہ عربی میں تھا اور رشیدہ نے انگریزی میں اس کا ترجمہ کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس میں بھی ابو الصلت کا تذکرہ ہے۔ میں آج اسے تلاش کر کے پڑھوں گی۔"

"وہ گم تو نہ ہو گیا ہوگا؟" اسد نے دریافت کیا۔

"جی نہیں ــــ" زمرد نے جواب دیا "میں ایسی چیزوں کو حرزِ جان بنا کر رکھتی ہوں، وہ میری آہنی الماری میں محفوظ ہے۔"

"آپ اسے آج ہی تلاش کرلیں" اسد نے زمرد سے ملتجانہ لہجہ میں کہا اور ایاز کی طرف مخاطب ہو گیا "ایاز! میرے خیال میں کل ہم کو ایک بار پھر آپس میں تبادلۂ خیالات کرنا چاہیئے۔ تم مولانا عبدالسلام کو اسی وقت مطلع کر دو۔ گیارہ بجے تک زمرد بھی آجائیں گی۔"

"میں دس بجے یہاں پہونچ جاؤں گی ــــ"

اسد نے کہا "میں کل ہی یہاں سے چلا جانا چاہتا ہوں ــــ اور اگر ضرورت سمجھوں گا تو مولانا عبدالسلام صاحب، زمرد، منوہر سنگھ اور ارملا کو بھی اپنے ساتھ لیتا جاؤں گا۔"

ایاز نے کہا "مجھے اس وقت حضرت گنج میں اسی خیاط کی دوکان پر ایک صاحب سے ملنا ہے اس لیے یہ بہتر ہوگا کہ واپسی پر مولانا سے ملاقات کرتے آئیں۔"

"مجھے حضرت گنج میں اُتار دیجیے گا وہاں سے میں اپنی کوٹھی پر چلی جاؤں گی۔"

ایاز نے شوفر کو کار نکالنے کا حکم دیا اور سب باتیں کرتے ہوئے پورٹیکو میں آگئے۔

(۹)

اسد نے دوسرے روز مولانا عبدالسلام، زمرد، منوہر سنگھ اور ایاز سے تبادلۂ خیال کیا اسی روز منی تال چلا گیا، منوہر سنگھ، زمرد، ارطا اور مولانا عبدالسلام تیسرے روز لکھنؤ سے روانہ ہوئے اسد نینی تال میں بس اسٹینڈ پر ان کا منتظر تھا اس نے سب کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اپنی رصدگاہ لے گیا۔

اسد کی رصدگاہ کی دو منزلہ عمارت کے چاروں طرف پتھر کی چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں حد بندی کی صورت میں بنی ہوئی تھیں۔ انھیں کوٹھریوں میں ایک مختصر کارخانہ اور برقی قوت پیدا کرنے والے چار چھوٹے پلانٹ لگے ہوئے تھے عمارت سے قدرے بلندی پر ایک ڈھلوان چٹان تھی، اسی چٹان پر بڑے بڑے فولادی شہتیر بچھا کر انپر اس عفریت پیکر ہوائی کا ڈھانچہ تیار کیا گیا تھا جسے اسد کرۂ ارض سے فضائے بسیط میں لیجانے والا تھا،

ہوائی کے ڈھانچے پر المونیم اور جست کی چادریں چڑھائی جا چکی تھیں۔ ہوائی کی شکل بالکل سگار کی طرح تھی۔ جس چٹان پر ہوائی تیار کی جا رہی تھی وہاں سے ہمالیہ کی بلند ترین برف پوش چوٹیاں بالکل صاف نظر آتی تھیں۔ گرد و پیش کے مناظر زمرد، ارطا اور منوہر سنگھ کو بہت پسند آئے۔ مولانا عبدالسلام اور ان کے ساتھی تین بجے دن کو رصدگاہ پہونچ گئے لیکن وہ جگہ نینی تال سے زیادہ سرد تھی اس لیے سب دوسرے روز گیارہ بجے دن کو ہوائی دیکھنے گئے۔

زمرد نے ہوائی کا چبوترہ اور آہنی شہتیروں کو دیکھتے ہی اسد سے کہا۔
"میں نے ابو الصلت کی رصد گاہ میں جو چبوترہ دیکھا ہے وہ تقریباً ایسا ہی ہے۔"

مولانا عبدالسلام نے اپنے اُونی لبادے کے پھڑپھڑاتے ہوئے دامن کو ہاتھوں سے دباتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ ابو الصلت نے ہوائی تیار کر لی تھی اور وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ اسی پر بیٹھ کر کسی دوسرے سیارے میں چلا گیا۔"

اسد نے اپنے چہرے سے مفلر ہٹاتے ہوئے کہا۔ "اب تو مجھ کو یقین ہوتا جا رہا ہے کہ ہوائی اس صدی کی ایجاد نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ابو الصلت نے ایندھن کے بجائے کسی دوسری طاقت سے کام لیا ہو یعنی کرہ ارض کی کشش کو زائل کرنے والی کوئی طاقت دریافت کر لی ہو۔"

سب آپس میں باتیں کرتے ہوئے راکٹ کے پاس پہونچ گئے۔ راکٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ماہرین فن اندر اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ پندرہ بیس پہاڑی مزدور ایک بڑی آہنی چادر اپنے سروں پر رکھے ہوئے اندر لیے جا رہے تھے، راستہ صاف ہوتے ہی اسد سب کو لیے ہوئے ہوائی کے اندر پہونچا ہوائی کے اگلے حصے میں صوفے کی قسم کی کرسیاں فرش کی چادروں میں جڑی جا رہی تھیں۔

اسد سب کو لیے ہوئے اس جگہ پہونچا جہاں المونیم کی ایک چوکور میز پر چند گھڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ میز کے اوپر کا کچھ حصہ ہوائی کے اگلے گوشے تک کھلا ہوا

تھا اور اس پر ایک دبیز شیشہ لگا ہوا تھا۔ میز کے قریب چار کرسیاں لگائی گئی تھیں
اسد نے میز کے پاس پہونچکر کہا۔

"یہی اس کا انجن روم یہی کل مشینری ہے۔ اس راکٹ کو فضائے بسیط میں
لیجانے والے یہاں بیٹھیں گے۔ اور یہ ان کے مشاہدہ کا روزن ہے"! اس نے
شیشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "اس ہوائی میں کوئی خاص مشین یا انجن نہیں
ہے یہ بالکل اسی طرح پرواز کرے گی جس طرح تمام ہوائیاں اُڑائی جاتی ہیں۔ فرق
صرف اس قدر ہوگا کہ ان میں ایک محدود مقدار میں ایندھن ہوتا ہے اور اس
ہوائی میں اسقدر گنجائش رکھی گئی ہے کہ ہم مریخ اور زہرہ کی سطح تک پہونچکر دوبارہ
واپس آسکتے ہیں"!

زمرد نے حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا۔

"میرے لیئے تو یہ سب طلسم ہے ——"

"ہر وہ چیز جو سمجھ میں نہ آئے طلسم ہے" مولانا نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے
ہوئے کہا "بہر حال جب آپ ان چیزوں کو سمجھ لیں گی تو یہ طلسم آپ کے لیئے
طلسم نہ رہے گا۔ خدا نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اسے اپنا خلیفہ بنا کر
زمین پر بھیجا ہے"!

ان کا جملہ ختم ہوتے ہی اسد نے کہا۔

"آیئے اب آپ لوگوں کو وہ کیبن دکھاؤں جو اس راکٹ میں سفر کرنے
والوں کے لیئے بنائے جا رہے ہیں"۔

سب اس حصہ سے نکل کر دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ایک

گزرگاہ میں پہونچ گئے۔ اس گذرگاہ کے دونوں طرف اسفنج سے شاید کسی ایسی چیز کی دیواریں تھیں جو اسفنج ہی کی طرح دبانے سے دب جاتا تھا۔ دیواروں میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کسی چمکدار دھات کے دستے لگے ہوئے تھے۔ اسد نے ایک دستے کو پکڑ کر آہستہ سے گھمایا اور دروازہ کھل گیا۔

"یہ ہیں وہ کیبن جن میں اس کا عملہ آرام کرے گا!" اسد نے کیبن کے اندر قدم رکھتے ہوئے کہا۔

"کیبن تو بہت آرام دہ بنائے ہیں!" منوہر سنگھ نے ہر طرف نظر ڈالتے ہوئے کہا

اسد نے بڑھکر ایک بٹن دبایا اور دیوار میں ایک روزن کھل گیا۔

"بہت خوب ———" ارملا بے ساختہ کہہ رہی تھی! بالکل جہاز کا کیبن معلوم ہوتا ہے!

"ہر کیبن میں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے، یہ دیکھئے یہ لکھنے کی میز ہے اس نے ایک دستہ کھینچا اور ایک میز سامنے آگئی اور یہ کتابوں کی الماری ہے" اسد نے ہر چیز دکھاتے ہوئے کہا۔ "ہر کیبن میں برقی روشنی ہوگی اگلی کیبن بالکل ہے" سب کیبن سے باہر آگئے۔ اسد نے اپنے مہمانوں کو اینٹینا اور آکسیجن کی ٹنکیاں دکھائیں اور سب ہوائی سے باہر آگئے۔ شام کو رصدگاہ کے ایک کمرے میں اسد نے مہمانوں کو اپنے رفقائے کار سے تعارف کرایا اور کھانے کے وقت تک سب اسی کمرے میں بیٹھے رہے۔ کھانے کے بعد اسد سب کو رصدگاہ کی دوسری منزل پر اس کمرے میں لے گیا جہاں سے وہ اور اس کی رصدگاہ میں کام کرنے والے

ماہرین فلکیات اجرام فلکی کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے۔

اس کمرے کے وسط میں ایک بہت بڑی دوربین نصب تھی۔ اس کی لمبائی اٹھارہ فیٹ تھی چھت کے ایک حصہ کو کاٹ کر طیارہ شکن توپ کی طرح اس کا رُخ آسمان کی طرف کر دیا گیا تھا۔ اس دوربین کے چاروں طرف چھوٹے اور بڑے متعدد پہیے لگے ہوئے تھے جن کی مدد سے اسے آگے اور پیچھے لے جایا جا سکتا تھا اسکا زاویہ تبدیل کرنے کے لیے بھی اس میں متعدد دانتے دار پہیے تھے، سب نے اس دوربین سے اجرام فلکی کا مشاہدہ کیا اور کافی پی کر اپنی اپنی خواب گاہ میں چلے گئے۔

لکھنؤ سے آنے والوں کے لیے اس جگہ بہت زیادہ سردی تھی لیکن اس کے باوجود زمرد سات بجے اپنا گرم کوٹ پہنکر کمرے سے باہر نکلی اور زینہ سے اترتی ہوئی اس کمرے کے سامنے پہونچ گئی جسے اسد اپنے دفتر کی حیثیت سے استعمال کرتا تھا زمرد کا خیال تھا کہ اسد ابھی تک اپنی خوابگاہ میں ہوگا لیکن جب وہ نیچے پہونچی تو اسنے اسد کو پچھاٹک سے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ سمور کی ٹوپی اور مفلر سے اپنا سر اور چہرہ چھپائے ہوئے تھا اور موٹا اسٹر پہنے ہوئے تھا۔ زمرد نے اس کی چال سے اس کو پہچان لیا اور اپنے دستانے کا بٹن لگاتے ہوئے اس طرف بڑھی۔

"اوہ زمرد! ـــــ" اسد نے منھ کے سامنے سے مفلر ہٹاتے ہوئے کہا۔ "آپ بہت صبح بیدار ہو گئیں"

"میں عموماً ساڑھے پانچ یا چھ بجے تک بیدار ہو جاتی ہوں"

"یہاں سردی تو یقیناً زیادہ معلوم ہوتی ہوگی"

"ـــــ جی ہاں ـــــ لیکن فرحت بخش ہے۔ آپ اس قدر صبح

کہاں تشریف لے گئے تھے ــــــ ؟"

" میں روزانہ کچھ دُور تک سیر کرنے جاتا ہوں ۔ آئیے ناشتہ کا وقت ہو چکا ہے"

دونوں چند ہی قدم چلے تھے کہ مولانا عبدالسلام نظر آئے وہ ایک بھاری کوٹ پہنے اور سمور کی استراخانی ٹوپی لگائے ہوئے اسی طرف آرہے تھے انھوں نے اسد اور زمرد کو دیکھتے ہی قرأت کے ساتھ "السلام علیکم" کیا اور جہاں پر تھے اسی جگہ ٹھہر گئے۔

" مولانا صاحب! سردی زیادہ تو نہیں ہے"۔ زمرد نے ہنس کر دریافت کیا۔

"میری عمر کے آدمیوں کے لیے تو یقیناً زیادہ ہے لیکن ایسی بھی نہیں کہ تکلیف دہ ثابت ہو ــــ"

تینوں باتیں کرتے ہوئے اسد کے کمرے میں پہونچ گئے۔ ایک ملازم نے دروازہ بند کرکے دو ہیٹر روشن کر دیے اور چند منٹ میں کمرہ گرم ہو گیا۔ اسد نے زمرد اور مولانا عبدالسلام سے دریافت کیا۔

" آپ حضرات کے کمروں کے ہیٹر ٹھیک کام دے رہے ہیں"۔

" جی ہاں ــــــ میں صبح وضو کرتے وقت اسی پہلو پر غور کر رہا تھا کہ اگر کمرے میں برقی ہیٹر نہ ہوتا تو رات کس طرح گزرتی اور صبح میں وضو کیسے کرتا"۔

" سب صوفوں پر بیٹھ گئے۔ زمرد نے اسد سے دریافت کیا۔

" جب ہوائی فضائے بسیط میں پرواز کرے گی تو اس کے اندر کا درجہ حرارت کیا ہو گا ــــــ"

" تقریباً یہی ہو گا جو اس وقت اس کمرے کا ہے"۔

مولانا عبدالسلام نے اپنا موٹا اسٹر اتار دیا۔ اسد نے بھی اپنا مفلر ٹوپی اور کوٹ اتار کر ملازم کے سپرد کر دیا۔ زمرد نے ہاتھوں سے دستانے اتارتے ہوئے کہا۔

"اسد صاحب! میری دلی تمنا ہے کہ میں اس مہم میں آپ کے ساتھ چلوں"

"جس وقت یہ ہوائی سطح زمین سے پرواز کرے گی اس کے اندر بیٹھنے والوں کا اسی وقت سے اس دنیا اور اس میں بسنے والوں سے سلسلہ منقطع ہو جائیگا اور اس کے بعد خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم دوبارہ سطح زمین پر واپس بھی آجا سکیں گے یا نہیں "

"خدا کے لیے ایسی باتیں منہ سے نہ نکالیے ــــ" زمرد بےچین ہو کر بول اٹھی

"خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں" مولانا عبدالسلام نے اپنی پیشانی سے ٹوپی ہٹاتے ہوئے کہا،

اسد نے ملازم کو آواز دیکر کہا۔

"دیکھو مس ارملا، ڈاکٹر منوہر سنگھ بیدار ہو چکے ہیں یا نہیں۔ اگر اٹھ چکے ہوں تو میرا سلام کہہ دو ــــ"

ملازم کے جانے کے چند منٹ بعد ہی ارملا اور منوہر سنگھ آ گئے۔ سب نے اسی کمرے میں ناشتہ کیا اور باتیں کرنے لگے۔ اسد نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ہم سب اسی ہفتہ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ پہلے ہم دمشق چلیں گے اس کے بعد طنجہ اور وہاں سے میڈرڈ جائیں گے۔ زمرد نے میڈرڈ کے عجائب خانہ میں متعدد ایسے قلمی نسخے دیکھے ہیں"

منوہر سنگھ بول اٹھا "ہاں ــــ میں نے بھی وہاں چند عربی نسخے دیکھے تھے

لیکن مجھے وقت نہ مل سکا۔"

"بہرحال اس سفر میں ہم ہر اس نسخہ کا مطالعہ کریں گے اور ہر وہ آثار اور کھنڈر دیکھیں گے جس کا اندلسی مسلمانوں سے تعلق ہوگا —— اندلس کے بعد ہم سرا جے وو بھی جائیں گے ——۔

اسد نے مولانا عبدالسلام کی طرف دیکھا وہ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ ارملا نے اسد کو اپنی طرف مخاطب کرلیا۔

"اسد صاحب! کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ اس سفر سے قبل میں ایک روز کیلئے پٹنہ ہو آؤں —— پٹنہ سے بارہ میل دور دریائے گنگا کے کنارے ایک قدیم بستی ہے غالباً اس بستی کا نام گلمہ پور ہے۔ اس بستی میں برہمنوں کا ایک خاندان آباد ہے۔ ان کے پاس سنسکرت زبان میں چند قدیم نسخے ہیں، یہ نسخے تانبے کے پتروں پر کندہ ہیں۔ مجھے میری ایک سہیلی نے بتایا ہے کہ ان میں بھی چند آباد سیاروں کا تذکرہ ہے شاید ہمکو اس سے کچھ مدد مل سکے۔"

اسد کے بجائے مولانا عبدالسلام بول اُٹھے: "یقیناً مدد ملے گی۔ قدیم ہندوستان میں علم نجوم کو بہت فروغ حاصل ہوا تھا۔ عربوں نے یہ علم برہمنوں ہی سے حاصل کیا تھا۔"

اسد نے ارملا سے کہا: "اگر آپ ان پتروں کی عبارت کی نقل حاصل کرسکتی ہیں تو ضرور جائیے۔ آج ۱۱ مارچ ہے ہم سب ۱۸ مارچ تک لکھنؤ پہونچ جائیں گے۔ اسی روز ہم کو پاسپورٹ مل جائے گا اور ۲۰ مارچ تک ہم دہلی پہونچ جائیں گے وہاں ہمارے ویزال جائیں گے —— آپ ۱۶ یا ۱۷ تک لکھنؤ

واپس آجائیں!"

ایک گھنٹہ بعد ارملا نینی تال کے لیے روانہ ہو گئی۔ دوپہر سے قبل اسد نے مولانا عبدالسلام، زمرد، منوہرا اور اپنے ایک نائب ڈاکٹر جمیل سے تبادلۂ خیالات کیا، بہت دیر تک اُڑن طشتریوں کے متعلق بات چیت ہوتی رہی۔

مولانا عبدالسلام نے کہا: "میں نے خرطوم میں مغرب کے وقت ایک چیز دیکھی تھی اس کی شکل سگار کی طرح تھی اور وہ بہت بلندی پر پرواز کر رہی تھی اور اپنے پیچھے ایک بہت لمبی آتشیں لکیر چھوڑتی ہوئی جا رہی تھی۔ وہ مغرب کی سمت جا رہی تھی۔"

"یہ ایک عجیب بات ہے کہ یہ اُڑن طشتریاں عموماً غروب آفتاب کے وقت ہی نظر آتی ہیں۔" زمرد نے کہنا شروع کیا: "لیکن المیریہ کے دیہاتیوں نے رات کو ایسی ہی اُڑن طشتریاں ابوالصلت کی رصدگاہ کے کھنڈروں میں اُترتے ہوئے دیکھی ہیں۔"

"وہ غریب کیا جانیں کہ اُڑن طشتری کیا بلا ہوتی ہے۔ وہ تو اسے بھوتوں کا شعبدہ سمجھتے ہیں ـــــ لیکن انھوں نے جو کچھ بھی بتایا اس سے میں اسی نتیجہ پر پہونچی کہ وہ اُڑن طشتریاں ہیں۔"

"خیر اس سلسلہ میں ہم کو زیادہ سر کھپانے کی ضرورت نہیں۔" اسد نے فیصلہ کن انداز میں کہا: "ہم المیریہ پہونچکر اس گتھی کو سلجھائیں گے۔"

مولانا عبدالسلام نے اسد سے دریافت کیا۔

"کیا آپ اس ہوائی کے تیار ہو جانے کے بعد تجرباتی پرواز بھی کریں گے؟"

"جی نہیں ـــــ" اسد نے جواب دیا: "میں گذشتہ دسمبر میں ایک ایسا ہی تجربہ

کر چکا ہوں۔

یعنی اسی ہوائی پر ــــ؟" مولانا عبدالسلام نے متعجبانہ لہجہ میں پوچھا" یہ تو ابھی تیار بھی نہیں ہوئی ہے!"

"یہ راکٹ دو سو پچپن فیٹ لمبا اور وسط میں زیادہ سے زیادہ ۱۵ فیٹ چوڑا ہے۔ میں نے اس سے قبل ایک بہت چھوٹا راکٹ بنایا تھا یہ اس سے پچاس گنا زیادہ ہے۔ میں نے اسے دسمبر میں اڑایا اور ریڈر کی لہروں سے اس کی رفتار اور پرواز کا اندازہ لگایا۔ اسی تجربہ سے مجھے یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ اس راکٹ میں مجھے کس قدر ایندھن لے جانا چاہیئے۔ اس راکٹ کی رفتار روشنی کی رفتار کا آٹھواں حصہ تھی یعنی روشنی جو فاصلہ ایک سکنڈ میں طے کرتی ہے وہ اسی فاصلہ کو آٹھ سکنڈ میں طے کرتی تھی۔ ریڈر کی لہریں آٹھ شبانہ روز تک اس سے مسلسل ٹکراتی رہیں اور وہ فضائے بسیط میں پرواز کرتی رہی۔ اس کے بعد اس کی رفتار بتدریج کم ہونے لگی اور دو گھنٹے بعد وہ کسی سیارے کی سطح پر پہونچکر ساکن ہو گئی اور ــــــ"

زمرد بول اٹھی "آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ کسی سیارے تک پہونچ گئی!"

"ریڈر کی لہروں سے ــــ" اسد نے جواب دیا" وہ سیارہ کرہ ارض سے تقریباً دو ارب میل دور ہے ــــ کم از کم میں ریڈر کی لہروں کی مدد سے یہی اندازہ لگا سکا ہوں ــــ"

جمیل نے کہا" ہمارے راکٹ کی پرواز سے قبل انڈومیشن راکٹ فضا میں پہونچ چکا ہوگا۔ اس کے تجربات سے ہم کو بہت مدد ملے گی"

ملازم کو دیکھتے ہی اسد نے کہا" کھانے کا وقت ہو چکا ہے۔ آیئے ہم سب اسی کمرے میں چلیں"

کھانے کے کمرے میں مولانا عبدالسلام نے منوہر سنگھ سے کہا۔

"کیوں ڈاکٹر صاحب اس قدیم سنسکرت نسخے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جس کے لیے کماری ارملا کہتی ہیں۔"

منوہر سنگھ نے کہا: اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قدیم ہندوستان میں علم نجوم کو بہت فروغ حاصل ہوا تھا اس دور کے ماہرین نے سیاروں کی گردش اور ان کے خواص کی کافی چھان بین کی تھی لیکن شاید انھوں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان سیاروں میں ہماری دنیا کی طرح زندگی کا وجود بھی ہو سکتا ہے

زمرد نے کہا، "قدیم صحیفوں میں جا بجا ایسے واقعات کا تذکرہ ہے کہ دوسری دنیاؤں سے دیوتا اس دنیا کے انسانوں کی مدد کے لیے آتے رہے ہیں۔"

دوپہر کا کھانا کھا کر اسد اپنے کمرے میں چلا گیا۔ سہ پہر کو مولانا عبدالسلام، زمرد اور منوہر سنگھ، ڈاکٹر جمیل کے ساتھ ایک چھوٹے آبشار تک گئے اور غروب آفتاب سے قبل واپس آ گئے۔ رات کے کھانے کے بعد اسد اس کمرے میں گیا جہاں دوربین نصب تھی۔ جمیل اور رصدگاہ کے چند دیگر افراد کے علاوہ اس کے ساتھ زمرد اور منوہر سنگھ بھی تھے۔ وہ نصف شب تک دوربین سے ایک سیارہ کو دیکھتے رہے۔ جمیل اور اسد نے اسی دوران میں متعدد بار ریڈار استعمال کیا اور اس کے نتائج قلمبند کر لیے۔

اسد کا راکٹ اس کے ایک نائب ڈاکٹر ایرج کی نگرانی میں تیار ہو رہا تھا۔ اسد نے ۲۰ مارچ کو ڈاکٹر ایرج کو اپنے کمرے میں بلا کر چند ضروری باتیں سمجھائیں اور رات کو بارہ بجے تک اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا اجرام فلکی کے ایک نقشہ کو دیکھتا رہا

دوسرے سلسلہ کو تفصیل کو دیکھ گا۔ یہ اگر ان بنارس مولانا عبدالسلام زمرد اور منوہر سنگھ کے ساتھ نینی تال آگیا۔ زمرد منوہر سنگھ اور مولانا عبدالسلام دوسرے روز چند گھنٹوں کے لیے بھوالی گئے اور تیسرے روز سہ پہر کو نینی تال سے روانہ ہو کر ۸ ارمارچ کو لکھنؤ پہونچ گئے

اسی روز شام کو ارملا بھی لکھنؤ پہونچ گئی۔ اس کے ساتھ بنارس کے ایک عالم اچاریہ بال کرشن بھی تھے۔ ارملا نے ان قدیم پتھروں کی عکسی تصاویر بھی لے لی تھیں اور عبارت بھی نقل کر لی تھی۔ رات کو سب مولانا عبدالسلام کے مکان پر جمع ہوئے اچاریہ بال کرشن نے اس عبارت کا ترجمہ پڑھکر سنایا۔

"وہ ہم کو ٹھنڈی روشنی دیتے ہیں اور ہم ان کو۔ ہماری دنیا اور آسمان کے تارے سب ایک ہی ہیں جیسے اس زمین پر بکھرے ہوئے انسان ——— ہماری زمین اور ستاروں میں گمراشتہ ہے....

اچاریہ بال کرشن نے ٹھہر کر کہا "اس کے بعد کی عبارت مٹی ہوئی ہے ——— آگے چل کر لکھا ہے:

"یہ چیزیں مٹنے والی نہیں ——— دیوتاؤں اور راکشسوں کی لڑائیوں میں کبھی راکشسوں نے ان میں پناہ لی ہے اور کبھی دیوتا برائیوں کو مٹانے کے لیے وہاں پہونچے ہیں"

عبارت کا باقی حصہ دیوتاؤں کی ریاضت کے متعلق تھا۔ دس بجے مجلس برخاست ہوئی۔ دوسرے روز ضروری سامان خریدا گیا اور ۱۹ ارمارچ کو رات کی ٹرین سے سب دہلی کے لیے روانہ ہو گئے۔ اسد نے اگرچہ انتہائی رازداری سے کام لیا تھا لیکن اس کے باوجود دہلی پہونچتے ہی اسے ہوٹل میں اخباری نمائندوں نے

گھیر لیا اور اس کو مجبوراً اپنے سفر کے سلسلہ میں ایک مختصر بیان دینا پڑا اور دیر ملتے ہی اسی ہفتہ سب ایک امریکن طیارے پر شرق وسطی کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستہ میں مولانا عبدالسلام نے اسد سے کہا۔

"دمشق کے بعد ہم سرایجے وو چلیں گے مجھے وہاں کی جامع مسجد کے پیش امام سے مل کر وہ قدیم نسخہ دیکھنا ہے جس کا میں نے آپ سے لکھنؤ میں تذکرہ کیا تھا"

"میں نے اسی کے مطابق اپنا پروگرام بنایا ہے۔ دمشق سے ایک ترکی طیارہ ہم کو سرایجے وو پہونچائے گا۔ سرایجے وو سے ہم ایک فرانسیسی طیارے پر سفر کریں گے وہ ہم کو نیفس میں اتارے گا۔ نیفس کے کتب خانہ میں بھی چند ایسے نادر نسخے ہیں اور آپ نے دو ایک شیوخ کا بھی حوالہ دیا ہے۔ وہاں سے طنجہ اور طنجہ سے میڈرڈ"

مولانا نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہم نیک ارادے سے نکلے ہیں خدا ہماری مدد کرے گا"

دونوں اپنے اپنے خیالات میں کھو گئے اور ملا اور زمرد روزن سے سطح زمین کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

(۱۰)

دمشق میں اسد اور اس کی جماعت کو اس سے زیادہ اور کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ ابوالصلت نے ایک ہوائی نیار کی تھی جس میں کوئی ایسی چیز استعمال کی گئی تھی جو وقت ضرورت زمین کی کشش کو زائل کر دیتی تھی۔ ابوالصلت کے حاسدوں نے خلیفہ کے

اُڑن طشتری

کان بھرے اور شاہی عتاب کے ڈر سے ابوالصلت اپنے متعلقین اور جاگردول کو لے کر کہیں چلا گیا۔ اس کی ہوائی کا بھی پتہ نہ چلا۔

سراجے دو پہونچکر اسد اور اس کی جماعت نے جامع مسجد سراجے دو کے پیش امام حاجی جلیل اوغلو سے ملاقات کی۔ وہ ایک ساٹھ سالہ یوگوسلاوی مسلمان تھے یوگوسلاوی البانی ترکی اور یونانی زبانوں کے علاوہ ان کو عربی پر بھی اچھا عبور حاصل تھا ان کے ذاتی کتب خانے میں قدیم عربی کتابوں کے دو سو سے زیادہ نسخے تھے ان میں بیشتر نسخے قلمی تھے۔ انھیں قلمی نسخوں میں ابو منصور نامی ایک اندلسی سیاح کی ایک ڈائری بھی تھی، حاجی جلیل اوغلو نے اسد اور مولانا عبدالسلام کو وہ نسخہ دیتے ہوئے کہا۔

"ابوالصلت کے کچھ حالات اس میں درج ہیں"

اسی وقت اسد، مولانا عبدالسلام نے اس قدیم قلمی نسخے کو کھول کر دیکھا اور بہت احتیاط کے ساتھ ورق گردانی کرنے لگے۔ منوہر سنگھ ان کے شانے پر جھکا ہوا تھا۔ مولانا عبدالسلام کی نگاہیں ایک صفحہ پر جم گئیں۔ منوہر سنگھ نے اور زیادہ جھکتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں ـــــ غالباً اسی جگہ سے ابوالصلت کا تذکرہ شروع ہوتا ہے"

دونوں نے کچھ دیر تک پڑھنے کے بعد اسد کی طرف دیکھا اور مولانا عبدالسلام نے کہا۔

"ابو منصور لکھتا ہے کہ اس نے ابوالصلت سے ملاقات کی۔ ابوالصلت ایک چالیس سالہ قدآور، خوبرو انجینیر تھا۔ اس کے اجداد دمشق سے قرطبہ آئے۔

ابوالصلت کا باپ المیریہ میں جہاز سازی کے ایک کارخانہ میں ملازم تھا۔ ابوالصلت نے المیریہ میں تعلیم حاصل کی کچھ عرصہ کے لیے قرطبہ گیا اور وہاں سے واپس آ کر مضافات المیریہ میں ایک رصدگاہ بنائی "

مولانا عبدالسلام پھر ورق اُلٹنے لگے۔ منوہر سنگھ نے اسد سے کہا۔

"ہم لوگ پڑھ رہے ہیں آپ لوگ لکھتے جائیں۔"

زمرد نے ایک چھوٹے چرمی صندوقچہ سے کاغذ نکالا اور لکھنے کے لیے تیار ہو گئی۔ منوہر سنگھ پھر نسخہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ حاجی خلیل ادغلو نے مولانا عبدالسلام سے کہا۔

"صرف دو یا تین صفحات میں ابوالصلت کا تذکرہ ہے اس کے بعد آخری صفحات پر ایک جگہ ابومنصور نے اس کے متعلق چند سطور لکھی ہیں اس لیے آپ پہلے کل واقعات پڑھ کر عربی ہی میں نقل کر لیں اس کے بعد جس زبان میں مناسب سمجھیں ترجمہ کر لیں۔"

"آپ کی رائے بہت مناسب ہے" مولانا عبدالسلام نے حاجی ادغلو کو جواب دیا اور منوہر سنگھ سے کہا۔ "میں عربی عبارت پڑھتا جاؤں اور آپ لکھتے جائیں۔"

منوہر سنگھ کرسی پر بیٹھ کر نسخہ دیکھنے لگا۔ مولانا عبدالسلام نے زمرد سے کاغذ لے لیا اور لکھنے لگے۔

منوہر سنگھ عربی کی عبارت پڑھتا جا رہا تھا اور فرطِ مسرت سے اسکا چہرہ کھلتا جا رہا تھا اسد زمرد اور ارملا کی نگاہیں ان دونوں کے چہروں پر جمی ہوئی تھیں وہ کبھی منوہر سنگھ کی طرف دیکھنے لگتے تھے اور کبھی مولانا عبدالسلام کے چہرے پر نگاہیں جما دیتے

تھے۔ مولانا عبدالسلام اور منوہر سنگھ نے پچاس منٹ میں کل تفصیل نقل کر لی اور سب چائے کے لیے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

حاجی اوغلو نے ان کو بتایا کہ اور کسی کتاب یا نسخہ میں ابوالصلت یا اس کی ہوائی کے متعلق کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ سب نے یوگوسلاوی میزبان کے ساتھ چائے پی۔

مولانا عبدالسلام نے اپنی جماعت نیز حکومت ہند کی طرف سے حاجی اوغلو کا شکریہ ادا کیا اور ہوٹل واپس آ گئے۔

دوسرے روز اسد کی پارٹی ایک طیارے پر فیض کے لیے روانہ ہوئی لیکن موسم کی خرابی کی وجہ سے ان کو شمالی اطالیہ کے صنعتی شہر میلان پر اترنا پڑا۔ وہ رات انھوں نے وہیں گذاری، صبح ان کے طیارے نے پرواز کی ایک بجے فیض کے ہوائی مستقر پر اترا اور سب نے ایک فرانسیسی ہوٹل میں قیام کیا۔ منوہر سنگھ اور مولانا عبدالسلام ہسپانوی زبان کے ساتھ ہی عربی سے بھی واقف تھے۔ اس لیے فیض سے رضوان تک آمد و رفت کے جملہ انتظامات انھیں کے سپرد ہوئے۔

اسد اور ان کے ساتھیوں نے دو روز تک فیض میں قیام کیا لیکن وہاں کے کتب خانہ میں ابوالصلت سے متعلق کوئی کتاب یا قلمی نسخہ نہیں ملا۔ تیسرے روز سب آٹھ بجے صبح روانہ ہوئے اور شام کو مغرب سے کچھ قبل رضوان پہونچے اور ایک سرائے میں قیام کیا۔ اسد نے فیض سے اپنے ساتھ ایک مراکش رہنما بھی لے لیا تھا۔ اس نے دوسرے روز اسد اور اس کے ساتھیوں کو شیخ ابوصالح بن رشید سے ملایا۔ شیخ ابوصالح بن رشید کا محل آبادی سے باہر دریا کے کنارے تھا۔ انھوں نے مہمانوں کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اسی وقت سرائے سے ان کا سامان منگوا لیا۔

وہ ایک علم دوست بزرگ اور دنیا کی سیاحت کیے ہوئے تھے۔ ان کی عمر کا کچھ حصہ مجاہد ریف غازی محمد بن عبدالکریم کے ساتھ بھی گزرا تھا۔ فرانسیسی حکومت نے انجاد ان کو قید کر کے الجزائر بھیج دیا تھا لیکن وہ وہاں کے قید خانہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور اس کے بعد ہی اسپین کے خلاف کوہستانی علاقہ میں علم جہاد بلند کیا تھا اور آٹھ سال تک مسلسل جنگ کرتے رہے تھے۔

اسپین کے باغی جنرل مولا اور اس کے نائب جنرل فرانکو نے جب اسپین کی حکومت کے خلاف بغاوت کی تو شیخ ابو صالح بن رشید نے مشروط معاہدہ کے بعد سب سے پہلے اپنے رضاکار اسپین میں جنگ کرنے کے لیے بھیجے جنرل فرانکو نے اسپین پر قابض ہو جانے کے بعد مراکش کو کسی حد تک حکومت خود اختیاری اور شیخ ابو صالح بن رشید کو خصوصی اختیارات دیدیے اب ان کی عمر ستر سے تجاوز کر چکی تھی اور وہ اس علاقہ کے بے تاج کے بادشاہ خیال کیے جاتے تھے۔

شیخ ابو صالح بن رشید نے مہمانوں کو آراستہ اور پر تکلف کمروں میں ٹھہرایا اور دوسرے روز ان کو کوہستان کی سیر کرائی۔ یہ علاقہ اپنی سرسبزی اور شادابی کے لیے شمالی افریقہ میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ تیسرے روز مولانا عبدالسلام نے اپنے سفر کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا۔

" ——— اب مشرق پھر بیدار ہو رہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب انجبار دنیا کی قیادت پھر اسی کے ہاتھ میں ہو گی "

بے شک" بڈھے شیخ نے خوش ہو کر کہا" خدا نے اپنے نیک بندوں سے جو وعدے کیے ہیں وہ ضرور پورے ہوں گے۔ آج سے تیرہ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے

ہم سے جو کچھ بھی کہا گیا تھا وہ پورا ہو رہا ہے۔ حقائق ہمارے سامنے روشنی کی طرح آتے جا رہے ہیں اگر اس کے باوجود بھی ہم آنکھیں بند کیے خواب غفلت میں پڑے ہیں تو یہ ہماری بدنصیبی ہے۔"

شیخ ابو صالح کی گفتگو بہت سلجھی ہوئی تھی۔ مولانا عبدالسلام اور منوہر سنگھ نے ابو الصلت کے متعلق گفتگو شروع کی تو انھوں نے کہا۔

"ایک نامور سائنسداں خلیفۂ وقت کی ایک کمزوری کا شکار ہو گیا اگر خلیفہ ابو الصلت کی سرپرستی کرتا تو شاید آج دنیا کی حالت مختلف ہوتی لیکن وہ مسبب الاسباب ہے ــــ" بوڑھے شیخ نے خدا کی حمد و ثنا کرتے ہوئے کہا: وہ قادر مطلق ہے وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے ہماری بہتری ہی کے لیے کرتا ہے اس میں بھی یقیناً ہماری اور دنیا کی بہتری ہی مضمر تھی ــــ یہ اور بات ہے کہ ہم ابتک اس رمز کو نہیں سمجھ سکے ہیں ــــ"

شیخ ابو صالح ایک ساعت کے لیے خاموش ہوئے پھر کہنے لگے۔

"ہمارے سامنے ایسی ہی صدہا مثالیں موجود ہیں اس لیے ہم کو ہر مساعی کے بعد راضی برضا رہنا چاہیے اور اس کے حکم کا انتظار کرنا چاہیے"

مولانا عبدالسلام اور منوہر سنگھ نے ان کی تائید میں سر ہلا کر کہا۔

"بیشک ــــ"

شیخ نے پرجوش لہجہ میں کہا "میرے بھائیو! دنیا کے مسلمان اندلس کے مسلمانوں کی تباہی پر آجتک نوحہ کناں ہیں لیکن مجھے کبھی افسوس نہیں ہوا۔ اندلسی مسلمانوں نے تباہی اور بربادی کی دعوت دی۔ وہ آئی اور ان کا نام دنیا سے مٹ گیا

جو دور اندیش تھے وہ موحدین کے زوال کی ابتدا کے ساتھ اندلس سے ہجرت کرنے لگے۔ میرے اجداد قرطبہ سے قبض اور فیض سے یہاں آئے، ہم شیخ رضوان بن ہشام کی اولاد ہیں۔ یہ قصبہ انھوں نے آباد کیا تھا میرے جداعلیٰ ہشام بن اسحٰق خلیفہ عبدالرحمن ثالث کے دور کے سب سے بڑے مہندس تھے۔ ابوالصلت ان کے چھوٹے بھائی جعفر بن اسحٰق کا اکلوتا لڑکا تھا۔ اسنے میرے جداعلیٰ کی نگرانی اور سرپرستی میں تعلیم حاصل کی اور اپنے باپ کے پاس المیریہ چلا گیا۔ ابوالصلت نے دیگر علوم المیریہ ہی میں حاصل کیے"
سب شیخ ابوصالح کو حیرت سے دیکھ رہے تھے اور وہ جوش میں اپنے خاندانی حالات اور تاریخی واقعات بیان کرتے چلے جا رہے تھے۔ انھوں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "ابوالصلت کے متعلق دنیا کی کوئی تاریخ مفصل طور پر کچھ بھی نہیں بتا سکتی ہے اگر اس کے صحیح حالات دنیا میں کہیں بھی معلوم ہو سکتے ہیں تو وہ میرا کتب خانہ ہے میرا خاندانی کتب خانہ ہمارے اسلاف اس کی صدیوں سے حفاظت کرتے چلے آئے ہیں اور وہ قلمی نسخے جن میں تفصیل کے ساتھ ابوالصلت کا ذکر ہے۔ یہاں محفوظ ہیں۔ میں اس کی دیکھ بھال پر ہر سال رقم خطیر صرف کرتا ہوں۔"

مولانا عبدالسلام نے بے چین ہو کر کہا۔

"خدا ہماری مدد کر رہا ہے۔ اسد صاحب! آپ ضرور اپنے مشن میں کامیاب ہوں گے۔"

شیخ ابوصالح بن رشید نے مولانا عبدالسلام کی طرف دیکھا انھوں نے عربی میں شیخ کو اپنا مطلب سمجھایا۔ شیخ نے کہا۔

"میرا کتب خانہ آپ کے لیے کھلا ہوا ہے۔ میں وہ قلمی نسخے آپ کے سامنے رکھے دیتا ہوں۔ آپ ان کو شروع سے آخر تک پڑھ لیں اور اگر نقل کرنا چاہیں تو نقل

کہ بس اس کے بعد میں آپ کو ایک ایسی تحریر دکھاؤں گا جو آج بھی دنیا کو متحیر کر سکتی ہے لیکن وہ ——— وہ ایک امانت ہے جو اب تک دنیا کی نگاہوں سے بچائی گئی ہے"

شیخ ابوصالح خاموش ہو گئے۔ انھوں نے اپنے مہمانوں کو بغور دیکھا اور چھت کی طرف اس طرح دیکھا گویا وہ چھت کے بجائے آسمان کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ کچھ دیر تک اسی طرح دیکھتے رہے اور کسی کو مخاطب کیے بغیر آہستہ آہستہ کہنے لگے

"اے خدائے ذوالجلال۔ اگر وہ وقت آچکا ہے جس کا میرے بزرگوں کو انتظار تھا تو تو میری رہنمائی کر ——— اور مجھے حق و باطل میں امتیاز کی توفیق عطا فرما ——— اگر میں نے غیبی اشارے اور تیرا کلام سمجھنے میں غلطی نہیں کی ہے تو ——— میں نے صحیح راہ تلاش کر لی ہے ——— تیرا ہزار ہزار شکر ہے کہ وہ وقت جس کا میرے اسلاف نے انتظار کیا میری زندگی میں آیا ——— اب تو مجھے اچھے لوگوں کو پہچاننے کی صلاحیت دے ——— میرے رب تو میری رہنمائی کر"

شیخ ابوصالح نے اسی طرح چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں اور اپنا سر کرسی پر ٹکا لیا۔

مولانا عبدالسلام، منوہر سنگھ، اسد، ارملا اور زمرد خاموش بیٹھے ہوئے شیخ ابوصالح بن رشید کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شیخ ابوصالح کچھ دیر بعد سنبھل کر بیٹھ گئے اور انھوں نے کھنکھار کر اپنی آواز صاف کرتے ہوئے کہا۔

"آئیے میں آپ حضرات کو وہ قلمی نسخے دکھاؤں۔ وہ زیادہ ضخیم نہیں ہیں۔ آپ آج سے کل دوپہر تک ان کو متعدد بار پڑھ لیں گے۔ میں اس وقت کے بعد سے کل ظہر تک آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکوں گا۔ ملازموں کو ہدایت کر دی گئی ہے وہ

آپ کی ضرورت کی ہر چیز آپ کے لیے مہیا کرتے رہیں گے مجھے اُمید ہے کہ آپ حضرات میری غیر حاضری کو معاف فرمائیں گے۔"

وہ کھڑے ہو گئے۔ ان کے ساتھ ہی اسکار مرد، ارملا، منوہر سنگھ اور مولانا عبدالسلام بھی کھڑے ہو گئے۔

مولانا عبدالسلام نے کہا۔ "یا شیخ! آپ ہمارے بزرگ ہیں۔ آپ نے جس مہمان نوازی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ ہمارے لیے ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ آپکے اخلاق نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کرادی ہے۔"

شیخ ابوصالح بھی دو قدم چلے اور ٹھہر گئے۔

"میرے اولالعزم دوستو! آپ گواہ ہیں کہ میں نے بخل سے کام نہیں لیا ہے اور مجھ کو جو کچھ معلوم تھا آپ لوگوں کو بتا دیا ہے ——— یہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا ہے ——— معلوم نہیں میری کتنی نسلیں اس فرض سے سبکدوشی حاصل کرنے کے انتظار میں گذر چکی ہیں ——— اس باری تعالےٰ کا شکر ہے کہ اسنے اس کی ادائیگی کے لیے مجھکو منتخب کیا!"

ان کی آواز قدرے مرتعش تھی اور ان پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔۔ وہ پھر چلنے لگے۔ مولانا عبدالسلام اور انکے ساتھی شیخ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ شیخ ابوصالح کی باتیں اور ان کے جملے ان سب کی فہم سے بالاتر تھے۔ وہ سب متعدد کمروں اور دالانوں سے گزرتے ہوئے محل کے اس حصہ میں پہونچ گئے جس کے ایک طرف بائیں باغ اور دوسری طرف دریا تھا۔

شیخ ابوصالح ایک ایسے برآمدے میں پہونچ کر ٹھہر گئے جس کے ستون بالکل

گول اور بہت بلند تھے۔ اس برآمدہ کے دونوں سروں پر دو بڑے کمرے تھے۔ دریا کے رخ والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ایک معمر اکشی اب دروازے کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ شیخ ابو صالح نے اپنے مہمانوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

" یہ ہے ہمارا خاندانی کتب خانہ جس کی ہم گزشتہ آٹھ سو برس سے حفاظت کرتے اور اس میں اضافہ کرتے آئے ہیں۔ یہ کتب خانہ میرے جد اعلیٰ ہاشم بن المتقی نے قرطبہ میں اپنے شاگردوں کے لیے قائم کیا تھا۔ اسپین میں موحدین کا زوال شروع ہوتے ہی اسے یہاں منتقل کر دیا گیا۔ ہمارے بزرگوں نے اس کی اپنی جان سے زیادہ حفاظت کی ہے۔ ایک دور ایسا بھی آیا تھا جب اسے یہاں سے صحرائے اعظم میں لے جایا گیا تھا ـــــ "

شیخ ابو صالح اپنے مہمانوں کے ساتھ کتب خانہ کے دروازے پر پہونچ گئے معمر عرب ادب کے ساتھ ایک گوشے میں کھڑا ہو گیا اور وہ سب اندر داخل ہو گئے کمرے میں الجزائر کے قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے۔ ایک گوشے میں چند صوفے اور ایک خوبصورت میز رکھی ہوئی تھی۔ کمرے کا باقی حصہ مشرقی طریقہ پر آراستہ کیا گیا تھا۔ کتب خانہ تقریباً ۳۰ فیٹ چوڑا اور ۴۵ فیٹ لمبا تھا۔ اس کی چھت دوسرے کمروں کے مقابلہ میں زیادہ بلند تھی اور چاروں طرف دیوار میں الماریاں جڑی ہوئی تھیں۔ اسد اور اس کے ساتھی چاروں طرف کتابوں سے بھری ہوئی الماریوں کو دیکھنے لگے۔

شیخ ابو صالح نے مہمانوں کو صوفوں پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

" آپ حضرات کے لیے یہ کمرہ ہر وقت کھلا رہے گا۔ میں نے یوسف کو سمجھا دیا

ہے۔ وہ آپ لوگوں کے لیے ہر کتاب نکال دے گا۔"

معمر مراکش عرب بڑھکر سامنے آگیا۔ شیخ ابو صالح نے اس سے کہا۔

"وہ نسخے جو میں نے آج صبح نکالے ہیں۔ یہاں لاکر میز پر رکھدو اور عثمان سے کہدو کہ وہ مہمانوں کا خیال رکھے میں کل تک باہر نہ آؤں گا۔"

یوسف نے چھ قلمی نسخے ایک الماری سے نکال کر مولانا عبدالسلام کے سامنے رکھ دیے۔ شیخ ابو صالح بن رشید نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"میرے معزز مہمان میری اس کج خلقی کا کچھ خیال نہ کریں۔ میں ایک بار پھر آپ حضرات سے معافی کا خواستگار ہوں۔"

مولانا عبدالسلام اور ان کے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ شیخ ابو صالح نے سب سے مصافحہ کیا اور چلے گئے شیخ ابو صالح کے جانے کے بعد اسد نے مولانا عبدالسلام سے کہا

"ان نسخوں کے مطالعہ سے قبل ہم کو ایک بار سراجے دو کے نسخہ کی نقل پھر دیکھ لینا چاہیے۔"

زمرد نے کہا "میں نے اردو میں اس کا ترجمہ کر لیا ہے۔"

"ایک بار ہم سب کو سنا دیجئے۔"

"وہ میرے کمرے میں رکھا ہوا ہے۔"

"خیر ہم رات کو اس پر تبادلہ خیال کریں گے۔" اسد نے مولانا عبدالسلام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ اسی وقت سے ان نسخوں کا مطالعہ شروع کر دیجئے۔"

مولانا عبدالسلام نے ایک نسخہ اٹھالیا اور دیکھنے لگے۔ منوہر سنگھ نے ان سے کہا

"قدرے بلند آواز میں پڑھیے تاکہ میں بھی سن سکوں"

وہ لوگ مغرب سے کچھ قبل کتب خانہ سے نکلے۔ منوہر سنگھ، ارملا اور زمرد سے باتیں کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ مولانا عبدالسلام اور اسد ان کے پیچھے آہستہ آہستہ چل رہے تھے مولانا عبدالسلام اسد سے کہہ رہے تھے۔

"ابوالصلت صرف ایک انجینیر ہی نہیں بلکہ اپنے وقت کا بہترین ہیئت داں بھی تھا۔ ابو منصور نے اس کی ہیئت دانی کے متعلق اپنی ڈائری میں صرف اشارہ ہی کیا ہے لیکن اس نسخے میں اس کے استاد تک کا تذکرہ ہے"

وہ لوگ چمن سے گزرتے ہوئے دریا کے کنارے پہونچ گئے۔ مولانا عبدالسلام اور اسد نے وضو کیا۔ زمرد نماز کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ منوہر سنگھ اور ارملا ایک چٹان پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

ارملا نے منوہر سنگھ سے کہا، مشرق وسطی اور مغرب اقصی کے مسلمان عام ہندوستانی مسلمانوں سے کس قدر مختلف ہوتے ہیں!"

"ان میں ابتک اسلامی روح باقی ہے۔ لیکن ہندوستانی مسلمان سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد سے بالکل بدل چکا ہے ——" منوہر سنگھ نے مولانا عبدالسلام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" ہندوستانی مسلمانوں کو ایسے علمائے دین کی ضرورت ہے"

ارملا بھی اس طرف دیکھنے لگی اور ایک ساعت بعد بولی" اسلامی ممالک دیکھنے اور مسلمانوں کی سادہ زندگی کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد خواہ مخواہ اسلام کی طرف دل کھنچتا ہے"

منوہر سنگھ نے کہا" اسلام کو صحیح طریقہ پر سمجھنے کے لیے عربی زبان پر عبور حاصل

کرنا ضروری ہے مجھے اسپین کی سیاحت کے بعد اسلام سے دلچسپی ہوئی اسکے بعد میں نے لکھنؤ میں عربی پڑھنا شروع کیا۔"

"منوہر سنگھ! ارملا نے اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم اسلام سے بہت زیادہ متاثر نظر آتے ہو ـــــ کیا درپردہ مسلمان ہو چکے ہو۔؟"
منوہر سنگھ ارملا کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"ارملا!" منوہر سنگھ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا: "اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے باوجود تم ابھی تک مذہب کا مفہوم نہیں سمجھ سکی ہو۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمھارا خیال صحیح ہو ـــــ کیا تم مجکو اسکا مفہوم سمجھا سکتے ہو؟"

"میرے خیال میں مذہب نام ہے ان چند اچھے اصولوں کا جن کو اپنا کر انسان اپنی زندگی کو کامیاب اور کردار کو پختہ بناتا ہے ـــــ"

"تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ ہر وہ شخص جو پریشان ہے ان اچھے اصولوں یعنے مذہب سے منھ موڑ چکا ہے؟"

"انسان کی پریشانی کا اس کی کامیاب یا ناکام زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے" منوہر سنگھ نے ارملا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

مولانا عبدالسلام اور اسد نماز ادا کرنے کے لیے ایک دوسری چٹان کی طرف جا رہے تھے۔

ارملا نے کہا۔ "لاکھوں مسلمانوں کی زندگیاں ناکام ہیں اور لاکھوں غیر مسلم کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں۔"

"جو اچھے اصولوں سے روگردانی کرتے ہیں وہ اپنی زندگی کو کامیاب نہیں

بنا سکتے جو غیر مسلم کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں وہ یقیناً اچھے اصولوں کے پابند ہیں اسلام کے مقدس صحیفہ میں ایک جگہ لکھا ہوا ہے کہ میں نے اصلاح کے لیے ہر قوم میں نبی بھیجے ——"

"اس کا تو یہ مطلب ہے کہ ہر مذہب اپنی جگہ پر ٹھیک ہے —؟" ارملا نے منوہر سنگھ کی طرف استفسارانہ نگاہوں سے دیکھا۔

"اچھے اصول اچھے ہی کہلائیں گے" منوہر سنگھ نے ہنس کر جواب دیا۔

"پیغمبر اسلام کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے —؟" کچھ دیر تک کسی پہلو پر غور کرنے کے بعد ارملا نے سوال کیا۔

"وہ خدا کے رسول اور اس کے بندے تھے۔ اسلام کے اصول فطرت کے عین مطابق ہیں"

سامنے سے زمرد آتی ہوئی نظر آئی۔ مولانا عبدالسلام اور اسد ابھی تک چٹان پر بیٹھے ہوئے تھے ارملا نے زمرد کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھے اس کے اطوار بہت پسند ہیں"

شفق کی سرخی نے کوہستانی مناظر میں جان ڈال دی تھی۔ منوہر سنگھ نے ارملا کی طرف دیکھا اور وہ کسی خیال سے پریشان ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ زمرد ان کے قریب پہنچ گئی وہ اس وقت مراکشی لڑکیوں کا لباس پہنے ہوئی تھی ارملا نے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

"زمرد تم اس لباس میں بہت اچھی معلوم ہوتی ہو"

وہ ہنس دی —— "اور تم مجھے ہر لباس میں اچھی نظر آتی ہو۔ جامہ زیبی

بھی خداداد ہوتی ہے!"

"کیا مجھے اس قصبہ میں ایسے ملبوسات مل سکتے ہیں!" ارملا نے منوہر سنگھ سے دریافت کیا۔

"ضرور مل جائیں گے ــــــ"

مولانا عبدالسلام اور اسد بھی چٹان سے اتر کر باتیں کرتے ہوئے ان کے پاس آ گئے۔ منوہر سنگھ، ارملا اور زمرد چٹان سے نیچے اتر آئے

اسد نے کہا: "آیئے چشمے کے کنارے کچھ دور تک چلیں"

سب ٹہلتے ہوئے پہاڑ کی سمت چلنے لگے۔ منوہر سنگھ نے کہا۔

"شیخ ابو صالح کے ایک ملازم نے مجھے بتایا ہے کہ یہاں سے چھ میل دور ایک آبشار ہے!"

"پرسوں وہاں چلیں گے ــــــ" اسد نے جواب دے کر مولانا سے دریافت کیا: "کیوں مولانا صاحب آپ کا کیا خیال ہے ــــــ؟"

"اس نے یہ فردوسی نظارے ہمارے ہی لیے پیدا کیے ہیں ــــــ" مولانا عبدالسلام نے سورہ رحمٰن کی آیت پڑھی اور مسکرا کر کہا: "ہم اس کی کس کس نعمت کو جھٹلائیں گے!"

(۱۱)

اسد اور اس کے ساتھی جب محل میں داخل ہوئے تو صدر دروازے کے سامنے سیڑھیوں پر شان کو اپنا منتظر پایا۔ اس نے مولانا عبدالسلام سے بتایا کہ مہمانوں کے لیے

دسترخوان بچھایا جا چکا ہے۔ سب کھانے کے کمرے میں چلے گئے اور عشاء کی نماز کے بعد پھر کتب خانہ میں پہونچے اور گیارہ بجے تک ان نسخوں کو پڑھتے رہے اور زمرد اور ارملا یادداشت کے طور پر کچھ لکھتی رہیں۔

دوسرے روز نماز فجر ادا کرنے کے بعد سب کتب خانہ میں پہونچ گئے اور ان نسخوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ان لوگوں نے اسی کمرے کے ایک گوشے میں ناشتہ کیا اور نو بجے تک نسخوں کو پڑھ لینے کے بعد جو کچھ نقل کرنا تھا نقل کر لیا۔ اسد بہت خوش تھا وہ لوگ جب اس کمرے سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آئے تو مولانا عبد السلام نے اسد سے کہا۔

"ہم کو یہاں پہنچ کر وہ باتیں معلوم ہو گئی ہیں جو شاید کسی آباد سیارے تک پہونچنے کے بعد بھی نہیں معلوم ہو سکتی تھیں۔"

اسد نے جیب سے سگریٹ کیس نکالتے ہوئے کہا: "ان معلومات کے بعد بین السیاری سفر ہم کو ایک تفریحی مشغلہ معلوم ہونے لگا ہے۔"

منوہر سنگھ سب کو مخاطب کرتے ہوئے بولا: "میرا تو یہ خیال ہے کہ دربار قرطبہ سے معتوب ہونے سے قبل ہی ابو العصلت خفیہ طریقہ پر کسی سیارے تک پہونچ چکا تھا۔"

"اپنی عمر کے سینتیسویں سال وہ پانچ ماہ کے لیے کہیں گیا تھا۔" زمرد نے کسی کو مخاطب کیے بغیر کہا اور جلد جلد اپنی نوٹ بک کے صفحات الٹنے لگی۔ اور ایک جگہ ٹھہر کر پہلے ایک صفحہ کی عبارت پر سرسری نظر ڈالی پھر مولانا عبد السلام کی طرف دیکھ کر بولی ــــ "آپ نے کل رات کو لکھایا تھا کہ اپنی ہوائی تیار کرنے کے بعد وہ پانچ ماہ کے لیے کہیں چلا گیا۔ حاسدوں کو موقعہ مل گیا اور انھوں نے خلیفہ کے کان

بھر دیئے کہ وہ دمشق گیا ہے۔ اس کے ارادے اچھے نہیں ہیں۔ وہ ثقفی ہے اور بنو امیہ سے سلیمان کی حماقتوں اور مظالم کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔"

ارملا نے زمرد کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ابوالصلت یقیناً ایک بار کسی سیارے تک پہونچکر اپنی دنیا میں واپس آیا ہے ورنہ وہ اپنی یادداشت میں اس وضاحت کے ساتھ اجرام فلکی کے متعلق نہ لکھتا یہ دیکھئے" ارملا نے اپنی نوٹ بک کے ایک صفحہ پر نگاہیں جما دیں اور پڑھنے لگی ـــ

ـــــــ کرۂ زمین کی کشش سے آزاد ہوتے ہی ہوائی دوسرے سیاروں کی کشش کے ماتحت تیرنے لگتی ہے اور فضائے بسیط میں اسی سیارے کی طرف کھنچتی ہے جس کی کشش زیادہ ہوتی ہے۔ اگر اس میں دوسرے سیاروں کی کشش کو زائل اور قبول کرنے کی طاقت ہوتی ہے تو اس کو جس سیارے کی طرف لیجایا جائے اسی طرف جائے گی۔"

اسد نے کہا "ابوالصلت نے اپنے تجربات سے خواہ فائدہ اٹھایا ہو یا نہ اٹھایا ہو لیکن میں اس کے تجربات سے فائدہ اٹھاؤں گا!"

مولانا عبدالسلام اپنی ریش پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے "ابوالصلت اپنے وقت کا ایک بہترین سائنداں تھا۔ اس کی رصدگاہ میں ناصر بن الحکیم بھی تھا۔ اسے ہر مورخ نے اس زمانہ کا سب سے بڑا ہیئت داں تسلیم کرلیا ہے۔ اس نے یقیناً کوئی آباد سیارہ دریافت کیا ہوگا۔"

منوہر سنگھ نے کہا "آخری نسخے میں مریہ کے ایک بزرگ حضرت عثمان بن القادر کا بھی تذکرہ ہے۔ وہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں المیریہ چلے آئے تھے اور ابوالصلت

کی رصدگاہ کے قریب ہی ایک خانقاہ میں رہنے لگے وہ جگہ خانقاہ قادری کے نام سے مشہور ہوگئی۔ آجکل بھی وہ جگہ۔ الکیڈرے کے نام سے مشہور ہے۔

" ہاں آخری نسخے میں ان کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے " مولانا عبدالسلام نے منوہر سنگھ کی تائید کی " ابوالصلت ان کا معتقد تھا اور ان کے اشاروں پر چلتا تھا لیکن ابوالصلت کے غائب ہو جانے کے بعد سے پھر کسی کتاب میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا ہے "

اسد اور اس کے ساتھی دوپہر تک اسی کمرے میں بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کرتے رہے اور کھانے سے فارغ ہو کر محل کے احاطہ میں بنی ہوئی مسجد میں ظہر کی نماز ادا کرنے چلے گئے۔ منوہر سنگھ اور ارملا چمن میں ٹہلنے لگے۔ ظہر کی نماز کے بعد شیخ ابوصالح بن رشید نے اپنے مہمانوں کو محل کی دوسری منزل کے اس کمرے میں بلایا جس میں وہ مسجد سے واپس آکر وظائف پڑھتے تھے اس کمرے میں کسی قسم کی آرائش نہ تھی فرش پر صرف مراکشی قالین بچھے ہوئے تھے۔ شیخ ابوصالح نے اپنے مہمانوں کا استقبال کیا اور ان کو قالین پر بٹھایا وہ اس وقت بھی وہی لباس پہنے ہوئے تھے جو ایک روز قبل ان کے جسم پر دیکھا گیا تھا۔ ان کے چہرے پر تھکاوٹ کی علامت تھی اور صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ رات کو نہیں سوئے ہیں "

شیخ ابوصالح بن رشید نے سب کو اپنے سامنے بٹھانے کے بعد کہا۔

" خدا کا شکر ہے کہ میں نے صحیح راستہ تلاش کر لیا۔ وہ مسبب الاسباب ہے اور جو کچھ بھی کرتا ہے اپنے نیک بندوں کی بہتری کے لیے کرتا ہے۔ اس لیے ہم کو کسی انسان کے کردار پر نکتہ چینی اور اعتراض کرنے کے بجائے اس کی اصلاح کی کوشش

کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ بُرے راستے پر پڑ گیا ہو"

مولانا عبدالسلام اور منوہر سنگھ نے ان کی تائید میں سر ہلایا۔ شیخ ابو صالح نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "ـــــ ابوالصلت کے متعلق آپ حضرات ان نسخوں سے سب کچھ معلوم ہو چکا ہوگا۔ اب میں آپ حضرات پر ایک ایسا راز ظاہر کرنا چاہتا ہوں جو صدیوں سے سینہ بسینہ منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ راز ایک پیغام ہے ابوالصلت کا پیغام اور شیخ عثمان بن القادر کی پیشین گوئی "

مولانا عبدالسلام اور منوہر سنگھ ایک ترجمان کی طرح اپنے ساتھیوں کو اردو میں شیخ ابو صالح کی گفتگو کا مفہوم بتائے جا رہے تھے اور سب ہمہ تن گوش بنے ہوئے ان کی باتیں سُن رہے تھے۔ شیخ ابو صالح نے ایک ساعت بعد کہا۔

"شیخ عثمان بن القادر کی پیشین گوئی ہی ابوالصلت کا ایک پیغام ہے ـــــ آپ لوگوں کے لیے ایک پیغام ـــــ"

"ہم لوگوں کے لیے ـــــ؟" مولانا عبدالسلام نے متعجبانہ لہجہ میں کہا اور خدا کی حمد و ثنا کرتے ہوئے چھت کی طرف دیکھنے لگے۔

شیخ ابو صالح نے اثبات میں سر ہلایا۔ "جی ہاں آپ لوگوں کے لیے۔ شیخ عثمان بن القادر نے ایک روز ابوالصلت سے کہا کہ "اسپین میں مسلمانوں کا نام و نشان تک نہ رہے گا۔ ان کی یادگاریں تک مٹادی جائیں گی۔ تم اپنے اقربا سے کہدو کہ وہ مراکش میں جا کر آباد ہو جائیں جہاں تمہارے تجربات نسخوں کی صورت میں محفوظ رہ سکیں۔ اور تم ـــــ تم قرطبہ کے دربار سے معتوب ہو گے"

شیخ ابو صالح ایک ساعت کے لیے خاموش ہو گئے اور اپنے مہمانوں کے

چہروں کی طرف دیکھ کر ان کے تاثرات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی مولانا عبدالسلام نے ملتجانہ لہجہ میں کہا۔

"شیخ ـــ ہم کو وہ پیغام سنا دیجئے جو بقول آپ کے ہمارے لیے ہے اور آج سے چھ سو برس پہلے المیریہ میں لکھا گیا تھا اور جس کی حفاظت صدیوں سے آپ کا خاندان کرتا چلا آیا ہے"۔

"وہ پیغام یہ ہے ـــ" شیخ ابو صالح نے اپنے قریب رکھے ہوئے ایک صندوقچہ کو کھول کر ایک طلائی فریم نکالا اور مولانا عبدالسلام کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "اسے پڑھ کر اپنے ساتھیوں کو اس کا مفہوم بتا دیجیے۔ یہ خط ابو الصلت نے میرے جد اعلیٰ رضوان بن ہشام کو لکھا تھا"۔

مولانا عبدالسلام نے طلائی فریم لے لیا اور اس تحریر کو بآواز بلند پڑھنے لگے جسے حفاظت کی غرض سے طلائی فریم میں جڑ دیا گیا تھا۔

خط میں لکھا تھا۔

ابو الصلت بن جعفر کی طرف سے رضوان بن ہشام کے نام حمد خدا و ثنائے رسول کے بعد معلوم ہو کہ میں اب اس دنیا سے جا رہا ہوں کسی دوسری دنیا کی طرف ـــــــ کسی دوسرے عالم کی طرف ـــ وہ رب العالمین ہے اس نے ایسے ہزاروں عالم پیدا کیے ہیں۔ عربوں کی خانہ جنگی اور خاندانی عداوتوں نے اندلس میں ان کی بنیادیں کمزور کر دی ہیں۔ وہ یہاں قدم نہ جما سکیں گے۔ تم اپنے متعلقین کو لیکر مراکش چلے جاؤ اور اپنے خاندان کے اس کتب خانہ کی حفاظت کرو جو آج

بھی تاریخی حیثیت رکھتا ہے اور کسی زمانہ میں مشعل راہ ثابت ہوگا۔

میں اور میرے چالیس ساتھی خدا کے حکم سے اسی کا پیغام لے کر کہیں جا رہے ہیں۔ مجھے اس دنیا میں بڑائی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ میں فساد برپا کرنا چاہتا ہوں۔ ایک وقت آئے گا جب مشرق سے خدا کے چند نیک بندے آئیں گے۔ تمہاری اولادیں ان تک میرا یہ پیغام پہونچا دیں کہ ابوالصلت اور اس کے ساتھیوں کی اولادیں کسی دوسری دنیا میں ان کی منتظر ہیں، رضوان اور آل رضوان پر خدا اپنی رحمتیں نازل کرے المتقی کی نسل بڑھے پھولے اور پھلے۔

ابوالصلت بن جعفر

خط کے نیچے کلام پاک کی یہ آیۃ لکھی ہوئی تھی۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ
لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ

(آخرت کے اس گھر کا وارث ہم ان ہی کو کریں گے جو نہیں چاہتے دُنیا میں بڑائی حاصل کرنا اور فساد کرانا)

مولانا عبدالسلام نے فریم اسد کی طرف بڑھایا۔ منوہر سنگھ، ارملا اور زمرد بھی جھک کر فریم کیا ہوا خط دیکھنے لگے۔ شیخ ابوصالح کا چہرہ دفور جوش سے تمتما اٹھا تھا وہ کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن ان کو مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ مولانا عبدالسلام نے انکی حالت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

"شیخ! آپ نے ہماری مشکل آسان کر دی ہے۔ ہم کو اب خدا کی ذات سے قوی

اُمید ہو گئی ہے کہ ہم اپنے مشن میں انشاء اللہ تعالےٰ ضرور کامیاب ہوں گے۔"

"آمین ــــــ" شیخ ابو صالح مرتعش آواز میں کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ شیخ ابو صالح کے ساتھ ہی مولانا عبدالسلام، اسد، منوہر سنگھ، زمرد اور ارملا بھی کھڑے ہو گئے۔ شیخ ان کو ایک دوسرے آراستہ کمرے میں لائے اور قہوہ طلب کیا۔

اسد نے شیخ ابو صالح کا شکریہ ادا کیا۔ مولانا عبدالسلام نے شیخ کو عربی میں اس کا مفہوم سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہم صرف یہی تحقیق کرنا چاہتے تھے کہ ابوالصلت کا کیا حشر ہوا، وہ کہاں گیا۔ اس کی ہوائی کی جسامت کیا تھی اور کتنے آدمی اس کے ساتھ تھے۔ اس نے اپنی ہوائی میں کون سی طاقت استعمال کی تھی وغیرہ وغیرہ اور ان نسخوں اور خط سے ہم کو یہ سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"

منوہر سنگھ نے کہا: "مشرق سے آنے والے آپ کے پاس آ چکے ہیں اور انہوں نے ان کو وہ پیغام بھی پہونچا دیا ہے۔ وہ ابوالصلت اور اس کے ساتھیوں کی اولادوں تک پہونچنے کی کوشش کریں گے۔"

شیخ ابو صالح نے کہا: "کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ کے ساتھ میرا چھوٹا لڑکا سعد بھی وہاں جائے ــــــ"

اسد نے مولانا عبدالسلام سے کہا: "اس سے بڑھ کر میرے لیے خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ ہم آل المتقی میں سے ایک کو اپنے ہمراہ لیجائیں۔ کسی دوسری دنیا میں بسنے والے آل المتقی سعد بن ابو صالح کو دیکھ کر یقیناً بہت خوش ہوں گے۔ سعد اس دنیا میں بسنے والے ان ہی کے خاندان کا ایک فرد ہے، ان کے لیے ہم اس دنیا

سے اس سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں لیجا سکتے ہیں۔"

شیخ ابو صالح نے کہا: "میرا بیٹا سعد آجکل مراکش ہی میں ہے اس کی عمر کا زیادہ حصہ بیرس ہی میں گزرا ہے۔ اس نے گزشتہ سال وہاں سے ڈاکٹری کی سند حاصل کی ہے اور اب کاسابلانکا میں پریکٹس شروع کرنے کا ارادہ ہے۔"

مولانا عبدالسلام نے شیخ ابو صالح سے دریافت کیا

"آپ کے صاحبزادے اسوقت کہاں ہیں۔"

آپ حضرات کی آمد سے ایک روز قبل وہ اپنی پھوپی کو دیکھنے فیض گئے ہیں وہاں سے الاعوان جائیں گے۔"

"ہم ان کو خوشی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔" مولانا عبدالسلام نے جواب دیا "ہم کل یہاں سے میڈرڈ جانا چاہتے ہیں وہاں سے قرطبہ، غرناطہ مرسیہ اور المیریہ جائیں گے۔"

"کل ہم آبشار دیکھنے چلیں گے۔ آپ لوگ یہاں سے پرسوں روانہ ہوں۔"

سب عصر کے وقت تک شیخ ابو صالح کے پاس بیٹھے ہوئے ان سے باتیں کرتے رہے۔ شام کو زمرد اور ارملا مقامی تحائف خریدنے کے لیے بازار گئیں۔ مولانا عبدالسلام، اسد، منور سنگھ اور شیخ ابو صالح کے بھانجے یحییٰ بھی ان کے ساتھ تھے۔

دوسرے روز شیخ ابو صالح سب کو آبشار پر لے گئے۔ سب نے دوپہر کا کھانا وہیں کھایا اور مغرب سے قبل واپس آگئے۔ روانگی سے قبل شیخ ابو صالح اور اسد میں یہ طے ہو گیا کہ شیخ ابو صالح سعد کو لیکر فیض پہونچ جائیں گے اور واپسی پر اسد سعد کو اپنے ساتھ ہندستان لیجائے گا۔"

اسد اور اس کے ساتھی اسپین میں صرف ایک ہفتہ رہے۔ انھوں نے قرطبہ اور غرناطہ کے آثار قدیمہ دیکھے اور مرسیہ ہوتے ہوئے الیریہ آئے۔ اسد منوہر سنگھ اور مولانا عبدالسلام اس سے قبل بھی اسپین کی سیاحت کر چکے تھے۔ زمرد کے لیے بھی یہ پہلا اتفاق نہ تھا لیکن ارملا کے لیے یہ آثار قدیمہ نئے تھے۔ ابوالصلت کی رصدگاہ خصوصیت کے ساتھ ان سب کی توجہ کا مرکز تھی۔ انھوں نے رصدگاہ کے قریب رہنے والے کسانوں سے وہ قصے اور کہانیاں سنیں جو اسپین میں صدیوں سے موروں کے متعلق مشہور ہیں۔ رصدگاہ کے احاطہ میں ایک بلند چٹان کو دیکھتے ہی اسد نے کہا تھا۔

"غالباً یہی وہ پلیٹ فارم ہے جہاں سے ابوالصلت کا راکٹ عالم بالا کی طرف گیا ہوگا"

منوہر سنگھ، ارملا اور زمرد نے دو گھنٹے تک اس چٹان کو دیکھا۔ اس کا نقشہ تیار کیا اور شام کو سب سبطہ جانے والی ایک دخانی کشتی پر سوار ہو گئے۔

اسد جلد سے جلد ہندوستان پہونچکر اپنی روانگی کی تاریخ مقرر کر دینا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ سب دوسرے ہی دن سبطہ سے فیض پہونچے۔ شیخ ابوصالح اور ان کے چھوٹے لڑکے سعد بن ابوصالح نے انکا خیر مقدم کیا۔ شیخ ابوصالح ان کو دو چار روز فیض میں مہمان رکھنا چاہتے تھے لیکن اسد نے اپنے مشن کی اہمیت کے پیش نظر ان سے معذرت کر لی اور اس جماعت میں سعد کے اضافہ کے ساتھ اسد اور اس کے ساتھی دوسرے ہی روز ایک فرانسیسی طیارے پر قاہرہ کے لیے روانہ ہو گئے

لکھنؤ میں ایاز بیرے جیبی کے ساتھ اسد کا انتظار کر رہا تھا۔ اسد کے جانے کے بعد

ٹیلی ویژن کے طلسمی مناظر میں نظر آنے والی پراسرار لڑکی کی ایک تقریر نے اسے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا جس روز سے اس نے اس لڑکی کی وہ تقریر سنی تھی اسی روز سے اس نے ہر تقریر کی باقاعدہ ریکارڈنگ شروع کر دی تھی۔

اسد اور اس کی جماعت دہلی پہونچتے ہی اسی روز لکھنو کے لیے روانہ ہو گئی۔ اسٹیشن پر ایاز اور اس کے نائبین نے سب کا اسٹیشن پر استقبال کیا۔ مولانا عبدالستار اسٹیشن سے براہ راست اپنے مکان جانا چاہتے تھے لیکن ایاز نے ان کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا۔ وہ جلد سے جلد ان سب کو لڑکی کی تقریروں کا ریکارڈنگ سنا دینا چاہتا تھا۔ اسد خود بھی ان کو سننے کے لیے بے قرار تھا۔ اس نے ایاز سے تفصیل دریافت کی لیکن اس نے کوئی معقول جواب نہیں دیا۔

رصدگاہ میں پہونچتے ہی ایاز سب کو اس کمرے میں لے گیا جو ٹیلی ویژن کے تجربات کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ اسد نے بڑھ کر ٹیلی ویژن کو دیکھا اس میں ایاز نے دو نئے والوو لگائے تھے۔

"یہ غالباً ریڈر والوو ہیں ——— فاصلہ معلوم کرنے کے لیے۔؟"

"ہاں ——— میں گزشتہ ایک ہفتہ سے انھیں استعمال کر رہا ہوں۔"

ایاز نے تاروں کا سلسلہ ملایا۔ منوہر سنگھ، ارطاء زمرد اور مولانا عبدالسلام ٹیلی ویژن کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ اسد ٹیلی ویژن پر جھکا ہوا اس کے شیشے اور دھات کے والوو دیکھ رہا تھا۔ ایاز نے تاروں کا سلسلہ ملانے کے بعد سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"مناظر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے لیکن اب وہ لڑکی جس زبان میں تقریر

کرتی ہے وہ غالباً عربی ہے۔ میں عربی سے قطعی ناواقف ہوں لیکن بہرحال یہ ایک ایسی زبان ہے جو لہجے سے سمجھی جاسکتی ہے۔"

اسد نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھا اور ایاز سے کہا۔

وقت تو ہو چکا ہے ـــــ" وہ ٹیلی ویژن کے پردہ سے قریب ترین کرسی پر بیٹھ گیا اور اس طرف دیکھنے لگا۔

ایاز نے ایک لٹو پر ہاتھ رکھا اور پردہ پر دھوئیں کے رنگین بادل چھانے لگے جیسے کوئی عبیر اور گلال اُڑا رہا ہے۔ اسی کے ساتھ متعدد سیٹیاں بجتی ہوئی سنائی دیں ایاز نے دوسرے لٹو کو آہستہ سے گھمایا اور پردہ پر آبشار کا منظر اُبھرنے لگا۔

مولانا عبدالسلام اور منوہر سنگھ سعد کو عربی میں کچھ سمجھا رہے تھے۔ سعد آبشار کے منظر کو بغور دیکھنے لگا اس کے بعد جھیل میں کشتیاں نظر آئیں سعد اس طرف ہمہ تن متوجہ ہوگیا۔ منوہر سنگھ اور اسد سعد کو بغور دیکھ رہے تھے اور مولانا عبدالسلام اس کو سمجھا رہے تھے۔

سعد نے محلات اور بازار کے مناظر دیکھتے ہی کہا۔

"قدرت کڑیاں ملاتی چلی جارہی ہے۔"

وہ پھر ان پراسرار مناظر میں کھو گیا۔ اسد کے قلب کی حرکت تیز ہوتی جارہی تھی اور وہ گھبرا گھبرا کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا کہ یکایک نشر گاہ کا منظر سامنے آگیا۔ لڑکی مجسمے کے قریب کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ اسد نے کرسی کی پشت پر سر ٹکا لیا لیکن سعد کرسی کے دونوں ہتھوں پر ہاتھ ٹیک کر آگے کی طرف جھک گیا اور اس لڑکی کے دل کش خدوخال اور لباس کو بغور دیکھنے لگا ـــــ لڑکی

ابھی تک خاموش کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ لڑکی کا پیکر اور مجسمہ قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ وہ اس وقت ہلکے پیازی رنگ کی شلوار اور اسی رنگ کا کیمونو یا قمیض پہنے ہوئے تھی اور شمالی ہند کی نوجوان لڑکیوں کی طرح سینے اور شانوں پر آسمانی رنگ کا دوپٹہ ڈالے ہوئے تھی۔ سعد جھک کر اپنی جگہ سے بہت آگے بڑھ چکا تھا لیکن اسد اسی طرح کرسی کے تکیہ پر سر ٹکائے ٹکٹکی باندھے لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

لڑکی نے اس انداز میں اپنی گردن گھمائی جیسے وہ ان ہی لوگوں کی طرف متوجہ ہوئی ہے اور صاف آواز میں "السلام علیکم" کہا۔

اسد، مولانا عبدالسلام، سعد، منوہر سنگھ، اور ملا ایاز مرد بیک وقت اچھل پڑے۔ اور سب نے متحیر ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ سعد نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ لڑکی نے عربی میں کچھ کہنا شروع کیا۔ سب اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ایکبارہ سعد نے دور جوش میں چیخ کر عربی زبان میں کچھ کہا، مولانا عبدالسلام نے اسے فوراً خاموش کرا دیا چند منٹ بعد پھر آبشار کا منظر ابھرتا ہوا نظر آیا۔ ایاز نے ایک لٹو گھما کر ٹیلی ویژن کا سلسلہ منقطع کر دیا اور ٹیلی ویژن کے پاس رکھا ہوا برقی لمپ خود بخود روشن ہو گیا۔ سب آپس میں اونچی آوازوں میں باتیں کرنے لگے

سعد، منوہر سنگھ اور مولانا عبدالسلام سے کہہ رہا تھا۔

"رب کعبہ کی قسم وہ بہت فصیح عربی بول رہی تھی۔ اس کا لہجہ اندلسی تھا اور بعض الفاظ بھی اسی زمانہ کے تھے۔ وہ اب متروک ہیں لیکن قدیم قلمی کتب میں موجود ہیں ——— "

"ہم اس کی نعمتوں کو کہاں تک جھٹلائیں" مولانا عبدالسلام نے جواب دیا۔
"ہم جھٹلا ہی نہیں سکتے ـــــ وہ قادر مطلق خالق اکبر ہے ـــــ
وہ یقیناً ال المتقی میں سے ہے۔ بیشک وہ ابو الصدت کی اولاد میں سے ہیں
بیشک خدا سب سے بڑا ہے ـــــ"

سعد و فورِ جوش میں بہت کچھ کہہ گیا۔ اسد نے سعد کی گفتگو کا مفہوم سمجھنے کے بعد مولانا عبدالسلام سے دریافت کیا۔

اس نے اپنی تقریر میں کیا کہا تھا۔؟"

منوہر سنگھ نے آگے بڑھکر کہا "میں نے اس کی تقریر حرف بحرف لکھ لی ہے"۔

اس نے اپنی نوٹ بک کے چند صفحات الٹ کر عربی کی عبارت پڑھی اور مولانا عبدالسلام اور سعد کی تصدیق کے بعد اسد ایاز زمرد اور ارملا کو اسکا مطلب سمجھاتے ہوئے کہا

" وہ کہہ رہی تھی :۔

اے دوسری دنیا میں بسنے والے انسانو! خدا نے تم کو زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ جس نے اس خلافت کو برقرار رکھا اسکو اسنے ریگ کے ذروں اور رات کے تاروں کی طرح انفضائے عالم میں پھیلا دیا۔ ہمارے اسلاف نے جدوجہد کی اس نے جو چیزیں اُن کے لیے پیدا کی تھیں ان کو حاصل کرنے کی کوشش کی اور اس نے اپنے وعدے پورے کئے۔ اس نے اپنے ایک ایسے بندے کو کرہ ارض سے نقر تک پہونچایا اور وہاں اسنے شہر

آباد کیجیے

ہم اس کے منتظر ہیں جس کی آمد کی پیشین گوئی ہمارے مورث اعلیٰ نے کی تھی ــــــ اے فضائے بسیط کی منتشر دنیاؤں میں رہنے والو ــــــ کائنات کی وسعتوں کی طرف دیکھو۔ اپنی ہی دنیا کو کائنات سمجھنے والو! اس کے پیغامات کو سنو۔ اسکے وعدوں کو سمجھو اور نظام شمسی کی حدود کو بھی عبور کر جاؤ

افق نظر کی کمزوری ہے۔ اسے دور کردو ــــــ اسے پیچھے چھوڑ جاؤ ــــــ"

منوچہر کے خاموش ہوتے ہی اسد نے کہا۔

"تقریر نامکمل معلوم ہوتی ہے ــــــ"

"میں ایسی ہی کچھ تقریریں ریکارڈ کر چکا ہوں۔" ایاز نے اسد کو جواب دیا

سعد خاموش کھڑا ہوا ٹیلی ویژن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ کسی گہرے خیال میں کھویا ہوا تھا۔ ایاز نے کہا۔

"اب آپ لوگ میرے کمرے میں چلکر باتیں کیجیے ــــــ گیارہ بج چکے ہیں مولانا آپ دوبہر کا کھانا کہاں کر جائیں گے ــــ"

(۱۲)

دوپہر کے کھانے سے قبل تک سب ایاز کے کمرے میں بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے۔ اسد اور سعد انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں باتیں کر رہے تھے۔

سعد نے اسد سے دریافت کیا۔

"کیا اُردو زبان کا سیکھنا مشکل ہے؟"

"بہت آسان زبان ہے اور آسانی کے ساتھ سیکھی جا سکتی ہے۔" اسد نے جواب دیا۔

زمرد بول اٹھی۔ "لیکن عربی بہت مشکل زبان ہے۔ ہم اسے اس آسانی کے ساتھ نہیں سیکھ سکتے ہیں۔"

"زمرد! میں تم کو ایک ماہ میں طاق کر دوں گا ___ صرف ایک گھنٹہ روزانہ محنت کر ڈالو ___" مولانا عبدالسلام نے کہا۔

"میں تیار ہوں ___"

سعد نے اسد سے کہا۔ "___ اور میں آپ کا ذمہ لیتا ہوں بشرطیکہ آپ مجھے اردو میں بات چیت کرنا سکھا دیں۔"

اسد نے کہا۔ "___ اردو تو ایک ایسی زبان ہے جو ہندوستان میں رہ کر خود بخود آ جاتی ہے۔"

ایاز کے ایک ملازم نے دروازہ پر آ کر کہا۔

"حضور! میز جن دی گئی ہے صاحب نے آپ لوگوں کو سلام دیا ہے"
سب نے کھانا کھایا اور مولانا عبدالسلام رصدگاہ کے اسٹیشن ویگن پر معہ اپنے سامان کے چلے گئے۔ زمرد نے اپنی کوٹھی پر فون کیا اور کچھ دیر بعد اسکی کار آگئی۔ اسد نے اسکو رخصت کرتے ہوئے کہا۔

"میں آج رات کا کھانا سعد اور ایاز کے ساتھ شبستان میں کھاؤں گا اگر وقت ملے تو تم بھی آجانا ـــــــ"

"وقت ملنا کیا معنی میں ضرور آؤں گی۔ میں نے آج ہی سعد سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو لکھنؤ کی سیر کراؤں گی ـــــــ"

"ارملا، فیروزہ، منوہر سنگھ اور مینو بھی غالباً ہمکو وہیں ملیں گے"

زمرد ہاتھ ہلاتی ہوئی چلی گئی۔ شام کو ایاز اور اسد سعد کے ساتھ شبستان پہونچے زمرد باہر کھڑی ہوئی ان کا انتظار کر رہی تھی اس کے ساتھ اسکی تین سہیلیاں تسنیم، نوشابہ اور زہرہ جبیں بھی تھیں۔ ایاز اور اسد صرف تسنیم سے واقف تھے۔ زمرد نے سب کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا اور شبستان کے اندر داخل ہوئے سعد نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"واقعی لکھنؤ ہندوستان کا پیرس ہے۔"

کچھ ہی دیر بعد ارملا اور منوہر سنگھ بھی آگئے۔ فیروزہ اور مینو کسی ضرورت سے چارباغ چلے گئے تھے۔ سب نے ایک ساتھ کھانا کھایا اور باتیں کرتے ہوئے باہر آگئے۔ ارملا نے کہا۔

"آج ڈریم لینڈ میں ڈانس ہے۔ سنا ہے کوئی غیر ملکی بینڈ آیا ہوا ہے"

سعد کبھی ڈانس سے دل چسپی تھی سب باتیں کرتے ہوئے ڈریم لینڈ کی طرف چلے گئے۔ ان سے کچھ آگے چند نوجوان آپس میں باتیں کرتے اور قہقہے لگاتے ہوئے اسی طرف جا رہے تھے۔ ان میں لڑکیاں بھی تھیں۔ کسی بات پر سب نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا اسد نے ایاز سے کہا۔

"یہ تو فرخ معلوم ہوتا ہے!"

"جی ہاں ـــــ" زمرد نے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ تزئین بھی ہے۔ وہ منفشی غرارے والی ـــــ"

فرخ اور اس کے ساتھی چاکلیٹ اسٹال کے سامنے پہونچکر ٹھر گئے۔ اسد اور ایاز نے اس پارٹی سے بچکر نکل جانے کی کوشش کی لیکن تزئین نے اسد کو دیکھ لیا اور فرخ نے بڑھکر اسد کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"قسم خدا کی بہت سے۔ یقین مانو ـــــ آج تم بڑی طرح یاد آرہے تھے"

اسد نے فرخ کی بے سروپا باتوں کا جواب دینے کے بجائے سعد کو سب سے متعارف کرایا اور فرخ اور اس کے ساتھی بھی ایاز اور اسد کی جماعت کے ساتھ ڈریم لینڈ کی طرف روانہ ہو گئے ایاز نے فرخ نے اپنے ساتھیوں کے لیے داخلے کے ٹکٹ خریدے اور سب ہال میں پہونچ گئے۔ ہال کا ایک گوشہ نیپالی لڑکیوں اور نوجوانوں سے بھرا ہوا تھا۔ فرخ نے جھک کر اسد کے کان میں کہا۔

"ہمالیہ کی بلندیوں سے میدانوں کی پستیوں میں آنے والا حسن و شباب بھی دیکھ لو ـــــ"

"میں تو ایک مدت سے ان بلندیوں اور پستیوں سے بے تعلق ہو کر ایک

دہیاتی علاقہ میں زندگی بسر کررہا ہوں۔ ان شعلہ رخوں سے تم ہی جیسے نوجوان اپنی آنکھیں سینک سکتے ہیں۔"

"یہ کمبخت ہمالیہ کی برف کی طرح ٹھنڈی ہیں۔ ننگا پربت کی طرح یخ بستہ"
تزئین مسکراتی ہوئی ان کے پاس آگئی اور اسد سے پوچھا۔
"کیا سرگوشیاں ہورہی ہیں دونوں میں؟"
"فرخ مجھ سے دریافت کررہے ہیں کہ برف میں کس طرح حرارت پیدا کی جاسکتی ہے۔"

اسد نے ہنسکر جواب دیا۔
"برف یقیناً حرارت سے پگھل جاتی ہے" تزئین نے اپنے جواب کی اہمیت پر غور کیے بغیر کہدیا۔

سعد اور زمرد ان سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہوئے باتیں کررہے تھے۔
فرخ نے کہا۔ "زمرد بہت زیادہ رومان پسند ہوگئی ہے"
ایاز، منوہر سنگھ، ارملا، تسنیم اور نوشابہ کرسیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک گوشے کی طرف جارہے تھے۔
اسد نے فرخ سے کہا۔"—— آؤ چل کر بیٹھیں۔"
وہ سب بھی اسی طرف بڑھ گئے۔

دس منٹ بعد رقص شروع ہوا۔ نیپالی لڑکیاں اپنے ساتھی نوجوانوں کیساتھ رقص کرنے لگیں، زمرد نے سعد کے ساتھ رقص شروع کیا۔ فرخ نے اُسے دوبارہ رقص کرنے کی دعوت دی لیکن اس نے ہنسکر ٹال دیا۔ اسد اور ایاز اپنی پارٹی کیساتھ

گیارہ بجے ہال سے باہر نکل آئے۔ زمرد اپنی سہیلیوں کے ساتھ اپنی کوٹھی کی طرف چلی گئی۔

راستہ میں منوہر سنگھ نے اسد اور ایاز سے بتایا کہ وہ نیپالی لڑکیاں کھٹمنڈو کے چند دولت مند خاندانوں کی ہیں اور سیاسی شورش کی وجہ سے لکھنؤ آگئی ہیں۔ نیپالی عوام کا عقیدہ ہے کہ راناؤں کے لڑکے اور لڑکیاں صرف عیش کرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں ——"

سعد نے کہا "میں ہندوستان کو ایک پست ماندہ ملک تصور کرتا تھا لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ ملک بھی کسی اعتبار سے یورپی ممالک سے پیچھے نہیں ہے"
منوہر سنگھ بول اٹھا "—— لیکن یہاں کی اکثریت اس معاشرت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی ہے ——"

اسد نے کہا "اس دنیا کی باتیں چھوڑو —— ہم کو کل رات کی ٹرین سے نینی تال کے لیے روانہ ہوجانا چاہیئے"
سعد نے ایاز سے کہا "کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ میں اس پراسرار لڑکی کی وہ تقریر بھی سن سکوں جو عربی سے ملتی جلتی کسی دوسری زبان میں ہے ؟"
"مولانا عبدالتار کل صبح نو بجے آجائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ ایک بار پھر میری موجودگی میں آپس میں تبادلۂ خیال کرلیں۔"

"تبادلۂ خیال سے زیادہ ہمکو ان فلمس کے دیکھنے کی ضرورت ہے جو تم نے تیار کیے ہیں ——" اسد نے ایاز سے کہا "وہ فلمس میں اپنے ساتھ لیجاؤنگا تم میرے راکٹ کے لیے ایک ٹیلی ویژن جلد سے جلد تیار کرلو ——"

میں اس ماہ کے آخر تک تمہارے پاس آؤنگا۔ اس وقت تک میں ایک ایسا ٹیلی ویژن تیار کروں گا جو تمہارے راکٹ میں استعمال کیا جاسکے۔"

کار فراٹے بھرتی ہوئی رصدگاہ پہونچ گئی۔

دوسرے روز مولانا عبدالسلام۔ منوہر سنگھ، اسد، سعد، ارملا۔ زمرد اور ایاز میں بارہ بجے تک تبادلہ خیال ہوا۔ اس کے بعد پروجکشن تھیٹر میں ان عجیب و غریب مناظر کے فلم دیکھے گئے۔ سعد نے اس پراسرار لڑکی کی تقریروں کے بعض حصے بھی سنے اور باہر آکر اسد اور مولانا عبدالسلام سے کہا۔

" اس میں بعض الفاظ اس زبان کے ہیں جو عربوں، اسپینوں اور فرانسیسیوں کے میل جول سے اندلس میں بنی تھی اور بعد میں مولدین کی زبان کہلائی۔ خلیفہ عبدالرحمن ثانی کے دور میں اس زبان کو اسپین میں وہی درجہ حاصل تھا جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں افرنجی زبان کو حاصل تھا"

" میرا بھی یہی خیال تھا" مولانا عبدالسلام نے کہا —— "لیکن چوں کہ میں فرانسیسی اور دیگر یوروپی زبانوں پر عبور نہیں رکھتا ہوں اس لیے ان الفاظ کو نہ سمجھ سکا"

سعد نے کہا "اس میں بیشتر الفاظ بگڑی ہوئی عربی کے ہیں۔ لیکن کچھ الفاظ ایسے بھی ہیں جو عربی، اسپینی، پرتگالی اور فرانسیسی زبانوں کے ہیں۔

اسد نے کہا "اب اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ گئی ہے کہ ابوالصلت اپنی ہوائی کے ذریعہ کسی دوسرے سیارے تک پہونچا۔ خلیفہ وقت کے عتاب سے ڈر کر اس نے اور اس کے ساتھیوں نے وہاں پناہ لی اور وہاں اس کی نسل آجتک آباد ہے اور برابر ترقی کرتی رہی ہے"

"بہرحال ہم کو آج ہی یہاں سے روانہ ہوجانا چاہیے۔"

"میں آپ حضرات کو اسٹیشن پر ملوں گا۔"

مولانا عبدالسلام زمرد کی کار پر چلے گئے۔ سعد بھی تاریخی عمارتیں دیکھنے کی غرض سے زمرد کے ساتھ چلا گیا۔

اسد اپنی پارٹی کے ساتھ دوسرے روز سہ پہر تک اپنی کوہستانی قیام گاہ میں پہونچ گیا۔ راکٹ تیار ہوچکا تھا اور ڈاکٹر ایرچ ضروری تجربات بھی کرچکا تھا مزید تیقن کے لیے دوسرے روز اسد تمام دن اپنی ہوائی کو دیکھتا رہا، اس نے دو ٹنکیوں میں ایندھن بھرا اور خالی کیا۔ ایندھن کو طاقتور گیس میں تبدیل کرنے والے آلات اور مشینری کو متعدد بار چلا کر دیکھا۔ سعد کے لیے یہ ہوائی ایک نئی چیز تھی۔ وہ بھی تمام دن اسد کے ساتھ رہا۔ ڈاکٹر جمیل کا خیال تھا کہ اس ہوائی کو ایک بار تجربہ کے طور پر فضا میں لے جایا جائے لیکن اسد نے اس ہوائی کے لیے جو مشینری بنائی تھی اسے اس کو اعتماد تھا۔ اس لیے تجرباتی پرواز کے بجائے یہ قرار پایا کہ جس قدر جلد ممکن ہوسکے اسد اپنی جماعت کے ساتھ روانہ ہوجائے،

اسد کا ایلی کوپٹر آچکا تھا۔ اس مہم کی تیاری میں وہ بہت کارآمد ثابت ہوا اور ایک ہفتہ کی قلیل مدت میں ایک سال کی ضرورت کے لیے ہر چیز فراہم کر لی گئی اسد دو بار لکھنؤ آیا اور آخری بار ایاز اور اس کے دو ساتھیوں کو بھی اپنے ہمراہ اپنی رصد گاہ لے گیا۔ ایاز کا تیار کردہ نیا ٹیلی ویژن بھی ہوائی میں لگا دیا۔ اس ٹیلی ویژن کے علاوہ تین طاقتور ریڈیو اور پیغامات نشر کرنے والے دو طاقتور ٹرانسمیٹر بھی لگا دیے گئے۔

ہندوستان کے چار مشہور ماہرین فلکیات اسد کی رصد گاہ میں پہونچ چکے تھے

اور ایاز کے بتائے ہوئے فاصلہ پر فضائے بسیط میں اس سیارے کو تلاش کر رہے تھے جو زحل اور عطارد سے بھی زیادہ فاصلہ پر اپنے محور پر گردش کر رہا تھا۔ ڈاکٹر ایرچ اور ایاز نے مشاہدات کی تیسری رات کو چھ گھنٹے کی کوشش کے بعد اپنی فلک بین سے اسے دیکھ لیا۔ مدراس کے مشہور ماہر اجرام فلکی ڈاکٹر راما سوامی کو اسی وقت ان کی خواب گاہ سے بلایا گیا۔ اگرچہ ان کی طبیعت ناساز تھی لیکن وہ اسی وقت گون پہنے ہوئے آگئے۔ اور نصف گھنٹہ تک فلک بین سے مشاہدہ کرنے کے بعد انھوں نے اسکی تصدیق کر دی کہ ایاز نے اپنے ٹیلی ویژن اور ریڈار کی مدد سے جو فاصلہ بتایا ہے وہ کسی حد تک صحیح ہے اور اسی فاصلہ پر کائنات میں ایک بڑا سیارہ ہے۔

ڈاکٹر ایرچ ایاز اور ڈاکٹر شرات نے مشاہدات کے بعد ہی یہ بھی تیقن کے ساتھ بتا دیا کہ اس کا قطر تقریباً آٹھ ہزار میل ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر راما سوامی نے اگرچہ اس سے اختلاف کیا لیکن اسد نے دوسرے ہی روز اجرام فلکی کے نقشے میں اسکا مقام و تورع دریافت کر لیا اور اس پر ایک سرخ نشان بنا دیا گیا

ڈاکٹر راما سوامی اور ڈاکٹر سین گپتا کا کہنا تھا کہ ان کو کسی ایسے سیارے کا علم نہیں رہا ہے جو کرۂ ارض سے دو ارب ۹ کروڑ ۸۰ لاکھ میل کے فاصلہ پر ہو۔ گزشتہ دو سو برس سے کسی ماہر فلکیات نے کسی ایسے سیارے کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ لیکن مولانا عبدالسلام اور ڈاکٹر منوہر سنگھ ان دونوں ہیئت دانوں کے اس خیال کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ شیخ ابو صالح کے کتب خانہ سے انھوں نے جو معلومات حاصل کی تھیں وہ ان کے لیے کافی تھیں۔ ابو الصلت نے سات آٹھ سو سال قبل اس سیارے کو دریافت کیا تھا اور وہ وہاں پہونچ چکا تھا۔

اسد نے اپنے رفقائے کار سے مشورہ کیا۔ مولانا عبدالسلام، زمرد اور ارملا نے اس سیارے کی تصدیق کی زمرد نے اپنی یادداشت کی کاپی کھول کر چند صفحات پڑھے اور سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یہ سیارہ ابوالصلت اور اس کے ہم عصر ہیئت دانوں نے دریافت کیا تھا اور اس کا نام ثفر رکھا۔ عربی زبان میں دُم کے آخری حصہ یا جھنگی کو ثفر کہتے ہیں۔"

اسد فوراً بول اٹھا۔ "ہم اس نئے سیارے کو ثفر کہیں گے۔"

ارملا نے کہا۔ "ایک پرتگالی ہیئت داں نے سترھویں صدی عیسوی میں ایک ستارے کے متعلق انکشاف کیا تھا اس نے اس ستارے کو سائی فر لکھا ہے ہو سکتا ہے کہ ثفر ہی بگڑ کر بعد میں سائی فر کہلایا ہو۔ وہ اس دنیا سے یقیناً بہت فاصلہ پر ہے اور فلک بین کے بغیر نظر نہیں آسکتا ہے لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ وہ ہمارے نظام شمسی سے باہر ہے۔"

"بہرحال یہ دوری ہم کو وہاں تک پہونچنے سے نہیں روک سکتی ہے۔" اسد نے عزم صمیم کے ساتھ کہا۔ "میرا راکٹ ایک روز سطح ثفر پر ضرور اترے گا انشاء اللہ تعالیٰ"

"آمین ______" مولانا عبدالسلام نے بآواز بلند کہا۔

ڈاکٹر راما سوامی، ڈاکٹر شراف، عادل جی اور ان کے ساتھی دوسرے روز اپنے مرکزوں کی طرف واپس چلے گئے۔ ایاز، اسد، ارملا اور ڈاکٹر جمیل نے نئے نقشے تیار کیے اور مولانا عبدالسلام نے روانگی کی تاریخ مقرر کر دی اور دوسرے ہی روز اخبارات کے صفحہ اول پر جلی عنوانات سے یہ خبر شائع ہوگئی کہ ہندوستان کا مشہور سائنسداں ڈاکٹر اسد ۱۵ر جولائی کو اپنی رصدگاہ سے اپنے راکسٹر کو

فضائے بسیط میں لیجائے گا۔ اس مہم میں حصہ لینے والوں کے نام اور تفصیل کو صیغۂ راز میں رکھا گیا تھا لیکن اس کے باوجود چند اخبارات نے دو درجن سے زائد سائنسدانوں کے نام شائع کر دیے۔

اسد کو معلوم تھا کہ اخبارات میں خبر شائع ہوتے ہی اس کی رصدگاہ اخباری نمائندوں اور اخبار نویسوں کی آماجگاہ بن جائے گی اس لیے اس نے لکھنؤ سے ایاز کے ایک نائب ڈاکٹر مجیب کو بلا کر رابطہ اور اطلاعات کا کام اس کے سپرد کر دیا اور خود ایک جدید تجربہ میں مصروف ہو گیا۔ اس نے یہ تجربہ ایک تانبہ کی نلکی پر شروع کیا۔ کسی کو اس کا علم نہیں تھا کہ اس سے اس کا مقصد کیا ہے وہ روزانہ اپنے رفقاء کار سے تبادلۂ خیال کرتا رہتا تھا۔

سعد کا زیادہ وقت ان قدیم قلمی نسخوں کے مطالعہ میں گزارتا تھا جو وہ رضوان سے اپنے ساتھ لایا تھا ایک روز اس نے اسد، مولانا عبدالسلام، ارملا، زمرد منوہر سنگھ اور ڈاکٹر ایرچ کی موجودگی میں بتایا کہ وہ سیارہ جہاں وہ لوگ جانیوالے تھے واقعی آٹھ سو سال قبل دریافت کیا گیا تھا۔ اسے قرطبہ کے ایک ہیئت داں زبیر بن فاروق الحسنی نے دریافت کیا تھا۔ اس نے مولانا عبدالسلام کی طرف ایک کتاب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ملاحظہ فرمایئے ـــــ اس میں تفصیل کے ساتھ نفر کا تذکرہ ہے۔"

مولانا عبدالسلام نے آہستہ سے کتاب کو کھولا۔ کاغذ کے رنگ ہی سے ظاہر ہو رہا تھا ـــ کہ وہ بوسیدہ ہو چکا ہے۔ مولانا عبدالسلام نے نشانی لگے ہوئے صفحہ کو کھولا اور پڑھنے لگے۔ سب خاموش بیٹھے ہوئے ان کی طرف دیکھ رہے تھے

دوچار صفحات پڑھنے کے بعد مولانا عبدالسلام نے اپنی آنکھوں پر سے چشمہ اُتارتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ـــــ بہت ٹھیک ـــــ گویا اب ثُفر کے متعلق کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی ہے" انھوں نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"زبیر بن فاروق الحسنی نے چند ستاروں کے جھنڈ کو ثرملہ کا نام دیا۔ ثرملہ عربی میں مادہ لومڑی کو کہتے ہیں۔ یہ نام اس لیے دیا گیا کہ اس جھنڈ کے ستاروں کو خطِ مستقیم کھینچکر ایک دوسرے سے ملانے کے بعد لومڑی کا خاکہ بنجاتا ہے۔ زمانہ قدیم کے ہیئت دانوں نے بیشتر ستاروں کو ایسے ہی ناموں سے موسوم کیا ہے"

سب خاموش بیٹھے ہوئے مولانا عبدالسلام کی طرف دیکھ رہے تھے انھوں نے ایک بار پھر اس کتاب کے ایک صفحہ پر نظر ڈالی اور ایک ساعت بعد بولے۔

"ثُفر دم کو کہتے ہیں۔ ستاروں کے جھنڈ سے جو لومڑی بنتی ہے یہ ستارہ اسکی دم کی پھننگی پر آتا ہے۔ یہ بہت زیادہ روشن ہے۔ اسی لیے اس کو ثُفر کہا گیا بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ زبیر بن فاروق نے صرف ثرملہ ہی کو دریافت کیا اس میں ثُفر بھی تھا لیکن اس کو کوئی خاص نام سے نہیں موسوم کیا گیا۔ لیکن جب ابوالصلت کو ان سیاروں کے متعلق علم ہوا تو اس نے ہر ستارے کا مشاہدہ کیا اور اس سیارے کو ثُفر کے نام سے موسوم کیا" مولانا نے اسد کی طرف دیکھا اور کتاب بند کر دی۔

اسد نے کہا "بہرحال ثُفر کوئی نیا سیارہ نہیں ہے"

اس سیارے کے متعلق سب بہت دیر تک آپس میں تبادلہ خیال کرتے رہے

روانگی میں صرف تین ہفتے باقی رہ گئے تھے۔ اس لیے قرار پایا کہ جو شخص اپنے مکان جانا چاہے پندرہ روز کے لیے جا سکتا ہے۔ اسد نے سعد سے کہا

"اگر آپ مراکش جانا چاہتے ہیں تو جا سکتے ہیں!"

"میں سب سے رخصت ہو کر آیا ہوں!"

زمرد بول اٹھی "تو میرے ساتھ چلیے۔ میں آپ کو ہندوستان کے تاریخی مقامات دکھلاؤں ——"

سعد تیار ہو گیا اور دوسرے روز مولانا عبدالسلام، زمرد، سعد، ارملا، منوہر سنگھ ڈاکٹر ایرج، ڈاکٹر جمیل اور ایاز لکھنؤ کے لیے روانہ ہو گئے۔

زمرد نے لکھنؤ پہنچتے ہی اپنی ضروریات کی چیزوں کی فہرست اپنے بھائی کو دی اور سعد کے ساتھ آگرہ پہونچی۔ تاج محل کو دیکھ کر سعد کو مدینۃ الزہرا یاد آگیا۔ اس نے زمرد سے کہا۔

"ہندوستان کے مسلمانوں نے اس ملک میں اپنے قدم جما لیے اور وہ آج تک یہاں موجود ہیں۔ اس لیے ان کی اسلاف کی یادگاریں بھی محفوظ ہیں لیکن اندلسی مسلمانوں نے عیش و عشرت میں پڑ کر اپنا سب کچھ تباہ کر دیا اور خود بھی تباہ ہو گئے۔"

زمرد نے کہا "واقعی مدینۃ الزہرا بھی اپنے وقت کا ایک شاندار شہر ہو گا اسکے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے عروج کے دور میں بہت خوشنما اور شاندار شہر ہو گا۔"

آگرہ کے بعد دونوں نے دہلی کی سیر کی وہاں سے جے پور اور جودھپور گئے

ہوئے آلڈویِ لوزہی پہنچے اور بارہویں روز لکھنؤ واپس آ گئے۔ اس اثنا میں دونوں ایک دوسرے کی زبان سمجھنے اور بولنے لگے تھے۔ اور کسی کسی وقت انگریزی یا فرانسیسی زبانوں کے علاوہ اردو اور عربی میں بھی باتیں کرتے تھے۔

سعد ایک چھبیس سالہ خوش رو مراکش عرب تھا۔ اس نے پیرس میں تعلیم پائی تھی اور ڈاکٹری کی سند بھی وہیں سے حاصل کی تھی۔ وہ خاموش طبیعت کا ایک اولوالعزم نوجوان تھا۔ ہندوستان کی سیاحت کے دوران میں دونوں میں کافی بے تکلفی ہو گئی تھی زمرد اس کے قرب سے ایک گونہ مسرت محسوس کرنے لگی تھی اور سعد کی طبیعت بھی اس کی عدم موجودگی میں بے کیف ہو جاتی تھی۔ لکھنؤ پہونچتے ہی زمرد کی عزیز ترین سہیلی تسنیم نے اس کو الوداعی پارٹی دی اس روز اسد بھی کسی ضرورت سے لکھنؤ آیا تھا۔ اس نے بھی اس پارٹی میں شرکت کی۔

ارملا، منوہر سنگھ، مولانا عبدالسلام، ایاز، ڈاکٹر ایرچ اور زمرد کے چند دیگر دوست بھی اس دعوت میں شریک ہوئے، دوسرے روز ایاز نے اسد اور اسکے ساتھیوں کے اعزاز میں ایک عشائیہ کا انتظام کیا۔ اسی روز شام کو ارملا نے مولانا عبدالسلام سے کہا۔

"مولانا! اگر روانگی سے قبل ہم لکھنؤ ہی میں ایک پُرمسرت تقریب منالیں تو کیسا رہے ــــــ؟"

"میرے خیال میں تو ہم ایسی تقاریب منا رہے ہیں۔ کل تسنیم نے پارٹی دی آج ایاز صاحب کے یہاں دعوت ہے ــــــ"

"میں اور ہیں کیا ہم سب یعنی تسنیم، منوہر سنگھ، ڈاکٹر ایرچ، اور خود اسد صاحب

اس سے بھی زیادہ پرمسرت تقریب منانا چاہتے ہیں ——— اور چونکہ آپ ہم سب میں بزرگ ہیں اس لیے ہم سب کی یہ تمنا ہے کہ اس تقریب کا سلسلہ آپ ہی شروع کریں اور آج ——— یعنی ——— یعنی یہ کہ میں آپ کی بیٹی کا درجہ رکھتی ہوں خود کیا کہہ سکتی ہوں لیکن ———"

ارملا کو ہچکچاتے دیکھ کر تسنیم بول اٹھی۔

"زمرد اور سعد ایک دوسرے سے بہت مانوس ہو چکے ہیں۔ ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں اس لیے کیا ہی اچھا ہو کہ یہیں دونوں کا عقد ہو جائے۔"

"اوہ ———" مولانا خوش ہو کر اپنی گھنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرائے۔

ارملا نے کہا "سعد ابتک محض اس لیے خاموش رہے ہیں کہ وہ یہاں خود کو ایک غیر ملکی سمجھ رہے ہیں ——— ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کو اپنا ئیں۔"

"اگر زمرد تیار ہے تو اس سے بڑھکر ہم سب کے لیے خوشی کی اور کونسی بات ہو سکتی ہے۔"

مولانا عبدالسلام نے ارملا اور تسنیم کو جواب دیا۔

تسنیم نے کہا "زمرد بالکل تیار ہے۔ اس کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔"

مولانا عبدالسلام نے اسد سے باتیں کرنے کے بعد ایاز کی رصدگاہ میں کھانے سے قبل اس نسبت کا اعلان کر دیا اور دوسرے روز زمرد کی کوٹھی پر بعد نماز ظہر مولانا عبدالسلام نے زمرد اور سعد کو زوجین کے رشتہ میں منسلک کر دیا۔

زمرد کی کوٹھی پر رات کے کھانے کے بعد ہی زمرد سعد، اسد، ارملا، منوہر سنگھ

(۱۴)

اسد، ایاز اور مولانا عبدالسلام مہم پر جانے والوں کا انتخاب روانگی کی تاریخ کے تعین کے ساتھ ہی کر چکے تھے لیکن مصلحتاً ان کو صیغۂ راز میں رکھا گیا تھا۔ اسد کی رصدگاہ میں اخبار نویسوں اور رپورٹروں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ وہ نینی تال سے پیدل چل کر اس پراسرار دو منزلہ عمارت تک پہونچ رہے تھے جہاں سے راکٹ فضائے لبسیط میں پرواز کرنے والا تھا۔

اسد نے اپنی رصدگاہ میں پہونچتے ہی نجیب سے کہدیا کہ وہ ناموں کا اعلان کردے۔ دوسرے ہی روز اخبارات میں فہرست شایع ہوگئی۔ اسد اس مہمانی جماعت کا قائد تھا، مولانا عبدالسلام اپنے علم و فضل، بزرگی اور تجربات کی وجہ سے اس مشن کے صدر کی حیثیت رکھتے تھے۔ سعد مراکش کا ایک کامیاب ڈاکٹر تھا اور پیرس کے سب سے بڑے ہسپتال میں دو سال تک تجربات حاصل کر چکا تھا اسلیے اسے مشن کا طبی نگراں مقرر کیا گیا۔ دیگر اراکین مشن کے نام اور فرائض حسب ذیل تھے۔

ڈاکٹر منوہر سنگھ ______ پائلٹ

ڈاکٹر ایرچ شاہپور ______ پائلٹ

مینو بزرجمہر ______ معاون

انعام اللہ ______ معاون

ڈاکٹر جمیل ——— ہیئت داں

مس ارملا ——— معاون

زمرد سعد ——— معاون طبی نگراں و نگراں توشہ خانہ و مطبخ

نیر دزہ ——— ماہر نباتات و جمادات و شاہد

جاوید انصاری ——— شاہد خصوصی و مہتمم نشر گاہ

یوسف پرویز ——— معاون مہتمم نشر گاہ اور خاکہ نویس

نعیم سرکار ——— فوٹوگرافر

میمونہ آفاق ——— معاون عمومی و نمائندہ پریس

جمیل نعمانی ——— مہتمم محافظ خانہ و نمائندہ پریس

منے خاں، عبدالرحیم، امتیاز اور مجید باورچی، خدمت گار اور ایسی ہی دیگر خدمات کے لیے چنے گئے تھے۔ منے خاں ان کے افسر مقرر کیے گئے تھے، چاروں ملازم عرصے سے اسد کی رصد گاہ میں تھے اور دارالتجارب میں سائنس دانوں کا ہاتھ بٹاتے رہتے تھے اس لیے ایسے ہی دیگر فرائض بھی ان کو تفویض کیے گئے تھے۔

روانگی سے دو روز قبل حکومت کی طرف سے اسد اور اس کے مہماتی مشن کے اراکین کو مینی تال میں الوداعی پارٹی دی گئی۔ اسد ایاز اور اس کے جملہ رفقائے کار آکر رصد گاہ چلے گئے۔ دوسرے روز ہر شخص انتہائی مصروف نظر آ رہا تھا۔ اخبار نویس اور پریس فوٹوگرافر احاطے میں ہر طرف ٹہل رہے تھے۔ حکومت کی طرف سے اگرچہ مینی تال سے رصد گاہ تک پولیس کا پہرہ لگا دیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود خصوصی اجازت نامے حاصل کر کے لوگ پہنچ رہے تھے۔ اخباری نمائندوں اور

حکام متعلقہ کے لیے مقامی حکومت کی طرف سے رصدگاہ کے باہر چٹان پر جابجا خیمے استادہ کر دیے گئے تھے۔

مہمانِ مشن کے اراکین کے رشتہ داروں کے لیے بھی رصدگاہ کے احاطہ میں خیمے نصب کر دیے گئے تھے۔ مہاتی مشن کے اراکین بھی تمام رات اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے۔ علی الصبح مولانا عبدالسلام نے احاطہ میں نماز فجر پڑھائی، اخبار نویس، فوٹوگرافر اور دیگر افراد بھی تمام رات ادھر ادھر خوش گپیاں کرتے رہے اور اس طرح رصدگاہ کے احاطہ میں اور اس کے باہر تمام رات چہل پہل رہی۔

صبح اسد نے اخباری نمائندوں، پریس فوٹوگرافروں اور دیگر مہمانوں کو ایک گھنٹے کے لیے راکٹ دیکھنے کی اجازت دی، گیارہ بجے تک ضرورت کا آخری سامان بھی ہوائی میں پہونچا دیا۔ ٹھیک بارہ بجے اراکین مہاتی مشن نے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ سب سے مصافحہ کیا اور ہوائی میں داخل ہو گئے۔ رصدگاہ کے سائنسداں اور ملازم، ایاز اور اس کے ساتھی، نمائندگان اخبار اور پریس فوٹوگرافر اور دیگر مہمان نصف دائرہ کی شکل میں راکٹ سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو گئے۔

راکٹ کے اندر منوہر سنگھ، ڈاکٹر ایرچ ساہبور، سعد، زمرد، ارملا، فیروزہ میمونہ آفاق، جاوید، یوسف پرویز، انعام اللہ، مینو بزرجمہر، جمیل اور نعیم سرکار اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تھے، مولانا عبدالسلام دروازے پر کھڑے ہوئے تھے انھوں نے سب کی طرف دیکھا اور بلند آواز میں صرف اسی قدر کہا۔

"ہم کرۂ ارض سے جا رہے ہیں۔ لیکن اس خدا کی خدائی ہی میں رہیں گے آپ سب اسی سے دعا کریں کہ وہ ہم کو ہمارے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔"

سب نے ایک ساتھ آمین کہا

مولانا عبدالسلام "خدا حافظ" کہکر اندر چلے گئے۔ اسد نے بڑھ کر ان کی جگہ لے لی، سب کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ اس کا ایک ہاتھ سلام کے لیے اٹھا اور دروازہ بند ہو گیا۔

سب کی نگاہیں ہوائی پر جمی ہوئی تھیں، ہوائی کے عقبی حصہ کے سرے پر ایک شعلہ بہت تیزی کے ساتھ گردش کرتا ہوا نظر آیا۔ ایاز نے آگے بڑھکر چٹان پر لگے ہوئے ایک دستے کو پوری طاقت سے اپنی طرف کھینچا اور آہنی شہتیروں میں جڑے ہوئے قبضے ہوائی کی بیرونی سطح سے علیحدہ ہو گئے۔ ہوائی آہستہ آہستہ آگے بڑھی اسی کے ساتھ اس کے عقبی سرے کا آتشیں ہالہ بڑھنے لگا۔ اس کا رنگ نیلگوں سُرخ ہونے لگا

ہوائی اسی رفتار سے رینگتی ہوئی پلیٹ فارم کے اس حصہ میں پہنچ گئی جو نصف دائرہ کی شکل میں بنایا گیا تھا اور اس کا بلند ترین سرا نشیبی پلیٹ فارم سے اسّی درجہ کا زاویہ بنا رہا تھا۔ سب راکٹ پر نگاہیں جمائے بے حس و حرکت کھڑے ہوئے تھے۔ ہوائی نے یکایک ایک نیلگوں شعلہ خارج کیا اور اس کی رفتار ایک غیر معمولی آواز کے ساتھ تیز ہوئی اور اپنے پیچھے ایک آتشیں لکیر چھوڑتی ہوئی چند سکنڈ میں فضا میں غائب ہو گئی۔

رصدگاہ کے سامنے میدان میں کھڑے ہوئے ہر فرد کی نگاہیں آسمان کی

طرف تھیں مادہ پرست اور اسد کی اس کوشش کو انسان کی ترقی کی معراج سمجھنے والوں کی نگاہیں ہوائی سے خارج شدہ اس بھوری لکیر پر جمی ہوئی تھیں جو آہستہ آہستہ معدوم ہو رہی تھی لیکن خدا کے وجود کے قائل اس سے بھی دور —— بہت دُور۔ فضائے بسیط میں کسی غیر مرئی نقطہ پر نگاہیں جمائے ہوئے خلاق اعظم سے زبانِ حال سے کہہ رہے تھے کہ اے باری تعالےٰ —— تیرا ایک ناچیز بندہ تیرے ہی سہارے پر تیرا نام لے کر تیری پیدا کی ہوئی کسی دوسری دنیا کی طرف جا رہا ہے تو اس کی مدد کر —— سب پتھر کے مجسموں کی طرح ساکت و صامت تھے اور آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے ان کی نگاہیں جس ہوائی کے غیر مرئی راستے پر دوڑ رہی تھیں۔ وہ انسان کی پرواز خیال سے بھی آگے نکل چکی تھی۔

ہوائی میں بیٹھا ہوا ہر فرد بھی پتھر کی مورتیوں کی طرح بے حس و حرکت تھا۔ ان سب کی نگاہیں اسد منوہر سنگھ اور ایرج شاہپور پر جمی ہوئی تھیں، اسد منوہر سنگھ اور ایرج شاہپور کبھی فضائے بسیط میں حد نگاہ تک دیکھتے اور کبھی اس گھڑی پر نگاہیں جما دیتے تھے جو ان کے سامنے میز پر دوسری پانچ گھڑیوں کے درمیان لگی ہوئی تھی۔

دنیا والوں کی نظر میں یہ اہم موت کا سفر تھا اس لیے اس مہماتی مشن کے ہر رکن کا چہرہ کسی نامعلوم خوف سے زرد اور آنکھوں میں یاس کی جھلک ہونا چاہیے تھی لیکن اس کے برعکس ہر فرد کی آنکھیں مسرت سے چمک رہی تھیں، اور عزائم کی پختگی اور نئے ولولوں، نئے جوش اور نئی تمناؤں نے ان کے چہروں کے رنگ کو نکھار دیا تھا۔ ان کے دل خوشی سے معمور تھے ان کے بشرے سے صاف

ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی ایسی چیز کو دیکھنے جا رہے جس کا ان کو عرصہ سے اشتیاق تھا کچھ دیر تک خلائے آسمانی میں دیکھنے کے بعد اسد منوہر سنگھ کے پاس بیٹھ گیا اور ایک ہینڈل کو پکڑ کر کھینچا۔ راکٹ کی دونوں دیواروں میں ہر کرسی کے سامنے روزن کھل گئے اور ہر شخص باہر کی طرف دیکھنے لگا، ہوائی کرہ ارض سے اس قدر دور پہونچ چکی تھی کہ وہ اب ایک بہت بڑا سرمئی رنگ کا گولا نظر آرہا تھا، مولانا عبدالسلام نے کرہ ارض کی طرف دیکھتے ہی اپنی گھنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اے ارض مقدس تجھ پر بسنے والوں کو لاکھوں سلام ——— خدا کے اس بندے پر جو رسول بھی تھا درود و سلام ——— اور ان سب پر درود و سلام جنھوں نے خدا کی وحدانیت کے ساتھ ہم کو یہ بھی بتایا دوسری دنیائیں بھی ہیں ——— بے شک اللہ سب سے بڑا ہے۔"

زمرد نے پیچھے مڑ کر مولانا عبدالسلام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مولانا! ہم دنیا میں رہ کر بھلا یہ فردوسی نظارے کہاں دیکھ سکتے تھے"

"فردوس اور اس کے نظارے صرف ان ہی لوگوں کے لیے ہیں جو اسکے بنائے ہوئے راستوں پر چلتے ہیں۔"

ہر شخص قریب ترین روزن سے کرہ ارض کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسکی جسامت لحظہ بہ لحظہ چھوٹی ہوتی جا رہی تھی۔

جاوید نے اپنی دوربین سے کرہ ارض کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی تک کرہ ارض کے نقوش صاف نظر آرہے ہیں دریا اور جھیلیں

پہاڑ ——— اور ——— اور ———

وہ یکایک خاموش ہو گیا اور کسی چیز کو بغور دیکھنے لگا اور ایک لمحہ بعد بولا۔

"یہ ماہتاب ہے ——— کرۂ ارض کے عقب سے طلوع ہو رہا ہے"

کچھ ہی دیر بعد چاند دور بین کی مدد کے بغیر صاف نظر آنے لگا۔ اس وقت ہوائی فضائے بسیط کے جس حصے میں پرواز کر رہی تھی وہاں سے کرۂ ارض کچھ نیچا اور چاند اس سے کچھ بلندی پر نظر آرہا تھا اور لحظہ بہ لحظہ بلند اور چھوٹا ہوتا جا رہا تھا اور کرۂ ارض کے مقابلہ میں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ایک فٹ بال کے مقابلہ میں اخروٹ۔

اسد نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"اب آپ لوگ اپنے اپنے کیبن میں جا کر اپنے فرائض کی ادائیگی شروع کر دیں۔ ہم کو روانگی کے وقت سے واپسی تک کا مکمل ریکارڈ رکھنا چاہیئے ———"

سب اپنے اپنے کیبن میں چلے گئے۔ پائلٹ کی سیٹ پر صرف منوہر سنگھ رہ گیا۔ ایرج شاہپور، میمونہ آفاق اور جمیل نعمانی اپنی جگہ سے اٹھکر مولانا عبدالسلام کے پاس آ گئے۔ وہ ابھی تک اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسد، ڈاکٹر جمیل کے کیبن میں تھا۔

میمونہ نے ایرج شاہپور سے کہا۔

"روانگی سے قبل میرے کیبن کی خطرے کی گھنٹی خراب ہو گئی تھی آپ نے کہا تھا کہ وہ روانگی کے بعد ٹھیک ہو جائے گی"

ابرج اُٹھا ہی تھا کہ اسد آگیا اور اس نے میمونہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

"تمھارے کیبن کی گھنٹی کا سلسلہ ٹھیک کر دیا ہے۔ ذرا اپنے کیبن میں جاکر آواز تو دو۔"

میمونہ اپنے کیبن میں چلی گئی۔ اسد نے منوہر سنگھ کے پاس پہونچکر گھنٹی بجائی، ارملا، فیروزہ اور جاوید اپنے اپنے کیبن سے گھبرائے ہوئے نکلے۔ اسد نے ان کو دیکھتے ہی کہا۔

"میں گھنٹیوں کا سلسلہ درست کر رہا ہوں!"

اس کا جملہ ختم ہوتے ہی میمونہ آگئی اور اسد کو دیکھتے ہی دُور سے بلند آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے"

ارملا۔ فیروزہ اور جاوید واپس چلے گئے۔ مولانا عبدالسلام روزن سے باہر فضا کی نیلی گہرائیوں میں اس طرح نگاہیں جمائے ہوئے تھے گویا کسی چیز کو تلاش کر رہے ہیں۔ منوہر سنگھ کی نگاہیں سامنے لگے ہوئے دبیز شیشے سے اس بار اپنی منزل تلاش کر رہی تھیں اسد ایک ایک چیز کو دیکھتا پھر رہا تھا بین الاقامتی آلہ نشر الصوت کا سلسلہ بھی ملایا جا چکا تھا اور ہر شخص اپنے کیبن میں بیٹھ کر دوسروں سے بات چیت کر سکتا تھا۔

کرۂ ارض لحظہ بہ لحظہ چھوٹا ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے نقوش بھی مٹ چکے تھے اور اب سرمئی رنگ کے بجائے اس کا ایک حصہ سفید اور ایک سیاہ ہوتا جا رہا تھا۔ راکٹ کے دائیں رُخ کے روزنوں سے کرۂ ارض نظر آ رہا تھا اور

آفتاب بائیں رُخ پر چمک رہا تھا لیکن راکٹ میں بیٹھنے والوں کے لیے نہ تو اسکی حرارت میں وہ تیزی تھی جو وہ دنیا میں محسوس کرتے تھے اور نہ وہ روشنی تھی جس سے کرۂ ارض کی سطح پر آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ خلائے آسمانی میں حد نظر تک سیارے نظر آرہے تھے، ان میں بعض روشن تھے اور بعض کائنات کے اس نیلے دامن پر سیاہ اور دھندلے دھبوں کی طرح نظر آرہے تھے۔ ان میں بعض بالکل نزدیک تھے اور سرمئی رنگ کے گیندوں اور غبارہ کی شکل سے مشابہ نظر آرہے تھے اور جو دور تھے ان میں فاصلہ کی مناسبت سے کم و بیش چمک پیدا ہو چکی تھی۔

ہندوستان کے وقت کے مطابق اب تین بجے تھے۔ منوہر سنگھ کے دائیں اور بائیں ہاتھ پر دو گھڑیاں دیوار میں لگی ہوئی تھیں۔ دونوں کے ڈائل پر ایک نقرئی دائرہ چمک رہا تھا۔

اس دائرہ کا یہ مطلب تھا کہ اس وقت ہندوستان میں دن ہے اور آفتاب چمک رہا ہے۔ تین بجکر دس منٹ پر سب اس بڑے کمرے میں آگئے جو عام نشست گاہ کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔

مولانا عبدالسلام نے اسد سے کہا، تمہارے ساتھی غالباً دنیا سے لاسلکی رابطہ قائم کر چکے ہوں گے۔"

اسد کے بجائے جاوید انصاری نے جواب دیا" جی ہاں۔ میں ابھی ایاز سے ریڈیو ٹیلیفون پر بات چیت کر چکا ہوں۔ بعد نماز مغرب وہ پھر سلسلہ ملائیں گے۔ ریڈار کی لہریں ہر دس منٹ بعد ہمارے راکٹ سے ٹکرا کر اپنے مخرج کی طرف واپس ہو رہی ہیں، اسی طرح ہم اپنی لہریں کرۂ ارض تک بھجوا رہے ہیں اور وہ اس سے

ٹکرا کر واپس آ رہی ہیں ـــــــ۔

منوہر سنگھ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلتا ہوا اسد کے پاس آیا اور اس کی کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

ارملا نے اس سے دریافت کیا۔

"اس وقت ہوائی کس رفتار سے جا رہی ہے۔؟"

"روشنی کی رفتار سے بیس گنا کم رفتار سے یعنی نو ہزار تین سو میل فی سکنڈ"

"نو ہزار تین سو میل فی سکنڈ ـــــــ؟" مولانا عبدالسلام نے گھبرا کر کہا۔

"جی ہاں نو ہزار تین سو میل فی سکنڈ۔ روشنی ایک سکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کا فاصلہ طے کر لیتی ہے"

اسد نے کہا "اب ہمارا راکٹ انجن سے نہیں بلکہ رو ثقل کی طاقت سے ثقر کی طرف کھنچ رہا ہے"

"لیکن ثقر ہی کی طرف کیوں کھنچ رہا ہے ـــــــ زہرہ، مریخ، مشتری یا عطارد کی کشش کیوں نہیں قبول کر رہا ہے" مولانا عبدالسلام نے اسد سے دریافت کیا۔

"اس لیے کہ وہ ذرائع کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ ہر سیارے کی کشش دوسرے سیارے سے مختلف ہوتی ہے ہم نے ایسی برقی لہریں دریافت کر لی ہیں جو کشش کے مرکز سے تقریباً دو سو میل دور ہوتے ہی اپنا کام شروع کر دیتی ہیں"

مولانا عبدالسلام، سعدی، اسد اور زمرد روزنوں سے کرۂ ارض کی طرف دیکھنے لگے اور ملا منوہر سنگھ کی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی اور گھڑی کے نیچے دیوار میں جڑے

ہوئے ایک چارٹ کو دیکھنے لگی۔ جمیل نے اس طرف دیکھا اور اٹھ کر اس کے پاس پہونچ گیا۔ مولانا عبدالسلام نے اسد سے دریافت کیا۔

"کیا ثقراب ہمکو نظر آرہا ہے ——— ؟"

"ارملا اور جمیل نصف گھنٹہ بعد اس کا صحیح مقام وقوع بتا سکیں گے اور اس کے بعد ہی ہم شاید یہ بتا سکیں گے کہ ہم وہاں تک کتنے گھنٹوں میں پہونچ سکیں گے۔"

ارملا اور جمیل اپنے کیبن میں چلے گئے اسد اپنی جگہ سے اٹھ کر منوہر سنگھ کی جگہ پر بیٹھ گیا اور دائیں طرف لگے ہوئے ایک سوئچ کو دبایا اور دیوار میں سوئچ کے نیچے ایک روزن کھل گیا اس روزن میں ایک دُوربین لگی ہوئی تھی۔ اسد نے ایک دستے کو گھما کر دو ایک بار آگے بڑھایا اور پیچھے ہٹایا اور اسکی مدد سے فضائے بسیط میں ستاروں کے اس گچھے کو تلاش کرنے لگا جسمیں ثقر بھی تھا۔

زمرد نے اپنی گھڑی دیکھ کر سب سے کہا۔

"آپ لوگ چائے کے لیے تیار ہو جائیں۔"

جمیل اور ارملا بھی آگئے۔ مولانا عبدالسلام نے دونوں کو اپنے پاس بلا کر بٹھا لیا۔ خدمتگار چائے لیکر آگئے۔ اس کمرے میں ہر کرسی اس طرح بنائی گئی تھی کہ وقت ضرورت اس کے دستے کو کھینچنے سے ہر کرسی کی پشت پر چھوٹی میز کی شکل میں ایک تختہ نکل آتا تھا۔ انھیں تختوں پر چائے کے برتن چنے گئے اور سب چائے پینے لگے۔

اسد ابھی تک دُوربین پر جھکا ہوا تھا، منوہر سنگھ نے اسے آواز دی اور وہ

اس روزن کو بند کرکے منوہر سنگھ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ ارملا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

" نفر واقعی ہماری دنیا یعنی کرۂ ارض سے دو ارب ۹ کروڑ اسی لاکھ میل دُور ہے ——— اور ریڈر ابھی تک اس کی تصدیق کر رہا ہے "

مولانا عبدالسلام نے ایک پیسٹری منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

" آپ لوگ مجھے صرف یہ بتائیں کہ ہم یہاں سے اس نئی دنیا کو دیکھ رہے ہیں یا نہیں اور وہاں تک پہونچنے میں کتنے گھنٹے درکار ہوں گے۔؟"

" تقریباً چونسٹھ گھنٹے ——— " ارملا اور جمیل ایک ساتھ بول اٹھے۔

" چونسٹھ "

زمرد، سعد اور نعیم سرکار کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

" ہاں ——— " ڈاکٹر جمیل نے سب کو سمجھاتے ہوئے کہا " وہ سیارہ یعنی نئی دنیا ہماری پرانی دنیا سے دو ارب ۹ کروڑ اسی لاکھ میل دُور ہے ہمارا راکٹ نو ہزار تین سو میل فی سکنڈ کی رفتار سے اس طرف جا رہا ہے۔ اگر ایک راکٹ کرۂ ارض سے کرۂ نفر تک اسی رفتار سے پرواز کرے تو ۶۲ گھنٹے ۳۹ منٹ ½ ۱۵ سکنڈ میں پہونچ سکتا ہے ——— لیکن نہ تو کوئی راکٹ کرۂ ارض کو اس رفتار سے چھوڑ سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کرہ کی سطح پر اس رفتار سے اتر سکتا ہے ——— فضائے بسیط میں پہونچنے اور وہاں سے سطح تک اترنے کے لیے رفتار پر قابو حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس لیے ایسی صورت میں مزید دو گھنٹے صرف ہونگے "

مولانا عبدالسلام نے چائے کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا۔

"بہر حال ہم ۲ گھنٹے میں وہاں پہونچ جائیں گے۔"

چائے ختم ہوتے ہی جمیل، ارملا جاوید انصاری اور میمونہ آفاق اٹھکر چلے گئے مولانا عبدالسلام پھر فردوسی نظاروں میں محو ہو گئے۔ زمرد اور سعد ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے لگے۔ دونوں کبھی کبھی روزن سے باہر فضائے بسیط میں تیرتے ہوئے سیاروں کی طرف بھی دیکھ لیتے تھے۔

اسد اور مولانا عبدالسلام نے ان دونوں کی طرف دیکھا اور مسکرا دیے۔ منوہر سنگھ اسد کے ساتھ اٹھا اور دونوں باتیں کرتے ہوئے پائلٹ کی کرسی کے قریب پہونچ گئے۔ ایرج شاہپور بھی ان کے قریب پہونچ گیا اور تینوں باتیں کرنے لگے۔

"اسد! —— اسد میاں —— "مولانا عبدالسلام یکایک چیخ اٹھے۔

اسد ان کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ انھوں نے روزن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا چیز ہے۔ اڑن طشتری یا کوئی سیارہ —— ؟"

"سب دوڑ کر روزن کے پاس پہونچ گئے اور باہر کی طرف دیکھنے لگے۔

راکٹ سے بہت دور قدرے بلندی پر فضا میں چند طشتریاں نصف دائرہ کی شکل میں پرواز کرتی ہوئی نظر آئیں، ان کی تعداد ۸ تھی۔ وہ بھی اسی سمت کو جا رہی تھیں جس طرف راکٹ پرواز کر رہا تھا۔ وہ طشتریاں کچھ دیر تک راکٹ کے ساتھ اُڑتی رہیں۔ ارملا، اسد، ایرج۔ منوہر سنگھ، جمیل اور انعام اللہ انھیں دوربینوں سے دیکھنے لگے۔ اسد نے کہا۔

"وہ کسی چمکدار دھات کی ہیں ـــــ بالکل گول ہیں اور وسط میں کچھ اُبھری ہوئی ـــــ وہ ایک نظام کے ساتھ پرواز کر رہی ہیں ـــــ اور ـــــ"

اسد خاموش ہو گیا۔

راکٹ کا ہر شخص اپنی دوربین سے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسد کے خاموش ہوتے ہی منوہر سنگھ بول اٹھا۔

"ایں ـــــ یہ کیا دھواں ـــــ دھوئیں کی چادر ـــــ"

کسی نے آہستہ سے کہا "اسموک اسکرین ـــــ"

"ہاں ـــــ" جمیل بول اٹھا "تاکہ ہم ان کو دیکھ نہ سکیں ـــــ"

سب اسی طرف دیکھتے رہے۔ دھوئیں کی چادر معدوم ہونے لگی۔

اسد نے کہا۔

"وہ دھوئیں کی چادر فضا میں چھوڑ کر اسی کے پیچھے غائب ہو گئیں۔ یہ یقیناً وہی اُڑن طشتریاں ہیں جو ہماری دنیا کے گرد چکر لگاتی رہتی ہیں۔"

سعد نے کہا "ان کی رفتار ہمارے راکٹ کی رفتار سے بہت زیادہ تیز ہے وہ ہم سے آگے نکل چکی ہیں۔"

"ـــــ لیکن وہ ہمارے قریب کیوں نہیں آئیں ـــــ؟" زمرد نے سوال کیا۔

اسد نے کہا "خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ان کا رویہ یقیناً دوستانہ ہے ورنہ قبل اس کے کہ ہم ان کو دیکھتے ہمارا عدم و وجود برابر ہو سکتا تھا لیکن ـــــ بہر حال وہ ہم کو دوبارہ بہت جلد نظر آئیں گی۔"

سب پھر روزنوں سے باہر کی سمت دیکھنے لگے۔ اب کرۂ ارض عام سیاروں کی طرح بالکل چھوٹا نظر آ رہا تھا اور ستاروں کی طرح اس میں چمک نظر آنے لگی تھی۔ سب روزنوں کے قریب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

(۱۴)

راکٹ فضائے بسیط کے جس حصہ سے گزر رہا تھا اس میں ہر طرف سرمئی نور پھیلا ہوا تھا۔ ایک ایسی روشنی جو تاروں کی چمک اور جگمگاہٹ سے پیدا ہوتی ہے۔ آفتاب اس وقت بھی راکٹ میں بیٹھنے والوں کے سامنے تھا اور اجرام فلکی میں سب سے بڑا نظر آ رہا تھا لیکن ان لوگوں کو نہ تو اب اس کی شعاعوں میں وہ روشنی اور چمک نظر آ رہی تھی اور نہ وہ تمازت تھی جو کرۂ ارض پر محسوس کی جاتی تھی۔ زمرد نے اسد سے کہا۔

"یہ عجیب بات ہے کہ آفتاب ہمارے سامنے ہے لیکن نہ تو اس کی روشنی ہم تک پہونچ رہی ہے اور نہ ہم اس کی تمازت محسوس کر سکتے ہیں۔"

"بیشک یہ ہمارے لیے ایک عجیب بات ہے۔" اسد نے جواب دیا "اس لیے کہ ہم ہمیشہ سے آفتاب کی روشنی سے ہر چیز کو منور ہوتے دیکھتے آئے ہیں اور اس کی تمازت محسوس کرتے رہے ہیں لیکن اب وہ ہمارے سامنے صرف ایک سبزی مائل زرد پیلے گولے کی حیثیت رکھتا ہے۔"

"بالکل ——" مولانا عبدالسلام نے کہا۔ "جیسے کسی نے نیلی چادر پر چاندی

کی تھالی چپاں کر دی ہے —— ہم اس کو برابر دیکھ رہے ہیں لیکن ہماری آنکھیں اب خیرہ نہیں ہو رہی ہیں۔"

"جی ہاں —— "نعیم سرکار بولا۔" اپنی دنیا میں تو ہم اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ بھی نہیں سکتے تھے۔"

اسد نے کہا۔" اس لیے کہ ہم کرۂ ارض پر تھے اور آفتاب کی شعاعیں اس کو چکا دیتی تھیں۔ اور تپش اور تیز روشنی کی وجہ سے ہماری آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔"

زمرد نے دوبارہ سوال کیا۔

"یہی تو میں بھی دریافت کر رہی ہوں کہ اب ایسا کیوں نہیں ہو رہا ہے۔؟"

"اس لیے کہ ہم کسی سیارے میں یا اس کے قریب نہیں بلکہ فضائے لبسیط میں ہیں۔ آفتاب کی شعاعیں ہمارے چاروں طرف سے گزر رہی ہیں لیکن ہم کرۂ ارض یا ایسے ہی کسی دوسرے سیارے کی طرح ٹھوس نہیں ہیں کہ وہ ہم سے ٹکرائیں ہم کو ان کو جذب کریں اور روشنی یا تمازت پیدا ہو۔"

میمونہ آفاق نے دریافت کیا۔

"تو کیا یہ روشنی جسے ہم دھوپ کہتے ہیں اور تمازت کرۂ ارض پر آفتابی شعاعوں کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہیں۔"

"قطعی —— "اسد نے جواب دیا۔" یہ سب کسی ٹھوس چیز سے شعاعوں کے متصادم ہو جانے کا نتیجہ ہیں۔ ہمارے راکٹ میں بھی ایسے عناصر ہیں جو آفتاب کی شعاعوں کو جذب کر سکتے ہیں اور ان کے ٹکرانے سے منور ہو سکتے ہیں لیکن ان

شعاعوں کے مقابلہ میں ان کا ہونا اور نہ ہونا یکساں حیثیت رکھتا ہے۔"

سعد نے کہا "اس وقت ہمارے گرد ایسی روشنی پھیلی ہوئی ہے جیسی آفتاب طلوع ہونے سے قبل ہوتی ہے۔"

"سپیدۂ سحر ـــــ" جمیل نے مزید وضاحت کردی۔

"سبحان اللہ ـــــ" مولانا عبدالسلام نے اپنی ریش پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "کیسا سہانا سماں ہوتا ہے۔ اسی لیے تو وہ کہتا ہے کہ تم میری کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ـــــ"

ارملا دوربین سے کسی چیز کو دیکھ رہی تھی۔ میمونہ نے کہا "کائنات کے اس حصہ میں آفتاب بالکل اسی طرح روشن ہے جس طرح دنیا میں چاند اس کی روشنی کتنی ٹھنڈی ہے۔ چاندنی کی طرح ـــــ"

"ـــــ لیکن اس کے باوجود اس کی شعاعیں ہم کو زندگی بخش رہی ہیں" ڈاکٹر ایرج نے میمونہ کو سمجھاتے ہوئے کہا "ہوسکتا ہے کہ ہم کسی سیارے کے قریب پہونچکر پھر آفتاب کی خیرہ کن روشنی دیکھ سکیں اور اس کی تمازت محسوس کرسکیں۔"

"وہ پھر آرہی ہیں ـــــ" ارملا نے بہت دور خلا میں کچھ دیکھتے ہوئے پرجوش لہجہ میں کہا "وہ اسی طرف آرہی ہیں۔"

سب نے اپنی دوربینیں سنبھال لیں۔ اسد اس دوربین کے قریب بیٹھ گیا جو ایسے مشاہدوں کے لیے لگائی گئی تھی۔ فیروزہ اور جاوید انصاری اس کیبن میں چلے گئے جو مشاہدہ کے لیے مخصوص تھا۔ چاروں ملازم بھی روزنوں کے

پاس آکر کھڑے ہو گئے۔

اسد نے دوربین سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ دھات کی گول طشتریاں ہیں ـــــ بہت ـــــ ہوسکتا ہے کہ وہ ہمارے راکٹ سے باعتبار جسامت دوگنی یا سہ گنی ہوں ـــــ"

"ـــــ لیکن ـــــ لیکن ..." ڈاکٹر جاوید انصاری نے مشاہدہ کے کیبن سے آلہ نشر الصوت پہ کہا۔ وہ واپس جارہی ہیں"

"ہاں ـــــ وہ واپس جارہی ہیں۔ یہ کیا راز ہے" مولانا عبدالسلام نے اپنی دوربین سے بدستور دیکھتے ہوئے کہا۔

اسد اپنی جگہ سے اٹھ کر فوراً اس گوشہ تک پہونچا جہاں ٹیلی ویژن رکھا ہوا تھا۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"پانچ بجکر بیس منٹ ہو چکے ہیں"

سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس نے ٹیلی ویژن کے ایک سوئچ کو گھما کر دوسرے پر ہاتھ رکھا اور اس کے پردہ کی طرف دیکھا۔ منوہر سنگھ نے اپنی گھڑی دیکھ کر کہا۔

"ڈاکٹر ایاز ٹھیک ساڑھے پانچ بجے کوہستانی رصدگاہ سے ہماری پرواز کے متعلق تقریر نشر کریں گے"

"لیکن دنیا کے ہر گوشے میں یہ خبر پہونچ چکی ہوگی کہ ہمارا راکٹ روانہ ہو چکا ہے" مولانا عبدالسلام نے کسی کو مخاطب کیے بغیر کہا۔

"جی ہاں" اسد بول اٹھا "ساڑھے بارہ بجے دہلی سے یہ خبر نشر کیجا چکی ہوگی"

اڑن طشتری

ٹیلی ویژن کا پردہ مکدر ہو چلا تھا اور نیلا، زرد، سرخ اور ان سے ملے جلے رنگ اُبھرنے لگے تھے۔ سب نے اپنی نشستوں کا رُخ گھما کر ٹیلی ویژن کی طرف کر لیا۔ اسد ایک تختہ پر لگے ہوئے چند لٹوؤں کو گھما کر اسی کے اوپر لگے ہوئے چند برقی قمقموں کو جلا اور بجھا رہا تھا۔ زمرد نے سعد سے کہا۔

"غالباً ہمارے راکٹ سے دنیا کو اشارہ کیا جا رہا ہے"

"صرف دنیا ہی کو نہیں" ڈاکٹر منوہر سنگھ نے کہا "بلکہ ہم کائنات کے ہر حصہ میں بسنے والے انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہے ہیں"

مولانا عبدالسلام نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں نے زمین پر انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہم سب اس کے بندے ہیں اور اس کی بڑائی پر ایمان رکھنا چاہیئے"

ٹیلی ویژن کے پردہ پر عکس اُبھرتا ہوا نظر آیا اور سب اس طرف متوجہ ہو گئے۔

ایک چشمہ کے کنارے سرو کے دو رویہ درخت اور سُرخ پھول

"یہ تو بڑے ہی پر اسرار مناظر ہیں" منوہر سنگھ نے کسی کو مخاطب کیے بغیر کہا۔

اسد نے ایک لٹو گھماتے ہوئے کہا "اب ہم ان مناظر کو دیکھنے کیلئے بے چین ہیں جن سے ہماری آنکھیں مانوس ہیں جن کو ہم نے آنکھیں کھول کر دیکھا ہے اور آج تک دیکھتے آرہے ہیں"

اس کے ہاتھ کبھی ایک لٹو پر جاتے تھے اور کبھی دوسرے لٹو پر نشست گاہ کا برقی قمقمہ گل کر دیا گیا تھا۔ پائلٹ کی نشست کے سامنے کے مستطیل روزن

کے علاوہ باقی سب روزن بند کر دیے گئے تھے اور اس جگہ سب سے منور چیز صرف ٹیلی وژن کا پردہ ہی تھا جو عجیب و غریب آوازوں کے ساتھ گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہا تھا اور سب آہستہ آہستہ آپس میں باتیں کرنے لگے تھے۔

یکایک ٹیلی وژن میں سیٹیاں بجنے لگیں۔ اسد نے فوراً آواز کو قابو میں کرنے والے لٹو کو گھمایا اور پردہ کی طرف دیکھ کر ایک دوسرے لٹو پر ہاتھ رکھا۔ سب پردے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ رنگ ممٹ کر موٹے موٹے خطوط کی صورت میں نمایاں ہونے لگے اور چند سکنڈ میں ایاز کا عکس نظر آیا۔ وہ ایک میز کے قریب ہاتھ میں ایک کتاب لیے کھڑا تھا۔ "یہ میرا معمل ہے ——" اسد نے کہا۔

ایاز نے "السلام علیکم" کہا۔

"وعلیکم السلام ——" راکٹ میں بیٹھے ہوئے ہر شخص نے بیک وقت جواب دیا۔

"میرے دوست اسد"

ایاز نے پرجوش لہجہ میں کہنا شروع کیا۔

"تمہاری روانگی کی خبر دنیا کے گوشے گوشے میں پہونچ چکی ہے ہر شخص کی نگاہیں آسمان کی طرف ہیں اور لوگ تمہارا پیغام —— تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی آوازیں سننے کے لیے مضطرب ہیں۔ تمہاری رصدگاہ کے ریڈار کی لہریں تمہارے راکٹ کو مسلسل چوم رہی ہیں۔ بتاؤ کہ اب تم فضائے بسیط کے کس حصہ میں ہو اور کیا دیکھ رہے ہو؟ اپنے مشاہدات سے ہم کو مطلع کرتے رہو۔ میں

کل صبح یہاں سے لکھنؤ کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ تمہارے پیغامات
کل سے ہر نصف گھنٹے کے بعد دہلی سے نشر کیے جائیں گے اور
کرۂ ارض کا ہر اسٹیشن ان کو مختلف لہروں میں دنیا کے گوشہ
گوشہ تک پہونچاتا رہے گا۔

اگر تم فضائی مناظر کے عکس کو لہروں میں منتقل کر کے ہم تک
پہونچا سکتے ہو تو دیر نہ کرو۔ میں تمہاری آواز سننے اور تمہارا عکس
دیکھنے کے لیے بے چین ہوں۔

خدا تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی حفاظت کرے اور"

جملہ مکمل ہونے سے قبل ہی سلسلہ منقطع ہو گیا اور پردے کا منظر مختلف رنگوں میں غلط ملط ہو کر تاریک ہو گیا۔ اسد جو ٹیلی ویژن کے پاس سے ہٹ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا تھا اٹھ کر ٹیلی ویژن کی طرف لپکا اور ہاتھ بڑھا کر لٹوؤں کو گھمانا ہی چاہتا تھا کہ اس کو ایاز کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"——— ہمارے اس دنیا کے تجربات اور مشاہدات یقیناً
مفید اور کامیاب ثابت ہو رہے ہوں گے، اچھا میں رخصت
ہوتا ہوں ——— تم بہت جلد اپنا پیغام بھیجو۔ ——— خدا حافظ!"

اسد نے ٹیلی ویژن کا ایک لٹو گھما کر سلسلہ منقطع کر دیا اور نشست گاہ کا قمقمہ روشن کر کے سب سے کہا۔

"اب ہم کو کرۂ ارض سے باقاعدہ سلسلہ قائم کر لینا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ فضائے بسیط کے یہ عجیب و غریب مناظر ہمارے راکٹ سے مسلسل نشر ہوتے رہیں"

ڈاکٹر ایرج نے کہا

"ایسا ہی ہو گا۔ لیکن ایاز کی تقریر کا سلسلہ یکایک منقطع کیسے ہو گیا تھا۔ کیا ہمارے ٹیلی ویژن میں کوئی نقص ہے؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر وہ سلسلہ کیوں منقطع ہوا تھا؟ ہم کو اس کا سبب معلوم کرنا چاہیئے۔"

یوسف پرویز نے ایرج کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

"جس طرح وہ سلسلہ منقطع ہوا اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے منقطع کیا گیا ہے۔"

جاوید انصاری نشر گاہ کے کیبن میں گیا اور فوراً واپس آ کر کہا۔

"اُڑن طشتریاں پھر ہماری طرف آ رہی ہیں۔"

اسد نے ایک دستہ کو گھمایا سب روزن کھل گئے اور ہر شخص کی نگاہیں فضا میں اڑتے ہوئے پراسرار تکلوں کو تلاش کرنے لگیں۔ منوہر سنگھ نے دوربین کا کونا گھما کر نگاہ قائم کی اور دوربین کی نال کو چاروں طرف گھما کر فضا میں دیکھنے لگا۔

اسد اور ایرج اس کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ ایرج نے پوچھا

"نظر آئیں ——"

"ہاں —— وہ اسی طرف آ رہی ہیں۔"

اسد منوہر سنگھ کو دوربین کے پاس سے ہٹا کر خود اس کی جگہ بیٹھنا چاہتا تھا کہ جاوید انصاری تقریباً چیخ اٹھا۔

"وہ اسی طرف آ رہی ہیں۔ اسی طرف آ رہی ہیں۔"

ایک قطار میں پچیس تیس طشتریاں فضا میں اڑتی ہوئی نظر آئیں۔ وہ بہت تیزی کے ساتھ راکٹ کی طرف آ رہی تھیں، اسد ایرچ اور منوہر سنگھ سامنے کے مستطیل روزن سے اس طرف دیکھنے لگے۔

"وہ کسی دھات کی بڑے بڑے تھال یا طباق معلوم ہو رہے ہیں۔" اسد نے ان پراسرار طباقوں کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔ "وسط میں کچھ اُبھرے ہوئے ہیں لیکن کنارے قدرے نیچے کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔"

مینو نے اپنی آنکھوں سے اپنی چھوٹی طاقتور دوربین ہٹاتے ہوئے کہا "ان میں سے ہر ایک کا قطر دو سو فیٹ سے کم نہ ہوگا۔"

انعام اللہ ابھی تک دوربین سے دیکھ رہا تھا۔ ارملا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا۔

"اب تم ان کو دوربین کے بغیر دیکھ سکتے ہو۔"

"وسط میں جو اُبھرا ہوا حصہ ہے اس میں روزن بھی ہیں۔ ڈاکٹر اسد سے کہو کہ وہ بڑی دُوربین سے ان طباقوں کے اندر بیٹھنے والوں کو دیکھیں۔"

وہ اسی طرح اپنی آنکھوں پر دُوربین لگائے ہوئے اسی طرف دیکھتا رہا ارملا اسد کی طرف متوجہ ہوئی لیکن اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی اسد دوربین میں آنکھیں لگا چکا تھا۔

دو منٹ چالیس سکنڈ بعد عفریت پیکر طباق راکٹ کے اوپر پرواز کرنے لگے۔ وہ چاروں طرف ایک دائرے کی شکل میں پھیل چکے تھے اور پرواز کے ساتھ ہی آپس میں یکساں فاصلہ کو برقرار رکھے ہوئے تھے۔ راکٹ کا ہر فرد روزن

سے اسی طرف دیکھ رہا تھا، چند منٹ بعد ایک طشتری دوسری طشتریوں کے دائرے کی سطح سے نیچے ہوئی اور چند سکنڈ میں راکٹ کے برابر پرواز کرنے لگی۔ اسد اور اس کے ساتھیوں کو اس طشتری کی ہر چیز بالکل صاف نظر آ رہی تھی۔ اس کا اُبھرا ہوا سطحی حصہ ایک سیلون کی طرح بہت خوبصورت بنا ہوا تھا اسمیں خوبصورت کھڑکیاں بھی تھیں۔ اگلی تین کھڑکیوں سے کچھ لوگ راکٹ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

مولانا عبدالسلام نے سینوبزرجمہر سے دریافت کیا۔

"ڈاکٹر سینو! یہ کیا بات ہے کہ ابھی دنیا پر یہی اُڑن طشتریاں فضا میں ایک سرخ تحریر بناتی ہوئی نظر آتی تھیں لیکن اس وقت بالکل ایک پتنگ کی طرح پرواز کر رہی ہیں۔"

"اب نہ تو ہمارا راکٹ ایندھن سے چل رہا ہے اور نہ غالباً یہ طشتریاں ایندھن استعمال کر رہی ہیں ——— اسی لیے ہم کو وہ سرخ آتشیں لکیر نہیں نظر آ رہی ہے۔"

"تو گویا ہم کشش کو زائل اور قبول کرنے والی قوتوں پر پرواز کر رہے ہیں۔"

مولانا عبدالسلام پھر اُڑن طشتری کی طرف دیکھنے لگے۔ اُڑن طشتری کے اندر ہلکی نیلگوں روشنی تھی۔ سعد نے زمرد سے کہا۔

"زمرد! میری پیاری، میرا دل خوشی سے معمور ہو رہا ہے۔ میں نامعلوم مسرت سے جھوما جا رہا ہوں ——— میرا دل کہہ رہا ہے کہ اس طشتری میں ابوالصلت اور اس کے رفیقوں کی اولادیں ہیں۔"

زمرد کے جواب سے قبل راکٹ کے اندر تیز سرخ روشنی ہوئی اور سب

اس طرف متوجہ ہو گئے۔ اسد سوئچ بورڈ کے قریب ایک ہینڈل پر ہاتھ رکھے کھڑا ہوا اُڑن طشتری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سرخ روشنی کے جواب میں اُڑن طشتری کے اندر بھی سرخ روشنی نظر آئی۔ اسد نے فوراً سبز قمقمے روشن کر دیئے۔ دوسری طرف بھی سبز روشنی نظر آئی۔ اسد جلد جلد روشنی کے رنگ بدلنے لگا اُڑن طشتری کے اندر بھی جلد جلد رنگین قمقمے روشن اور گل ہونے لگے۔

نعیم سرکار اپنے کیبن میں بیٹھا ہوا مناظر فلمبند کر رہا تھا۔ جمیل نعمانی اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا بہت تیزی کے ساتھ کچھ لکھ رہا تھا۔ جمیل، ارملا، فیروزہ، جاوید انصاری، یوسف پرویز، میمونہ، مینو، ایرج اور منوہر سنگھ اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

اسد نے نشست گاہ میں سیمابی روشنی کر دی اور ڈاکٹر ایرج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں یہ اُڑن طشتریاں ہمارے استقبال کے لیے آئی ہیں!"

"یقیناً ـــــ" ایرج نے جواب دیا

منوہر سنگھ نے بین الاقوامی آلہ نشر الصوۃ پر بیٹھے ہوئے کہا۔

"ان کو اپنی آمد کا پیغام بھیجو ـــــ"

"ہم ابتک انگریزی فرانسیسی، ہسپانوی، پرتگالی اور جاپانی زبانوں میں ان کو پیغامات بھیج چکا ہوں"

"عربی میں سلسلہ شروع کرو ـــــ ڈاکٹر سعد کو بلاؤ"

سعد فوراً زمرد کے ساتھ نشر گاہ میں پہونچ گیا۔ مولانا عبدالسلام اٹھکر اسد

کے پاس پہونچے۔ وہ ابھی تک سوئچ بورڈ کے پاس کھڑا ہوا کچھ سوچ رہا تھا۔ مولانا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

" خدا نے بندے کو زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ تمہاری کوششوں نے اس کو صحیح ثابت کر دکھایا ہے۔"

نشست گاہ میں سعد کی آواز گونجی۔ وہ مراکشی لہجہ میں کہہ رہا تھا۔

" ہم نے خدا کے نام اور اسی کے سہارے پر کرہ ارض سے فضائے بسیط میں پرواز کی ہے۔ ہم اس سیارے تک پہونچنا چاہتے ہیں جو ہم کو سامنے چمکتا ہوا نظر آ رہا ہے ــــ۔"

اسد دوڑ کر نشست گاہ میں پہونچا اور سعد کو خاموش کراتے ہوئے اس سے کہا

" ان سے بتا دیا جائے کہ ہم کرہ ارض سے دوستانہ پیغام لے کر ان کی دنیا کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ ہمارا سلام قبول کریں۔ ہم ان کے دوست ہیں۔"

سعد نے اسد کے کہے ہوئے جملوں کو دہرایا۔ اس کا آخری لفظ ابھی اس کی نوک زبان ہی پر تھا کہ اسد اور اس کے ساتھیوں کے کانوں میں ایک عجیب قسم کی آواز گونجتی ہوئی سنائی دی۔ یہ آواز شیشے کے نازک ظروف کے آپس میں ٹکرانے کی آواز سے مشابہ تھی۔ سب ایک دوسرے کی طرف تعجب سے دیکھنے لگے۔ اسد مولانا عبدالسلام کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کسی نے فصیح عربی میں کہا۔

" السلام علیکم۔ اے کرہ ارض کے مکینو! ــــ ہم اپنے مہمانوں کے استقبال کے لیے آ گئے ہیں۔"

"وعلیکم السلام ـــــ" سعد نے پرجوش لہجہ میں جواب دیا اور اُڑن طشتری میں بیٹھنے والوں سے اس طرح گفتگو کرنے لگا جیسے وہ اس کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ سعد نے اپنے ساتھیوں کی تعداد اور مقصد سفر بتا کر ان کے متعلق چند ضروری معلومات حاصل کرلیں۔ یہ سلسلہ دس منٹ تک جاری رہا اس کے بعد یکایک اُڑن طشتریاں غائب ہوگئیں۔

اسد نے کہا: "ان کی رفتار پرواز ہمارے راکٹ کی رفتار پرواز سے کہیں زیادہ ہے۔"

منوہر سنگھ نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا: "غالباً وہ اپنے کرہ کی طرف گئی ہیں، بہرحال ہمارے وہاں پہونچنے تک وہ برابر آتی رہیں گی۔"

"ـــــ اور ہم ان کے جلو میں سطح زہرہ پر اتریں گے" مولانا عبد السلام نے خوش ہوکر کہا اور اپنی گھڑی دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اسد نے بھی اپنی گھڑی دیکھی اور مولانا عبد السلام سے کہا۔

"ہم مغرب کی نماز باجماعت ادا کریں گے ـــــ"

سعد نے کہا" میں اذان دیتا ہوں"۔

اس نے نشر گاہ میں پہونچکر آلہ نشر الصوت پر اذان دی۔ نشست گاہ کی کرسیاں ایک ہینڈل کی جنبش پر دونوں کناروں کی طرف سمٹ گئیں، مولانا عبد السلام نے نماز پڑھائی اور بعد نماز کچھ دیر کے لیے اپنے کیبن میں چلے گئے۔

اسد نے ایک بار پھر اپنی برقی مشینوں اور آلات کا جائزہ لیا اور پائلٹ کی نشست پر بیٹھ کر فیروزہ، زمرد اور منوہر سنگھ سے باتیں کرنے لگا۔

کرۂ ارض اب ایک دور افتادہ سیارے کی طرح جھلملاتا ہوا نظر آرہا تھا اور اس کی روشنی لحظہ بہ لحظہ کم ہوتی جا رہی تھی۔

منوہر سنگھ نے اسد سے کہا۔ ایک گھنٹہ بعد کرۂ ارض ہماری نظروں سے غائب ہو جائے گا اور ہم اسے دوربین کی مدد کے بغیر نہ دیکھ سکیں گے۔"

فیروزہ بول اٹھی "اب ہم کو صرف انھیں چیزوں کو دیکھنا چاہیئے جو ہماری نظروں کے سامنے ہیں!" یہ اجرام فلکی جو سرخ، سبز، نیلگوں اور سیمابی رنگ کے غباروں کی طرح خلائے آسمانی میں معلق ہیں، ان کا مشاہدہ ہم پر فطرت کے صدہا سربستہ راز منکشف کر سکتا ہے "

"وہ سامنے اس سیارے کی طرف دیکھو" مینو نے سیمابی رنگ کے ایک چمکدار ستارے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ سیماب کی طرح تھرتھرا رہا ہے۔"

اسد نے کہا "ہوسکتا ہے کہ اس کی سطح پر سیماب ہو۔ لیکن یہ سیارہ نہیں بلکہ ثوابت میں سے ہے ــــ اس لیے ہوسکتا ہے کہ اس میں ایک ہی عنصر ہو یا ایک عنصر دیگر عناصر پر غالب ہو "

"ثوابت میں عموماً ایک ہی عنصر زیادہ ہوتا ہے اور ہم اس وقت کائنات کے جس حصہ سے گزر رہے ہیں اس میں ثوابت کی کثرت ہے یہ سب ایک دوسرے کی کشش پر قائم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک میں ایک ہی عنصر کی مقدار زیادہ ہے۔ وہ دیکھیے سامنے اس نیلگوں ستارے کو میرے خیال میں اسمیں تانبا ہوگا۔"

"یہ معدنیات کے ذخیرے ہیں۔ فطرت کے خزانے" زمرد نے اس

فردوسی نظارے سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"خدا کے ان بندوں کے لیے جو وہاں تک پہونچ سکیں۔" اسد نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔

منوہر سنگھ نے ان ستاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ نیچر کا انعام ہے ان لوگوں کے لیے جو اس کو سمجھنے کی کامیاب کوشش کریں۔"

"کتنا پیارا اور دلآویز منظر ہے، سعد کہاں چلے گئے۔؟"

اس کی نگاہیں سعد کو تلاش کرنے لگیں۔ مولانا عبدالسلام اور سعد گزرگاہ میں نظر آئے وہ اسی طرف آ رہے تھے۔

"میرے اچھے سعد! آؤ میرے پاس بیٹھ کر ان فردوسی نظاروں کو دیکھو" مولانا عبدالسلام نے مسکرا کر کلام پاک کی آیتہ پڑھی۔

"—— اور وہاں نہ دن ہوگا اور نہ رات ہر طرف ایک سدا بہار نور ہوگا —— سہانا سماں ——"

(۱۵)

راکٹ فضائے بسیط میں تیرتا ہوا اس دور افتادہ سیارے کی طرف جا رہا تھا جو اب کرہ ارض کے مقابلہ میں نسبتاً بڑا اور زیادہ روشن نظر آ رہا تھا۔

زمرد نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب آٹھ بجے ہیں —— نصف گھنٹہ بعد کھانا تیار ہو جائے گا۔"

"کھانے کے بعد نماز ہوگی ۔۔۔" مولانا عبدالسلام بولے "اس کے بعد میں سب سے معذرت کر کے اپنے کیبن میں چلا جاؤنگا"

اسد نے ہنس کر کہا "یعنی آپ کے وظائف کا سلسلہ یہاں بھی جاری رہیگا"

"دل کو یکسوئی اسی طرح حاصل ہوتی ہے اور اس سے ایسی خفتہ قوتیں بیدار ہوجاتی ہیں جو انسان کو اس کے مرکز کی طرف رجوع کرتی ہیں"

منوہر سنگھ نے اسد سے کہا۔

"میں کھانے کے بعد ہی آرام کرنا چاہتا ہوں تاکہ چار گھنٹے بعد پھر اپنی جگہ پر بیٹھ سکوں"

"ایرج کو میں نے ضروری باتیں سمجھادی ہیں"

زمرد مسکرادی۔ اسد نے کہا۔

"تم مسکرائیں کیوں ۔۔۔؟"

"اس وقت ہمارے خیالات کرۂ ارض کے گرد چکر لگا رہے ہیں ۔۔۔ اس لیے ہم بالکل بے دلی سے باتیں کر رہے ہیں"

"حقیقت تو یہی ہے" فیروزہ نے ہنسکر کہا "اس وقت لکھنؤ میں حضرت گنج کی سڑکیں برقی روشنی سے جگمگا رہی ہوں گی۔ عمارتیں بقعۂ نور بنی ہوئی ہونگی اور ۔۔۔ اور ۔۔۔"

فیروزہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن منوہر سنگھ بول اٹھا

"فی الحال اس دنیائے رنگ و بو کے خیالات اپنے دل سے نکال دو۔ ہم اس وقت کائنات کے اس حصہ میں ہیں جہاں نہ دن ہے اور نہ رات

بلکہ ایک ایسی روشنی ہے جس میں صبح صادق کی چمک بھی ہے اور شفق کی جھلک بھی —— "

جمیل نے اپنے کیبن سے کہا: "ہماری نگاہ کی وسعتوں میں ایک نیا ستارہ طلوع ہو رہا ہے۔ اس کی جسامت کرۂ ارض کے برابر ہے۔ کرۂ ارض کے بسنے والوں نے آج تک اس کو نہیں دیکھا ہے "

جمیل ایک ساعت کے لیے خاموش ہوا اور پھر سلسلۂ کلام شروع کیا۔

"کرۂ ارض ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے ہم اس نورانی سڑک کو بھی پیچھے چھوڑ آئے ہیں جسے ہم کہکشاں کہتے ہیں "

جمیل اسی طرح اجرامِ فلکی کے متعلق کہتا رہا۔ اسد نے مولانا عبد السلام سے کہا۔

"کروڑوں میل دور کرۂ ارض پر جمیل کی آواز اسی طرح سنی جا رہی ہو گی اس کی آبادی کا بیشتر حصہ ہمہ تن گوش ہو کر جمیل کی آواز سن رہا ہو گا "

اسد خاموش ہو گیا۔ ہر شخص اپنے اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے سب نے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد اسد، سعد، منوہر سنگھ، زمرد، ارملا، فرزانہ اور سینو برز جہر نے پانچ پانچ منٹ تک نشرگاہ سے کرۂ ارض پر بسنے والوں کو مخاطب کیا۔ ایاز کے ٹیلی ویژن نے ان کے عکس بھی دیکھے۔ ہندوستان کی گھڑیوں کے وقت کے مطابق اسد نے گیارہ بجے اپنے راکٹ کی نشرگاہ سے ایاز کو مطلع کیا کہ اگر کسی حادثہ کے بغیر اس کا راکٹ اسی رفتار سے پرواز کرتا رہا تو وہ کرۂ ارض کی تاریخ اور ہندوستانی

آٹھواں مفروضہ

وقت کے مطابق ۱۰ر جولائی کی صبح کو چار بجے سطح قمر پر پہنچ جائیں گے۔

ہوائی سدیمی نور میں تیرتی ہوئی اس نامعلوم سیارے کی طرف چلی جا رہی تھی اور اس میں بیٹھے ہوئے کرۂ ارض کے چند اولوالعزم نوجوان سائنسدان خاکے بنانے، پیغامات نشر کرنے اور دوربین سے اجرام فلکی کو دیکھنے میں مصروف تھے۔ ان کی نگاہیں فضائے بسیط کی نیلگوں گہرائیوں میں ایک ایسے منور نقطہ پر جمی ہوئی تھیں جو آہستہ آہستہ بڑا ہوتا جا رہا تھا۔ یہی ان کی منزل تھی۔

کرۂ ارض کے لیے آخری پیغام نشر کرنے کے بعد اسد نے پانچ گھنٹے کیلئے باقی ماندہ افراد کو آرام کرنے کی اجازت دے دی اس کے پاس صرف ڈاکٹر ایرج یوسف جاوید اور انعام اللہ رہ گئے۔ تین ملازم بھی اپنی آرام گاہوں میں چلے گئے صرف امتیاز، اسد، یوسف، ایرج اور انعام اللہ کو کافی پلانے کے لیے جاگتا رہا۔ راکٹ کے چاروں طرف جو روشنی پھیلی ہوئی تھی اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہوئی تھی کبھی کبھی بہت دور خلار میں کوئی ٹوٹا ہوا تارہ نورانی لکیر بناتا ہوا ان ارضی شاہدین کی حد نگاہ میں آتا تھا اور گرد و پیش کی فضا کو قدرے منور کرتا ہوا گزر جاتا تھا۔ انکی حد نگاہ کی وسعت میں اس وقت تک بیسیوں ستارے طلوع ہو کر غروب ہو چکے تھے

ایرج پائلٹ کی سیٹ پر بیٹھا ہوا کچھ سوچ رہا تھا اس کی نگاہیں نیلگوں خلار میں کسی غیر مرئی نقطہ پر جمی ہوئی تھیں انعام اللہ بار بار دوربین کا زاویہ بدل رہا تھا، یوسف جاوید ایک آلہ کے پاس بیٹھا ہوا تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اسکا سوئچ دبا اور ابھار رہا تھا خود اسد ایک بڑے چارٹ کے مطالعہ میں مصروف تھا اور کچھ لکھتا بھی جا رہا تھا۔ ایک گھنٹہ بعد اس نے سر اٹھایا اور ایرج، یوسف جاوید

اور انعام اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اگرچہ تفرکرہ ارض سے تقریباً تین ارب میل دور ہے لیکن آفتاب سے وہ اسی قدر فاصلہ پر ہے جس قدر کرۂ ارض ہے"

ایرج نے اس سے دریافت کیا "——یعنی آفتاب سے دونوں سیاروں کا فاصلہ برابر ہے؟"

"ممکن ہے کچھ فرق ہو۔ میں نے بالکل سرسری طور پر حساب لگایا ہے۔ اگر کوشش کی جائے تو صحیح فاصلہ معلوم ہو سکتا ہے۔" اسد نے اپنے تینوں رفقار کار کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ تفر کی آب وہوا اور سطح زمین کے جغرافیائی حالات کرۂ ارض کے حالات سے ملتے جلتے ہوں گے۔"

"یقیناً ایسا ہی ہوگا ورنہ ابوالصلت اور اس کے ساتھیوں کی نسل وہاں پہنچکر ترقی نہیں کرسکتی تھی۔"

یوسف جاوید نے اسد سے دریافت کیا۔ "تو اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا ہے کہ ابوالصلت وہاں پہونچا تھا اور اس کی نسل وہاں آجتک موجود ہے۔"

"اب جبکہ ہم ان پُراسرار طشتریوں کے پیغامات سن چکے ہیں تو اس بات شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی ہے، تم نے سنا نہیں کہ وہ عربی میں پیغامات نشر کر رہے تھے۔؟" ایرج نے یوسف کو سمجھاتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے کہ اس دنیا میں عربی کے ساتھ دوسری زبانیں بھی رائج ہوں —— لیکن بہرصورت عربی وہاں اب تک اندلسی لہجہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ گو میرے نزدیک بظاہر کوئی خاص تغیر و تبدل نہیں ہوا ہے۔"

ہندستانی وقت کے مطابق مولانا عبدالسلام ٹھیک ساڑھے چار بجے صبح نشست گاہ میں آئے، انعام اللہ نے اذان دی۔ مولانا نے نماز پڑھائی اور سب روزنوں کے پاس بیٹھ گئے۔ اسد انعام اللہ، ایرج اور یوسف پرویز کچھ دیر بعد آرام کرنے چلے گئے۔

کرۂ ارض سے روانگی کے اٹھارہ گھنٹے کے بعد تیسری بار اُڑن طشتریاں فضا کی نیلی گہرائیوں سے ابھرتی ہوئی نظر آئیں۔

"وہ پھر ہماری طرف آرہے ہیں ــــ" منوہر سنگھ نے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سب اسی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان طشتریوں کی تعداد ساٹھ تھی، وہ ایک قطار میں آگے پیچھے آرہی تھیں۔ ارملا دوربین کے پاس سے ہٹ کر منوہر سنگھ کے قریب پہونچ گئی۔ سعد اور زمرد ایک ہی روزن سے دیکھ رہے تھے ان کے سر آپس میں ملے ہوئے تھے۔

مولانا عبدالسلام نے منوہر سنگھ سے کہا: "اسد میاں کو بلا لیجیے۔"

"ان کو آرام کرنے دیجیے ــــ"

طشتریاں راکٹ کے قریب آگئیں۔ ان کی رفتار قدرے سست ہو گئی اور وہ راکٹ کے اوپر ایک دائرے کی شکل میں گھومنے لگیں۔ ان میں سے ایک طشتری راکٹ کے برابر آئی اور راکٹ میں ایک آواز گونجتی ہوئی سنائی دی۔

"ابوالصلت اور اس کے ساتھیوں کی اولادیں کرۂ ارض سے آنے والوں کو سلامتی کا پیغام دیتی ہیں۔"

جملہ ختم ہوتے ہی طشتری چشم زدن میں اسی دائرہ میں جا ملی جو راکٹ کے اوپر اس کے ساتھ پرواز کر رہا تھا، دوسری طشتری راکٹ کے قریب آئی اور ایک بار پھر ویسی ہی آواز گونجی۔

"ہم صدیوں سے اس دنیا سے آنے والے کے منتظر اور ان کے لیے چشم براہ تھے۔"

اس کے بعد ہی تیسری اور پھر چوتھی طشتری آئی اور اسی طرح یکے بعد دیگرے طشتریاں آتی اور پیغام سناتی رہیں۔ یہ سلسلہ دو گھنٹے تک جاری رہا اس کے بعد طشتریاں فضا میں غائب ہو گئیں۔

جاوید انصاری نے کرہ ارض کے لیے پیغام نشر کیا اور تنفر سے سلسلہ ملانے کی کوشش کی۔ اس نے کئی بار ایک عربی نشریہ کے چند الفاظ کو منیط کیا لیکن اس آواز کو مسلسل نہ سن سکا لیکن وہ اپنی جدوجہد میں مصروف رہا اور دو گھنٹہ بعد تنفر سے اسلکی سلسلہ ملا دیا۔

اس دوران اس سیارہ سے راکٹ کے لیے برابر پیغامات نشر کیے جا رہے تھے۔ نو بجے اسد بیدار ہوا۔ اور نصف گھنٹہ بعد سعد نے عربی میں اس سیارہ کی کسی نشر گاہ سے باقاعدہ سلسلہ نامہ و پیام شروع کر دیا اس نے ان نئی دنیا والوں کو یہ بھی بتا دیا کہ کرہ ارض سے آنے والے اس راکٹ میں ابوالصلت کے خاندان کا بھی ایک فرد ہے۔

جمیل، اسد، اور ملا نئے سیاروں کے مشاہدات میں مصروف تھے۔ نعیم سرکار کرہ ارض سے روانگی کے بعد سے اب تک کئی ہزار فیٹ فلم پر اجرام فلکی اور سامنے

نظر آنے والی ہر چیز کا عکس محفوظ کر چکا تھا، جاوید انصاری پھر دس منٹ کے بعد اپنے آلہ نشر الصوت کی لہروں کا میٹر بدل رہا تھا۔ وہ کبھی کرہ ارض کی نشرگاہوں کو مخاطب کرتا تھا اور کبھی کرہ ثفر سے سلسلہ ملاتا تھا۔

ایاز کا تیار کیا ہوا ٹیلی ویژن بہت کار آمد ثابت ہو رہا تھا اسد اور اسکے ساتھی فضا میں جو کچھ دیکھ رہے تھے۔ اسد ان ہی مناظر کو برقی لہروں میں تبدیل کر کے کرہ ارض تک پہونچا رہا تھا اور ایاز اپنے ٹیلی ویژن کے ذریعہ ان کو دیکھکر فلمبند کر رہا تھا۔ دہلی کا ریڈیو اسٹیشن دنیا کو ہر تین گھنٹہ بعد اسد اسکے راکٹ کے حالات سفر کا خلاصہ سنا رہا تھا کسی کسی وقت اسد اور اسکے ساتھیوں کے بیانات بھی ریلے کیے جا رہے تھے۔ کرہ ارض کے ہر متمدن ملک میں اسی کے چرچے تھے اور ہر شخص یہ اعلان سننے کے لئے مضطرب تھا کہ اسد کا راکٹ اس دور افتادہ سیارے کی سطح پر پہونچ گیا۔

اسد اور اس کے ساتھی بھی جلد سے جلد سطح ثفر تک پہونچ جانا چاہتے تھے لیکن ان کا راکٹ جس رفتار سے اس طرف کھنچ رہا تھا وہ اس کی انتہائی تیز رفتار تھی۔ اگرچہ راکٹ المونیم تانبہ اور فولاد ملا کر ایک ایسی نئی قسم کی دھات سے تیار کیا گیا تھا جو چار سو درجے فارن ہائیٹ پر بھی سولہ گھنٹے تک اسی طرح سخت رہ سکتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ کائناتی شعاعوں کی زیادہ حرارت برداشت نہیں کر سکتا تھا اور رفتار بڑھا دینے سے درجہ حرارت بڑھ جانے کا احتمال تھا۔

کرہ ارض سے روانگی کے پینتالیس گھنٹہ بعد ثفر بالکل صاف نظر آنے لگا اور زہرہ، مشتری اور مریخ آتشکاری لیمپ منظر میں جھلملانے لگے۔ مریخ بالکل سُرخ ہو چکا تھا اور زہرہ نیلگوں ہوتا جا رہا تھا۔ مشتری گرگٹ کی طرح اپنے

رنگ بدل رہا تھا، میمونہ نے زمرد سے کہا۔

"یہاں سے یہ ستارے کتنے بھلے معلوم ہو رہے ہیں۔ میرے خیال میں یہ ان کے اصلی رنگ ہیں۔"

"یا پھر یہ سب فریب نظر ہو ہمارے اور ان کے درمیان جو خلاء ہے ممکن ہے وہ مخروطی عدسہ کا کام کر رہا ہو اور اس طرح روشنی متعدد رنگوں میں تقسیم ہو کر ہم تک پہونچ رہی ہو۔"

میمونہ اور زمرد پھر باہر کی سمت دیکھنے لگیں۔ اسد اور مولانا عبد السلام منوہر سنگھ کی نشست کے پاس بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ سعد اپنے کیبن سے آیا اور مولانا عبد السلام کے پاس پہونچکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

فضا کی نیلی گہرائیوں میں سرخ رنگ جھلکنے لگا تھا اور سُرخی تیزی کے ساتھ نیلے رنگ پر غالب آنے لگی تھی۔ منوہر سنگھ نے اسد سے کہا۔

"اسد صاحب! فضا میں سرخی کی جھلک کیوں نمایاں ہوتی جا رہی ہے۔"

"کائنات کے کسی گوشے سے سرخ شعاعیں خارج ہو کر فضائے بسیط کے اس حصہ سے گزر رہی ہوں گی۔"

ڈاکٹر ایرچ، منوہر سنگھ کے پاس آنکھیں بند کیے ہوئے بیٹھا تھا۔ اسد کے جواب پر اس نے آنکھیں کھول دیں اور بولا۔

"اگر ایسا ہے تو ہم کو اس سرخ روشنی کا مخرج نظر آنا چاہیے اس لیے کہ ہم اس کے درمیان سے گزر رہے ہیں۔"

منوہر سنگھ بول اٹھا۔ لیکن نہیں ـــــ یہ سب ہمارا خیال ہی خیال ہے۔

دراصل یہ سرخ روشنی نہیں بلکہ اس کا عکس ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آفتاب کی شعاعیں ناچ کر ہمارے قریب سے گزر رہی ہوں"

مولانا عبدالسلام نے مسکرا کر کہا۔ "کائنات کی رنگینیاں انسان کے لیے ہمیشہ ایک راز رہیں گی۔"

مولانا عبدالسلام نے اپنا عبا اُتار کر اپنی کرسی کی پشت پر ڈال دیا۔ سعد نے بھی اپنی ٹائی کی گرہ ڈھیلی کر لی اور مولانا سے کہا۔

"کیا آپ بھی قدرے گرمی محسوس کر رہے ہیں۔؟"

"جی ہاں ـــــ اور کیا آپ کو بھی گرمی محسوس ہو رہی ہے۔؟"

اسد نے جھک کر دیوار میں لگے ہوئے مقیاس الحرارت کو دیکھا اور اسکا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ سعد اور مولانا عبدالسلام اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے۔

"کیا بات ہے اسد صاحب!" مولانا نے اس سے دریافت کیا۔

"کیا ہم جہنم کی طرف جا رہے ہیں۔؟"

"کیوں خیر تو ہے ـــــ؟" سعد نے اسد سے دریافت کیا۔

"اس وقت ہمارا راکٹ فضائے بسیط کے جس حصہ سے گزر رہا ہے اسکا درجۂ حرارت کرۂ ارض کے ہر ذی روح کو جلا کر راکھ کر دینے کے لیے کافی ہے۔"

"یعنی یہ کہ واقعی ـــــ" مولانا عبدالسلام گھبرا کر اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور روزن سے باہر دیکھنے لگے۔

"غالباً ہم فضا میں کائنات کے ایک ایسے حصے سے گزر رہے ہیں جس حصہ سے کچھ عرصہ قبل ایک دہکتا ہوا سیارہ گزرا ہے۔"

اسد نے اس سے دریافت کیا۔" کیا اِدھر سے کوئی ایسا سیارہ گزرا ہے؟"

جمیل بھی اپنے کیبن سے آگیا ارملا نے اس سے دریافت کیا۔

"کیوں جمیل صاحب! آپ نے ابھی مجھ سے یہی کہا تھا کہ اس وقت ہمارا راکٹ جس فضا سے گزر رہا ہے اسی حصہ سے کچھ عرصہ قبل ایک دہکتا ہوا سیارہ بھی گزرا ہے۔"

"ہاں ——— اگرچہ وہ ہماری نگاہوں اور دُوربینوں کی زد میں نہیں آسکا ہے لیکن راکٹ کے گردو پیش فضا میں ابتک اسکے ذرات موجود ہیں!"

منوہر سنگھ نے کہا۔" اب درجہ حرارت پھر گر رہا ہے۔ اور سرخی پر نیلگوں رنگ غالب آتا جارہا ہے۔"

اسد نے کہا۔" یقیناً اس خطے سے کوئی آتشیں سیارہ گزرا ہے لیکن تعجب ہے کہ ہم اسے نہ دیکھ سکے۔"

جمیل نے کچھ سوچکر کہا۔" ہوسکتا ہے کہ وہ سال دو سال قبل اِدھر سے گزرا ہو اور ابتک فضا میں اس کی حرارت باقی ہو!"

ارملا نے دوربین سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے کہا۔

" اب تنفر پھر صاف نظر آنے لگا ہے۔ لیکن اب اس کی چمک بتدریج کم ہو رہی ہے!"

"اٹھارہ یا انیس گھنٹے بعد ہم اس کی سطح پر پہونچ جائیں گے!" اسد نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔" بہرحال یہ فردوسی نظارے واقعی ناقابل فراموش ہیں۔"

مولانا عبدالسلام بول اُٹھے "—— اور یہ جہنمی حرارت —— جو ہم ابھی محسوس کر رہے تھے۔ کیا ہم اسے بھول جائیں گے —— ؟"
وہ مسکرانے لگے۔

"جنت اور دوزخ۔ فردوس اور جہنم ——" زمرد نے انگڑائی لیتے ہوئے مسکرا کر سعد کی طرف دیکھا اور اپنے کیبن میں چلی گئی۔

"یہ سب ہمارے کردار کا پرتو ہیں" اسد نے بغیر کسی ارادے کے کہا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے" مولانا عبدالسلام بولے "خدا نے انسانیت کی بقا کے لیے انسان کے سامنے جو نظام پیش کیا ہے۔ اس سے انحراف اسکی تباہی اور بربادی کا باعث ہوتا ہے اور اسی کلیہ کے پیش نظر میرے خیال میں انسان کی بلندی اور پستی جنت اور دوزخ کے نام سے موسوم کیجا سکتی ہو"۔

اسد نے مولانا عبدالسلام کو استفسارانہ نگاہوں سے دیکھا۔ یا تو مولانا کی باتیں اس کی فہم سے بالاتر تھیں اور وہ صحیح طور پر اپنا مطلب واضح نہیں کر سکے تھے۔ یا وہ انکا مطلب نہ سمجھ سکا تھا۔

دونوں خاموش ہو گئے۔ سعد نے بھی اپنی رفیقہ حیات کی طرح انگڑائی لی اور منھ پر ہاتھ رکھکر جمائی لیتا ہوا اپنے کیبن میں چلا گیا۔ اسد اپنی جگہ سے اٹھکر ٹہلنے لگا۔ دو گھنٹہ قبل اس نے ٹیلی ویژن پر اسی پر اسرار لڑکی کا عکس دیکھا تھا جو ایاز کی رصدگاہ میں اسے ٹیلی ویژن کے پردہ پر نظر آئی تھی۔ اب وہ عربی سمجھ سکتا تھا۔ اس پر اسرار لڑکی نے کرہ ارض سے آنے والوں کو خوش آمدید کہا تھا اور جذبات کی رو میں بدحواس ہو کر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا

اسد اسی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر ایسی حرکتیں کیوں کر رہی ہے۔ اگر وہ مجھ سے ناراض ہے تو اس کو ایسی دلداری کا کام کیوں ہو گیا ہے وہ اسی ادھیڑ بن میں نشست گاہ کے ایک گوشے تک پہونچکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور لامنوہر سنگھ کے پاس بیٹھی ہوئی اس سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھی دونوں کے چہرے مسرت سے کھلے ہوئے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر اسد کے چہرے پر بھی رونق آگئی۔

ایاز نے اسد سے بتا دیا تھا کہ منوہر سنگھ اور ارملا غیر محسوس طریقہ پر ایک دوسرے کے قریب آتے جا رہے ہیں۔ ان دونوں کی طرف دیکھ کر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ارملا خود اس سے خوش ہو کر باتیں کر رہی ہے وہ کچھ دیر ٹکٹکی باندھے دونوں کی طرف دیکھتا رہا۔ مولانا عبدالسلام بہت دُور کسی سیارے پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔

اسد اکتا کر کرسی سے اٹھا اور اپنے کیبن کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ زمرد اور سعد گزرگاہ میں نظر آئے۔ وہ اسی طرف آ رہے تھے، اسد نے انھیں دیکھتے ہی کہا۔

"میرا خیال تھا کہ آپ لوگ آرام کر رہے ہوں گے۔"

"اسوقت اپنی دنیا میں دوپہر ہو گی۔ کھانا تیار ہے ——— اگر آپ آرام کرنا چاہتے ہیں تو کھانا کھا کر آرام کیجئے گا۔"

مولانا عبدالسلام نے پلٹ کر زمرد کی طرف دیکھا اور کہنے لگے۔

"واقعی کھانے کا وقت ہو چکا ہے میں اس وقت بھوک کو کسل مندی پر محمول کر رہا تھا۔"

منوہر سنگھ بھی اسی طرف متوجہ ہو گیا۔

" واقعی ہم اب محسوس کر رہے ہیں کہ صبح کی صاف و تازہ ہوا۔ دوپہر کی تیز دھوپ اور شام کی سُرخ روشنی ہماری صحت کے لیے کس قدر ضروری ہے۔"

سعد نے کہا۔" اب راکٹ کا ہر فرد تکان محسوس کرنے لگا ہے۔ اور ہم اب اس میں چالیس گھنٹے سے زیادہ نہیں رہ سکتے ہیں۔"

" سولہ گھنٹے کے اندر ہی اندر ہم تفر کی سطح پر پہونچ جائیں گے۔" منوہر سنگھ نے اپنے سامنے میز پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

چند منٹ میں سب نشست گاہ میں آ گئے۔ خدمتگاروں نے کھانا کھلایا اور میزیں صاف ہوتے ہی مولانا عبدالسلام اور اسد چلے گئے۔ ارملا اور فرزانہ زمرد سے باتیں کرنے لگیں۔ میمونہ اپنی ڈائری لکھنے میں مصروف ہو گئی۔

جاوید راکٹ کی نشر گاہ سے کرۂ ارض کے لیے پیغام نشر کرنے لگا یکایک تاریکی بڑھنے لگی اور چند سکنڈ میں فضا بالکل تاریک ہو گئی اور دور و نزدیک بے شمار تارے چمکنے لگے۔

(۱۹)

تاریکی بڑھتے ہی منوہر سنگھ نے راکٹ کی رفتار پر قابو پالیا اور ایک ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر سامنے لگی ہوئی سوئی کی طرف دیکھا۔

مولانا عبدالسلام اور اسد اپنے کیبن سے نکل کر نشست گاہ میں آ گئے

اسد نے منوہر سنگھ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"یہ تاریکی کیسی ہے ــــــــ؟"

مولانا عبدالسلام فوراً بول اٹھے "شاید ہم پردۂ ظلمات میں پہونچ گئے ہیں"

منوہر سنگھ نے بغیر کسی گھبراہٹ کے کہا۔

ہم کسی بہت بڑے سیارے کی سطح کے قریب سے گذر رہے ہیں اس سیارہ کی سطح ہم سے دو ہزار دو سو پچپن میل دور ہے۔ اس وقت راکٹ ایک معمولی طیارے کی رفتار سے جا رہا ہے"

"کیا ہمارا رُخ اس سیارہ کی سطح کی طرف ہے۔؟"

"جی نہیں ــــ ہم اس کے متوازی پرواز کر رہے ہیں" منوہر سنگھ نے میز کی گھڑی پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا "ہم اس سیارہ کے جس رُخ پر پرواز کر رہے ہیں اس حصہ میں رات ہے"

جمیل نے کہا "لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہم اس سیارے کے اس قدر قریب پہنچ گئے اور اس کو دیکھ نہ سکے"

ارملا نے کہا "ہماری دوربین لاکھوں میل دور کے سیارے ہماری نگاہ کی زد میں لاتی ہے"

"بیشک ــــ" اسد نے یقین کے ساتھ کہا "اس کے عدسے بہت طاقتور ہیں لیکن پھر ہم اس سیارہ کو کیوں نہ دیکھ سکے"

مولانا عبدالسلام بول اٹھے "انسان قدرت کا ہر راز نہیں سمجھ سکتا ــــ"

جمیل نے آگے بڑھ کر اسد سے کہا "میری رائے میں تو ہم کو اس سیارے کے

اس حصے کو دیکھنا چاہیئے جو اس وقت آفتاب کے سامنے ہے۔

تاریکی بتدریج کم ہونے لگی۔

"پھر وہی نیلگوں آسمانی خلاء!" اسد نے ایک روزن سے اس طرف دیکھا جس طرف تاریکی کم ہوتی جا رہی تھی۔

منوہر سنگھ نے جھک کر کھڑکی کی طرف دیکھا اور بولا۔

"دو ہزار تین سو اسّی میل ——— ہم اس سیارہ کی سطح سے دو ہزار تین سو اسّی میل دُور ہیں۔"

"لیکن یہاں تو دائیں ہاتھ پر حدِ نظر تک کچھ بھی نہیں ہے!"

جمیل دوڑ کر اپنے کیبن میں گیا اور فوراً ہی واپس آ کر کہا۔

"ہم ایک غیر مرئی سیارے کے قریب سے گزر رہے ہیں۔ غالباً یہ سیارہ ایک حباب یا بلور کے بے رنگ قمقمے کی طرح فضائے بسیط میں دوسرے سیاروں کی کشش سے معلق ہے!"

اسد کچھ سوچ کر بولا: "بہرحال آفتاب کی شعاعوں کو کسی نہ کسی زاویہ سے اس کی سطح سے گزر کر یا ٹکرا کر ہم تک پہونچنا چاہیئے تھا ———"

اس کا جملہ ختم ہوتے ہی سب کی نگاہیں خلاء میں ایک قوس پر جم گئیں۔ ان کے سامنے ایک بہت بڑا قوس تھا جس کا ہر رنگ شوخ تھا اور وہ حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔

"آپ کا خیال صحیح نکلا!" جمیل نے اسد سے کہا "اب ہمارا راکٹ اس زاویہ پر پرواز کر رہا ہے جہاں سے آفتاب کی شعاعیں اس سیارے کی سطح سے ٹکرا کر مختلف

رنگوں میں تقسیم ہو رہی ہیں۔ یہ تو اس کائناتی ذروں پر انھیں بکھری ہوئی شعاعوں کا عکس ہے۔"

زہرہ نے خوش ہو کر کہا "قدرت نے ہمارے استقبال کے لیے یہ رنگین محراب بنایا ہے، ہمارا راکٹ اسی کے نیچے سے گزر کر سطح تفر تک پہنچیگا۔"

"اب ہم سطح سے صرف ایک ہزار میل دور ہیں" منوہر سنگھ نے گھڑی کی طرف دیکھ کر اعلان کیا۔

"وہ دیکھیے ——" جمیل نے انگلی سے باہر کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سامنے حد نگاہ تک ہم کو ایک جھلی چمکتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ یہ بلوری سیارہ ہے"

انعام اللہ نے ایک روزن کے قریب اپنا چہرہ لیجاتے ہوئے کہا۔ "یہ بلوری سطح ہے یا اس سیارے کا بحر ذخار۔ ہے"

جاوید اسی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولا "اگر اس سیارے کی سطح پر سمندر ہیں تو زندگی بھی ہوگی"

"وہ غیر مرئی ہے" اسد نے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔

جمیل اپنے کیبن میں جاچکا تھا، اسد نے منوہر سنگھ سے پوچھا۔

"اب کتنا فاصلہ ہے"

"تقریباً ڈیڑھ ہزار میل —— لیکن اب ہماری پرواز متوازی نہیں ہے۔ ہم اس سے لحظہ بہ لحظہ دور ہوتے جارہے ہیں"

"ہمارا رخ تفر کی طرف ہے"

"رفتار بڑھادو ——" اسد نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

آسمان کے نیلگوں خلا میں برق چمکی اور غائب ہو گئی۔ مولانا عبدالسلام نے اسد سے دریافت کیا۔

"یہ خیرہ کن روشنی کیسی تھی؟"

"اسی سیارہ کی بلّوری سطح کسی خاص زاویہ پر چمکی تھی۔ اب ہمارا راکٹ اسی رفتار سے پرواز کر رہا ہے۔"

"——— اور وہ قوس ——— اب وہ بھی نہیں نظر آ رہا ہے۔؟"

"وہ ایک نظری شعبدہ تھا۔ ایسے نظارے کسی خاص زاویہ ہی سے نظر آتے ہیں۔"

مولانا عبدالسلام کچھ دیر تک باہر کی سمت دیکھتے رہے۔ ہر طرف سرمئی نور پھیلا ہوا تھا۔ وہ اکتا کر اُٹھے ان کے ساتھ ہی اسد بھی اٹھا اور دونوں گزرگاہ میں چلے گئے۔ فیروز، زمرّد، ارملا، میمونہ سعد، انعام اللہ اور نعیم سرکار، منوہر سنگھ کے پیچھے بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

کرۂ ارض سے روانگی کے ساٹھ گھنٹے بعد نفر ایک بہت بڑے سرمئی رنگ کے گولے کی طرح نظر آنے لگا۔ اس کی جسامت برابر بڑھتی جا رہی تھی اور وہ بہت تیزی کے ساتھ راکٹ کی طرف آتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ راکٹ میں سفر کرنے والے ہر شخص کا چہرہ دفورِ مسرت سے کھلا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر ایرچ پائیلٹ کی سیٹ پر بیٹھا ہوا سامنے فضا میں دیکھ رہا تھا۔ منوہر سنگھ بار بار ایک ہینڈل کو اوپر اور نیچے کر کے ریڈار کی لہروں سے فاصلہ دیکھ رہا تھا۔ اسد بڑی دوربین کے پاس بیٹھا ہوا سطح نفر کا مشاہدہ کر رہا تھا مولانا عبدالسلام جاوید اور یوسف سے باتیں کر رہے تھے۔

نصف گھنٹہ بعد اسد اپنی جگہ سے اٹھا اور سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
"یہی ہماری منزل ہے ـــــ یہ جو خ نیل فام سے پرے ـــــ ملتان کی منزل ـــــ ساڑھے تین گھنٹہ بعد ہم وہاں پہونچ جائیں گے، زمرد، میمونہ، ارملا فیروزہ تم لوگ اپنا لباس تبدیل کرلو ـــ ہم سب نصف گھنٹے میں لباس تبدیل کرکے تیار ہوجائیں گے لیکن تم لوگوں کو ـــــ" وہ مسکراکر خاموش ہوگیا۔
فیروزہ اور زمرد کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔
میمونہ نے ارملا سے دریافت کیا" تم کون سا لباس پہنوگی۔ ؟"
" غرارہ ـــــ اور تم ؟"
" میں بھی غرارہ پہنوں گی ـــــ" فیروزہ بول اٹھی۔
"ہم سب غرارہ پہنیں گے" زمرد نے فیروزہ اور میمونہ کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور سب آپس میں باتیں کرتی ہوئی گزرگاہ میں داخل ہوگئیں۔
جمیل نے اسد کے پاس آکر کہا" اب ہم شفق کے دھبوں سے اس کا جغرافیہ معلوم کرسکتے ہیں"
" نعیم سرکار کو اب ایک لمحہ کے لیے اپنے کیمرہ کے پاس سے نہ ہٹنا چاہیے۔ ورنہ ہمارا ریکارڈ نامکمل رہ جائے گا ـــــ"
" وہ تو یوں بھی زیادہ تر اپنے ہی کیبن میں رہتے ہیں"
منوہر سنگھ نے کہا" ہندستانی وقت کے مطابق ہم تقریباً ۸ بجے صبح شفق پر اتر جائیں گے"
انعام اللہ بول اٹھا" لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہاں بھی صبح ہو"

ایرج نے کرۂ نفر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہم کرۂ نفر کے جس حصہ پر اتریں گے وہاں اس وقت دن ہوگا۔"

"نہیں یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے۔ اس دنیا میں بسنے والے ہم کو جہاں اترنے کا اشارہ کریں گے، ہم اسی جگہ اتریں گے۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں رات ہو۔ بہرحال یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر وقت ضائع کیا جائے۔"

کرۂ نفر کی جسامت تیزی کے ساتھ بڑھتی جارہی تھی اور وہ تیزی کے ساتھ راکٹ کی طرف آتا ہوا معلوم ہورہا تھا۔ سرمئی نور پر سیمابی جھلک غالب آتی جارہی تھی۔ ہر شخص اپنے کام میں مصروف تھا۔ کچھ دیر بعد اسد نے منوہر سنگھ سے کہا۔

کرۂ نفر کے گرد جابجا بادل کے ٹکڑے نظر آرہے ہیں۔"

"اوپر کے نصف حصے میں زیادہ ہیں اور نیچے کے نصف حصہ میں کم۔"

ایرج نے ایک گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب ہمارا راکٹ اس کی کشش قبول کررہا ہے۔"

"وہ بار بار ایک ہینڈل گھمارہا تھا اور میز پر لگی ہوئی گھڑی پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا

اسد نے دوربین سے نگاہیں ہٹا کر کہا۔

"ایک اڑن طشتری ہماری طرف آرہی ہے۔"

جاوید نے اپنے کیبن سے آلہ نشر الصوت پر کہا۔

"ہمارا راکٹ کرۂ نفر کی کشش پر پرواز کررہا ہے ایک اڑن طشتری معمولی رفتار پر پرواز کرتی ہوئی آرہی ہے۔ یہ ہماری راہنمائی کرے گی؟"

اسد اپنی جگہ سے اُٹھ کر نشست گاہ میں گیا اور کچھ دیر بعد واپس آکر مولانا عبدالسلام سے کہا۔

"مولانا صاحب! آپ آپ بھی لباس تبدیل کر لیجئے ـــــــ اور ایرج تم بھی تیار ہو کر آجاؤ تو منوہر سنگھ جائیں۔"

ایرج اور مولانا عبدالسلام اپنے کیبن میں چلے گئے۔ اسد نے ہر شخص کو یکے بعد دیگرے لباس تبدیل کرنے کا وقت دیا اور خود بھی لباس بدل کر نشست گاہ میں آگیا۔ مولانا عبدالسلام نے آتے ہی کہا۔

"اب ہم کو نماز فجر ادا کر لینا چاہیئے۔"

وہ سنہرے کلاہ پر سرمئی رنگ کی مشہدی لنگی باندھے ہوئے تھے اور سیاہ شیروانی پر سیاہ عبا پہن لیا تھا۔ اسد اور اس کے ساتھیوں نے نیلی سرج کے سوٹ پہن لیے تھے۔ سب کے گلے میں عنابی رنگ کی ٹائیاں بندھی ہوئی تھیں۔

مولانا عبدالسلام نے انعام اللہ سے دریافت کیا۔

"ابھی تک لڑکیاں نہیں آئیں۔"

انعام اللہ کے بجائے اسد بول اٹھا۔ "ہم کرہ سفر کی فضا میں پہونچ جائیں گے اس وقت بھی انکا سنگار ختم ہوگا۔"

"دیکھیے میں سب کو خبر کھڑاتا ہوں۔"

مولانا عبدالسلام گرہ گاہ کی طرف چلے گئے۔ منوہر سنگھ نے اسد سے کہا۔

ہم اپنے اندازے ایک گھنٹہ بعد سطح قمر پر پہونچیں گے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے ـــــ" اسد نے آتی ہوئی اُڑن طشتری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "رفتار پر قابو پانے کے لیے ہم کو اپنے انداز سے زیادہ وقت صرف کرنا پڑے گا۔"

مولانا نے گزرگاہ سے نکلتے ہوئے کہا۔

" اسد صاحب! واقعی آپ کا خیال صحیح تھا۔ ان لڑکیوں کا بناؤ سنگھار کافی وقت لے گا ـــــ"

منوہر سنگھ نے کہا۔ "ہم ایک گھنٹہ تاخیر سے پہونچیں گے اس وقت تک وہ سب تیار ہو جائیں گی ـــــ"

اُڑن طشتری سامنے آکر یکایک نگاہوں سے اوجھل ہو گئی اور کچھ دیر بعد بالکل قریب آگئی اور اسی رفتار سے پرواز کرنے لگی۔ جاوید انصاری نے اپنے کیبن سے کہا

"یہ پائلٹ سامنے ہے۔ ہماری رہنمائی کرنے والی اُڑن طشتری۔"

سب روزن سے اس طرف دیکھنے لگے اسی وقت نشست گاہ میں ایک آواز گونجتی ہوئی سنادی۔

"کرۂ ارض کے اولوالعزم انسانوں کو کائنات کے اس دور افتادہ سیارہ میں بسنے والوں کا سلام پہونچے۔ یہ طشتری آپ کی رہنمائی اور پیشوائی کے لیے آئی ہے اس دنیا کے انسان آپ کے لیے چشم براہ ہیں ـــــ وہ دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں ـــــ وہ مہمانوں کے استقبال کے لیے دارالحکومت کے فضائی مستقر میں جمع ہو رہے ہیں ـــــ اپنی گھڑیوں کے مطابق اپنے ایک گھنٹہ بعد آپ اپنی ہوائی کی رفتار بقدر نصف کم کر دیں ـــــ اس

طشتری سے پرواز کے متعلق ہدایات بار بار نشر کی جاتی رہیں گی"

اڑن طشتری سے تقریر عربی میں نشر کی گئی تھی، اسعد سعد کو لیکر نشر گاہ میں پہونچا اور اسے مائیکروفون کے سامنے کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا

"تم مناسب الفاظ میں مختصر طور پر انکا شکریہ ادا کرو"

"اس دنیا میں بسنے والے انسان ارضی انسان کا سلام شوق قبول کریں"

سعد نے فصیح عربی میں کہنا شروع کیا "ہم اپنے بھائیوں سے رابطہ قائم کرنے کے لیے جس مہم پر روانہ ہوئے تھے. خدا نے ہم کو اس میں کامیاب کیا. اس کرہ میں بسنے والوں کو ہماری طرف سے خیر سگالی کا پیغام پہونچا دیا جائے اپنے منتظر بھائیوں کی طرح اس کرہ کی سطح پر پہونچنے کے لیے ہم بھی مضطرب ہیں —— ہم اس رہنمائی اور پیشوائی کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں —— بیشک خدا قادر مطلق ہے اور اسی کی مدد سے ہم یہاں تک پہونچے ہیں"

سعد مائیکروفون کے سامنے سے ہٹ کر کھڑا ہوا۔ جاوید انصاری نے اس کا سلسلہ منقطع کرنے کے بعد کہا۔

"مہم کی کامیابی سے ہم کو جو خوشی حاصل ہوئی ہے اس سے ہماری عقلیں ماؤف ہوتی جا رہی ہیں۔ ہم کو گفتگو اور اظہار خیال کے لیے مناسب الفاظ نہیں مل رہے ہیں"

"کیا میں جلدی میں کچھ غلط کہہ گیا ہوں ——"

"نہیں —— تم نے بہت مناسب الفاظ میں جواب دیا ہے میں اپنے متعلق کہہ رہا ہوں —— ان کے وہ اشارے تھے لیکن میں ان کو

جواب نہ دے سکا۔"

جاوید انصاری ہنسنے لگا۔

زمرد دروازہ کھول کر نشست گاہ میں آگئی۔ وہ ہلکے گلابی رنگ کا غرارہ اور قمیض زیب تن کیے ہوئے تھی اور سینے اور شانوں پر دھانی رنگ کا دوپٹہ پڑا ہوا تھا۔ کانوں میں زمرد کے خوشنما آویزے لٹک رہے تھے۔ گلے میں موتیوں کا ایک سُبک ہار اور ایک سُبک طلائی زنجیر، زنجیر میں ایک چھوٹا چوکور لاکٹ لٹک رہا تھا۔

سعد نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو گویا تم اس لباس میں وہاں ارضی خواتین کی نمائندگی کرو گی۔"

"خیال تو یہی ہے —— کیا یہ لباس موزوں اور مناسب نہ ہوگا؟"

"میرے خیال میں یہ موزوں ترین لباس ہے —— نہ صرف ہندستان بلکہ اب یہ دنیا کے ہر حصے میں مقبول ہوتا جا رہا ہے —— مجھے یہ لباس بہت پسند ہے۔"

"میں نے اسی لیے پہنا ہے کہ یہ تم کو پسند ہے۔ کیوں جاوید صاحب!" زمرد نے جاوید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اس نئی دنیا میں کرۂ ارض کی خواتین کی نمائندگی کے لیے میرے خیال میں یہ موزوں ترین لباس ہے۔"

"بیشک" جاوید نے اس کی تائید کی۔

ارملا نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور زمرد سے کہا۔

"تم یہاں گھسی ہوئی ہو میں تم کو نشست گاہ میں دیکھ آئی۔"

"اچھا۔ ارملا! تم نے بھی غرارہ اور قمیص پہن رکھی ہے!"

"مردوں کی طرح ہم سب نے بھی ایک ہی وضع کا لباس اور زیورات پہنے ہیں۔ ایک ہی انداز میں بال سنوارے ہیں اور ایک ہی شیڈ کا پاؤڈر اور لپ اسٹک استعمال کی ہے"

زمرد، اسعد اور جاوید املا کے ساتھ نشست گاہ میں آ گئے۔ میمونہ اور فیروزہ نشست گاہ کے اگلے حصے میں کھڑی ہوئی ایرج اور انعام اللہ سے باتیں کر رہی تھیں۔ زمرد نے سب کو دیکھتے ہی کہا۔

"اوہ لباس تبدیل کرنے کی الجھن میں مجھے ناشتہ کا بھی خیال نہ رہا!"

وہ فوراً اگزرگاہ میں چلی گئی اور پانچ منٹ بعد واپس آکر کہا۔

"آپ سب تشریف رکھیں ناشتہ آ رہا ہے"

سب کرسیوں پر بیٹھ گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ باہر فضا میں سرمئی نور پر سپیدہ سحر کی سی جھلک بہت زیادہ غالب آگئی تھی، کرۂ ثُفر کی جسامت بہت بڑھ گئی تھی وہ چاند سے دس گنا بڑا نظر آرہا تھا اور لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اب اس میں نام کو بھی چمک نہیں باقی رہ گئی تھی اور اس کے نصف حصے پر سیاہ دھویں کی چادریں پھیلتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں

اُڑن طشتری راکٹ کے ساتھ پرواز کر رہی تھی۔ وہ ہر دس منٹ کے بعد راکٹ کے لیے ایک پیغام نشر کر رہی تھی اور راکٹ سے جواب دیا جا رہا تھا اُڑن طشتری میں بیٹھنے والوں نے اسد اور اس کے ساتھیوں کو جو مشورہ دیا تھا اس کے مطابق راکٹ کی رفتار پرواز نصف کر دی گئی تھی۔

ہر شخص اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا کام کر رہا تھا۔ اسد پائلٹ کی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔ پارچ اور منوہر سنگھ اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے تھے اور جھک جھک کر میز پر لگی ہوئی گھڑیوں کو دیکھ رہے تھے۔ طشتری سے پرواز کے متعلق برابر ہدایات موصول ہو رہی تھیں اور انھیں ہدایات پر اسد راکٹ کی رفتار میں کمی اور بیشی کر رہا تھا۔ نعیم سرکار تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد فضائی مناظر قلمبند کر رہا تھا جاوید انصاری، یوسف پرویز اور میمونہ آفاق بیک وقت کرہ ارض اور کرہ تنفر سے سلسلہ ملائے ہوئے تھے اور پیغامات کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔

مولانا عبدالسلام ایک روزن کے پاس خاموش کھڑے ہوئے اس نئی دنیا کی طرف دیکھ رہے تھے جو ان کی نگاہوں کے سامنے تھی اور بتدریج حد نگاہ تک پھیلتی جا رہی تھی اُڑن طشتری اب تک برابر پرواز کر رہی تھی۔ سامنے کہرے کی تہہ نظر آئی۔ اب حد نگاہ تک کرہ تنفر ہی نظر آ رہا تھا۔ راکٹ کہرے کی تہہ کو چیرتا ہوا پھر صاف فضا میں پہونچ گیا۔

اُڑن طشتری کچھ آگے بڑھ چکی تھی اور ایک مقررہ فاصلہ پر پرواز کر رہی تھی بھورے بادل دونوں کے درمیان آ گئے۔ اُڑن طشتری ایک ساعت کے لیے راکٹ میں بیٹھنے والوں کی نظروں سے اوجھل ہوئی اور پھر نظر آنے لگی۔ کرہ کے نقوش ابھرتے چلے آ رہے تھے۔ اسد کی نگاہیں سامنے کھڑکی کے دبیز شیشے پر جمی ہوئی تھیں۔ مولانا عبدالسلام اٹھ کر اسد کے قریب پہونچے اور اس سے دریافت کیا۔

"کیا آپ اسی رفتار سے سطح تک جائیں گے؟"

"رفتار پر قابو حاصل کر لیا گیا ہے۔ ہم ایک معمولی طیارے کی رفتار سے پرواز

کر رہے ہیں۔

سفید اور بھورے بادلوں میں اُڑن طشتری پھر نگاہوں سے غائب ہوگئی لیکن دو منٹ بعد ہی پھر نظر آئی وہ اسی فاصلہ پر پرواز کر رہی تھی اور اب پہاڑ، دریا، سمندر، خشکی، سبزہ اور جنگل سب صاف صاف نظر آنے لگے تھے۔

فرطِ مسرت سے اسد کی آنکھیں چمک اٹھیں اس نے دُوربین سے کچھ دیکھا اور اسے آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے تقریباً چیخ اٹھا۔

"وہ ہے ہماری منزل!" اس نے دفورِ مسرت میں سامنے تیشے کی طرف اشارہ کیا

(۱۷)

سب نشست گاہ میں آچکے تھے اور روزنوں کے قریب بیٹھے ہوئے سطحِ ثقر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اب عمارتیں سڑکیں اور باغات تک صاف نظر آنے لگے تھے۔ نعیم سرکار نے کیمرہ کا سوئچ دبا کر چھوڑ دیا تھا اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد عدسوں کو بدل رہا تھا۔

"سعد! دیکھو کتنی عالیشان عمارتیں ہیں" زمرد نے سعد کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اڑن طشتری ایک بہت بڑے شہر پر چکر کاٹ رہی تھی اور راکٹ اسکے ساتھ ایندھن کی طاقت سے پرواز کر رہا تھا۔

"منہر سنگھ ــــــ" مولانا عبدالسلام نے دفورِ جوش میں نوجوان سائنسدان

کو پکارا۔" وہ دیکھو ــــــ سامنے یہ وہی قصر ہے جو ہم نے ٹیلی ویژن کے پردہ پر دیکھا تھا ــــــ"

سب ایک عمارت کی طرف دیکھنے لگے۔ اُڑن طشتری اور راکٹ اسی جگہ ایک دائرہ کی شکل میں پرواز کر رہے تھے۔ اسد نے کانوں میں ہیڈ فون لگا لیے اور اُڑن طشتری کی ہدایات پر راکٹ کو چلا رہا تھا۔

منوہر سنگھ نے کہا۔ "اور وہ بازار ــــــ وہ وسیع چوراہا اس کے وسط میں فوارے چھوٹ رہے ہیں۔ یہ منظر بھی ہم دیکھ چکے ہیں۔"

"ابھی تک فضائی مستقر نہیں نظر آیا ــــــ؟" ارملا نے کسی کو مخاطب کیے بغیر سوال کیا راکٹ سطح زمین سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ منوہر سنگھ نے کہا۔

"شہر کے وسط میں یہ جو سبز میدان نظر آ رہا ہے۔ یہ سامنے جس کے وسط میں ایک راستہ سفید دھجی کی طرح ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا ہے میرے خیال میں مستقر ہے"

"میرا بھی یہی خیال ہے ــــــ" مولانا عبد السلام نے منوہر سنگھ کی تائید کی۔

"اس کے دونوں طرف بلند عمارتیں ہیں اور ــــــ اور ــــــ کناروں پر یہ کیا چیز حرکت کر رہی ہے۔؟"

"غالباً عوام ہمارے استقبال کے لیے جمع ہوئے ہیں وہ جھنڈیاں یا رومال ہلا رہے ہیں"

اسد نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

"آپ لوگ اپنی اپنی جگہ پر مضبوطی کے ساتھ بیٹھ جائیں۔ میں روزن بند کر نا ہوں

ممکن ہے کو سطح پر پھیلنے سے راکٹ کو دھچکا لگے۔

ہر شخص نے مضبوطی کے ساتھ کرسیوں کے ہتھوں کو پکڑ لیا۔ اسد نے ایک دستے کو کھینچا اور سب روزن بند ہو گئے۔ ایرچ جلد جلد دو دستوں کو گھما رہا تھا۔ چند سکنڈ بعد ایک معمولی سے دھچکے کے بعد راکٹ کی ہر چیز تھرتھرانے لگی اور ایک ہلکے جھٹکے کے ساتھ ہر چیز ساکن ہو گئی۔

اسد نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کر سکا۔ دور مسرت سے اس کے اعصاب سن ہو کر رہ گئے تھے۔ اسی طرح راکٹ کا ہر فرد اپنی جگہ پر سنگین مجسمہ کی طرح ساکت و صامت ہو گیا تھا۔ لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک نہ قائم رہی۔ اسد نے اپنے سامنے کھڑکی کے اس پار اپنے ہی جیسے انسانوں کو نقل و حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔ سب ایک ساتھ چونک پڑے۔ منوہر سنگھ نے مقیاس الہوا کی طرف دیکھا۔ راکٹ سے باہر ہوا کا دباؤ اتنا ہی تھا جتنا عام طور پر سطح ارض پر ہوتا ہے۔ درجہ حرارت بھی یکساں تھا۔

اسد کے ساتھ ہی سب کھڑے ہو گئے۔ اسد نے عبدالسلام کی طرف دیکھ کر کہا "مولانا صاحب! آپ ہماری قیادت کیجئے۔ اس جماعت میں آپ ہی بزرگ ہیں۔"

"بزرگی سن و سال سے نہیں بلکہ عقل سے ہوتی ہے۔ آؤ میرے نوجوان دوست آگے بڑھو۔"

مولانا عبدالسلام نے اسد کو آگے بڑھاتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ بےشک خدا بڑا ہے۔ وہ قادر مطلق ہے اور چاند سورج

اور ستارے اسی نے پیدا کئے اور اسی نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجا۔

اسد نے بڑھ کر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ مولانا عبدالسلام نے جوش میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا۔ اسد نے ہینڈل گھما کر کھینچا اور دروازہ کھل گیا۔

سامنے سبزے پر بیس بائیس انسان نصف دائرہ کی شکل میں کھڑے ہوئے تھے ان میں پانچ چھ خواتین بھی تھیں وہ مراکشی عربوں جیسے لباس پہنے ہوئے تھے۔ ایاز کے بنائے ہوئے ٹیلی ویژن کے پردہ پر اس نے اور اس کے ساتھی اس لباس میں ملبوس انسانوں کے عکس متعدد بار دیکھ چکے تھے۔ اسد نے بآواز بلند "السلام علیکم ——" کہا۔ اسی کے ساتھ اس کی نگاہ صف کے وسط میں اس پراسرار لڑکی پر پڑی جس کے عکس نے ایک بار اسے ایاز کی رصدگاہ میں متاثر کر دیا تھا اسد جس عالم میں تھا اسی عالم میں کھڑا رہ گیا۔

اسد کے پیچھے مولانا عبدالسلام تھے ان کے بعد زمرد، ارملا، میمونہ اور فیروزہ تھیں اسد کو متحیر اور پریشان دیکھ کر مولانا عبدالسلام نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کچھ کہنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اس جماعت نے ایک ساتھ "وعلیکم السلام" کہا اسد چونک پڑا اور مسکراتا ہوا راکٹ کے زینوں سے اتر کر زمین پر آگیا۔ اس کے بعد ہی مولانا عبدالسلام اور باقی افراد بھی باہر آ گئے۔

استقبال کرنے والوں میں سے ایک معمر شخص نے آگے بڑھتے ہوئے عربی میں کہا

"مرحبا! اے کرۂ مقدس سے آنے والو ——! کرۂ تفر کے صالحین، علمائے انسانیت، محققین دوران، مشیران امارت اور حکمائے وقت کا مشترکہ وفد اس دنیا

میں بسنے والے انسانوں کی طرف سے تمہارا خیر مقدم کرتا ہے۔"

اسد اور اس کے رفقا کار اس شخص کی طرف متوجہ ہو گئے وہ نحیف الجثہ دُبلا پتلا لیکن دراز قد تھا۔ اس کی لانبی سفید داڑھی اس کے سینہ پر لہرا رہی تھی اور ایک سبز عبا شانوں پر پڑی ہوئی تھی۔ مولانا عبدالسلام، منوہر سنگھ اور سعدی کی کوششوں سے اب اسد کی جماعت کا ہر شخص بلا تکلف عربی میں گفتگو کرنے لگا تھا۔ اسد نے آگے بڑھتے ہوئے جواب دیا۔

"ہم کرۂ ثُفر پر بسنے والے انسانوں کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہم کو خوش آمدید کہا اور ہم کو سطح ثُفر پر اترنے کا موقعہ دیا، ہم نے ان کے لیے کرۂ ارض سے دوستی اور خیر سگالی کا پیغام لائے ہیں۔"

اسد کی نگاہ خود بخود اس لڑکی کی طرف اُٹھ گئی جو صف کے وسط میں ایک معمر خاتون کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نگاہیں چار ہوتے ہی اسد قدرے متوحش ہوا لیکن فوراً سنبھل گیا اور سب کے ساتھ آہستہ آہستہ استقبال کرنے والوں کی طرف بڑھنے لگا سبز عبا والا معمر شخص دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے صف سے نکلا اور اسد سے بغلگیر ہو گیا۔

"کرۂ ثُفر پر بسنے والے انسان صدیوں سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

اس نے پرجوش لہجہ میں اسد کو دباتے ہوئے کہا اور ایک ساعت بعد اس سے علیحدہ ہو کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں اس دنیا کے امیر الامرا کا معتمد خاص حنیف بن ہشام الثقفی ہوں۔ اور ان کی طرف سے آپ کو خوش آمدید کہنے آیا ہوں۔"

"مجھے اسد کہتے ہیں۔ میں اس جماعت کا قائد ہوں اور ــــ" اسد کا جملہ مکمل ہونے سے قبل سعد بڑھ کر ان دونوں کے قریب پہونچ گیا اور حلیف بن ہشام کو حیرت و مسرت کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا۔

"ثقفی!ــ آہ ــــ آپ ثقفی ہیں جعفر الثقفی کی اولاد ــــــــ وہ میرے جدِ اعلیٰ تھے ــــ ہمارے جدِ اعلیٰ ــــ"

حلیف بن ہشام الثقفی نے سعد کو لپٹا لیا اور اس کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"ہمارے اسلاف خدا کے برگزیدہ بندے تھے"

حلیف بن ہشام نے سعد سے بھی مصافحہ کیا۔ اسد نے فرداً فرداً اپنی جماعت کے ہر رکن کا حلیف بن ہشام سے تعارف کرایا

استقبالیہ جماعت کے افراد ان کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ حلیف بن ہشام نے سب کو ایک دوسرے سے متعارف کرایا۔ اسد جس لڑکی کو اب تک اپنے خوابوں کی دُنیا کی پُراسرار حسینہ سمجھ رہا تھا اب وہ گوشت و پوست کی حالت میں اس کے سامنے موجود تھی۔ اس کا نام حزار بنت رازریق تھا وہ اسد اور اسکے ساتھیوں کو مسکراتی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کو دیکھ کر اسی کو سب سے زیادہ خوشی ہوئی ہے۔

تعارف کے بعد سب اس فلک بوس عمارت کی طرف چلے جس پر ایک نیلگوں پرچم لہرا رہا تھا۔ اس عمارت کے دونوں طرف بہت دُور تک سہ منزلہ عمارتوں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ ان عمارتوں کی ہر منزل کے دالانوں، دروازوں

اور دلدار بچوں میں عورت، مرد بوڑھے اور بچے کھڑے ہوئے رومال اور جھنڈیاں ہلا رہے تھے۔ میدان کے کنارے عمارتوں کے سامنے تھوڑے تھوڑے سے فاصلہ پر باوردی سپاہی ہاتھوں میں سرخ، سبز اور نیلی جھنڈیاں لیے ہوئے کھڑے تھے۔ ان کی وردیاں کچھ عربی اور کچھ فرانسیسی وضع قطع کی تھیں۔ ہر سپاہی کی کمر میں سنہری پٹی تھی اور اس میں داہنی طرف ایک چمکدار جگمگاری لٹک رہی تھی، بائیں طرف برقی مشعل سے مشابہ کوئی چیز تھی۔

فلک بوس کے بام و در جھنڈوں سے آراستہ کیے گئے تھے۔ عمارت کے سامنے زرق برق لباس میں ملبوس تقریباً دو سو نوجوان ایک دائرے میں کھڑے ہوئے ہلکے سروں میں عجیب و غریب قسم کے ساز بجا رہے تھے اور ان سے پرکیف نغمات بلند ہو رہے تھے۔ فضا میں ایک اُڑن طشتری بہت کم بلندی پر پرواز کر رہی تھی اور مہمانوں پر مسلسل پھول برسا رہی تھی۔ کرۂ ارض اور کرۂ زہرہ کے انسان آپس میں اس طرح ایک دوسرے سے شانے ملائے اور بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے چل رہے تھے گویا وہ سب ایک ہیں اور آپس میں روزمرہ کی گفتگو کر رہے ہیں۔ حنیف بن ہشام سعد اور سعد کے درمیان چل رہا تھا۔ زمرد، حمرا، میمونہ، اور ملا، فیروزہ اور دو نوجوان لڑکیاں ان سے آگے چل رہی تھیں۔ حنیف، ہاشم، اسد اور سعد سے بتا رہا تھا۔

"یہ دارالامارت کا فضائی مستقر اور اس فلک بوس عمارت میں فضائی طاقت کا صدر دفتر ہے۔"

صدر دفتر کے دروازے پر اعلیٰ افسروں نے ان کو خوش آمدید کہا۔ وہ بالکل

اُڑن طشتری

کرۂ ارض کے کسی متمدن ملک کی فضائی طاقت کے اعلیٰ افسر علوم ہو رہے تھے۔ وہ عربی اور فرانسیسی وضع اور قطع کے ملبوسات کے بجائے نیلگوں سوٹ پہنے ہوئے تھے اور عہدوں کی مناسبت سے کوٹ کی آستین پر امتیازی نشانات لگائے ہوئے تھے۔

اسد اور اس کی مہماتی جماعت کے اراکین ایک وسیع شہ نشین میں داخل ہوئے اس شہ نشین میں ہر طرف اندلسی وضع کے محراب تھے۔ چھت کو اس طرح سے بنایا گیا تھا کہ اس کے نقش و نگار تاریک رات میں تاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ جا بجا دیواروں اور محرابوں سے نظر نہ آنے والی درازوں سے روشنی پھوٹ کر صرف در و دیوار کے بیل بوٹوں پر منعکس ہو رہی تھی۔ چھت کے قریب دیواروں پر دو دو فیٹ تک منقش لٹک رہی تھی۔ محرابوں سے فرش تک موتیوں کی لڑیوں کا جال تنا ہوا اور ہلکی سیمابی روشنی میں کہکشاں کی طرح چمک رہا تھا۔

اسد اور اس کے ساتھی عجیب و غریب قیمتی آرائشی سامان اور فرنیچر کو حیرت و استعجاب کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ ان کے میزبانوں نے ان کو وسط ہال میں اس جگہ لے جا کر بٹھایا جہاں ناشتہ کی میزیں چنی ہوئی تھیں۔

منوہر سنگھ نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔

مولانا عبدالسلام نے پوچھا: "کیا وقت ہے؟"

"چھ بجکر دس منٹ" منوہر سنگھ نے جواب دیا: "یہاں آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔"

"اپنی دنیا میں ہندستان میں بھی طلوع آفتاب کا یہی وقت ہے۔" مولانا

عبدالسلام نے حلیف بن ہشام سے کہا: "قدرت کے بھی عجیب کھیل ہیں"

حلیف بن ہشام کے ایک نوجوان ساتھی حسن نے مولانا عبدالسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"قرانیہ کے جغرافیائی حالات بھی ہندوستان سے ملتے جلتے ہیں ـــــــ"

حسن مسکرائے۔ کرہ نفر کے اس حصہ کو قرانیہ کہتے ہیں۔ یہ منطقہ معتدلہ میں ہے"

وہ سب میزوں کے قریب پہونچکر ٹھہر گئے۔ حلیف نے اسد اور اسکے رفقاء کار کو دیگر افراد سے متعارف کرایا ان میں قرانیہ کا امیر وزرائے امارت اور حکومت کے ہر شعبہ کے اعلیٰ افسر تھے مہمانوں نے میزبانوں کے ساتھ مِلکر ناشتہ کیا اور نصف گھنٹہ بعد اس عظیم الشان چوراہے پر پہونچ گئے جس کا عکس وہ سب متعدد بار ٹیلی ویژن کے پردہ پر دیکھ چکے تھے۔

فوارے چھوٹ رہے تھے اور سامنے آفتاب کی روشنی میں قصر کے زریں بام و در چمک کر آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے۔ مہمان چار چار اور پانچ پانچ ٹولیوں کی میں تقسیم ہوگئے تھے۔ حلیف بن ہشام حسن بن جعفر۔ حمرا بنت راذان، قیلی فرائس عتیق الصباح ان کو ہر راستے اور ہر عمارت کی تفصیل اور حالات بتا رہے تھے۔

حمرا میمونہ، فیروزہ، زمرد اور ارملا کے ساتھ تھی وہ سب جدید قسم کی خود بخود چلنے والی کاروں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کاریں ہدایت پر چل رہی تھیں اور ہدایات کے مطابق ہی ان کی رفتار بھی کم اور بیشی ہو رہی تھی

حمرا نے قصر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مہمان خواتین سے کہا:

"یہ قصر الذہب ہے۔ اسے ایک خاص قسم کے سیال سے مطلا کیا گیا ہے۔ تمام

عمارت سے قبل خاندان فرغوتیہ کے آخری شہنشاہ ناطورش نے اسے اپنی چہیتی ملکہ شاردوبیہ کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ اس کا نقشہ ہمارے اسلاف نے بنایا تھا؛

ایک دوسری کار پر حنیف بن ہشام مولانا عبدالسلام، اسعد، سعد اور منوہر سنگھ سے کہہ رہا تھا:

" دو سو سال قبل تک کرۂ ثفر کے تین براعظموں کے بیشتر حصے پر خاندان فرغوتیہ کی حکومت تھی، ہمارے اسلاف جزیرہ نمائے میں ایلیا میں خاموشی کے ساتھ اپنے تجزیات میں مصروف تھے وہ امن کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتے تھے، لیکن فرغوتی حکمران اپنی طاقت کے زعم میں اندھے ہو رہے تھے وہ کرۂ ثفر کے ہر حصہ کو اپنے زیر نگیں دیکھنا چاہتے تھے۔ "

مولانا عبدالسلام مسکرا کر بول اُٹھے —— "اور اس کا انجام ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ یعنی ان کی سلطنت مٹ گئی۔ خزانے لٹ گئے اور وہ بے دریغ قتل کر دیے گئے ہوں گے اور جو بچ رہے ہوں گے وہ آج نان شبینہ کو محتاج ہو گئے۔"

"بالکل ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ فرما رہے ہیں۔" حنیف نے پرجوش لہجہ میں کہا "یہ قصر القدسیہ ہے۔ فرغوتی شہنشاہ ناطورش کی ملکہ کا محل اب یہ شوائی دارالعائنہ ہے"

سب قصر القدسیہ کی طرف دیکھنے لگے۔ سعد نے کہا۔

"تمہارا شعر... انھیں فواروں اور اس قصر کو ٹیلی ویژن کے پردوں پر دیکھ چکا ہوں۔"

"ہم گزشتہ پانچ سال سے ان مناظر کا عکس کرۂ ارض کے لیے نشر کر رہے ہیں —— کرۂ ارض کے ٹیلی ویژن اس وقت بھی ان ہی مناظر کا عکس اپنے پردوں پر

منعکس کر رہے ہوں گے۔"

حنیف کا جملہ ختم ہوتے ہی سڑک کے ایک گوشے سے ایک جاندار فولادی شہتیر اٹھتا ہوا نظر آیا۔ شہتیر کے سرے پر ایک چھوٹا کیبن لٹک رہا تھا۔ شہتیر اسد کی کار کے سامنے جھکا اور کار سے دو فیٹ کی بلندی پر آکر رک گیا۔

"یہ ٹیلی ویژن کیمرہ ہے ——" حنیف نے سب کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ہم نے کرۂ ارض کے انسانوں کو مطلع کر دیا ہے کہ ان کا مہماتی مشن خیریت کے ساتھ کرۂ نفر تک پہونچ گیا ہے اور اسوقت وہ لوگ ان مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جن کو انھوں نے کچھ عرصہ قبل ٹیلی ویژن کے پردہ پر دیکھا تھا۔"

"بیشک اللہ سب سے بڑا ہے۔" مولانا عبدالسلام نے کسی کو مخاطب کیے بغیر کہا۔

فولادی شہتیر فضا میں بلند ہوا اور دوسری کار پر جھکا۔ حنیف نے کہا۔

"قصر الذہب ایک شاندار محل ہے اس کا نقشہ ان انجینیروں نے بنایا تھا جن کے اسلاف کرۂ ارض سے یہاں آئے تھے۔ آپ لوگ اسی قصر کے ایک حصہ میں قیام کریں گے۔"

کاریں فواروں کے قریب سے گزرتی ہوئی قصر الذہب کے پھاٹک میں داخل ہوئیں اور نارنجی رنگ کی سڑک سے گزر کر محل کے بالکل سامنے پہونچ گئیں۔ حنیف اور اس کے ساتھیوں نے مہمانوں کو کار سے اتارا۔ محل کے سامنے ہر طرف قد آور جوان زرق برق وردیاں پہنے خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ مہمان ل اور میزبان آہستہ آہستہ شانہ بشانہ چل رہے تھے۔ زمرد کے محل کے وسطی گنبد کے

کلس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو نیو یارک کی پچاس منزلہ عمارت سے بھی زیادہ اونچا معلوم ہوتا ہے۔"

"یقیناً ــــ" سعد نے قصر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "لیکن اس کا طرزِ تعمیر بالکل اندلسی ہے۔"

منوہر سنگھ نے کہا۔ "غالباً قصرِ الزہرا کی نقل کی گئی ہے۔"

"بیشک! ــــ" حمراز نے منوہر سنگھ کو دیکھ کر کہا "ــــ لیکن یہ صرف اس کے ایک حصہ کی نقل ہے۔ خادمِ خلق امیر الامرا حضرت انس بن عطوف نے جبل العروج پر مدینۃ العلوم کے نام سے جو شہر آباد کیا ہے وہ مدینۃ الزہرا کا چربہ ہے۔ قصرِ زہرا اور مدینۃ الزہرا کا نقشہ مشہور مہندس احمد بن مالک اور اندلسی انجینیر سلیمان بن رازرلق نے تیار کیا تھا۔ وہ جب اندلس سے یہاں آئے تو وہ نقشے اپنے ساتھ لائے اور انہیں کے مطابق جا بجا عمارتیں بنائیں۔"

سب آپس میں باتیں کرتے ہوئے صدر دروازے کے سامنے پہونچ گئے دروازے کی سیڑھیوں پر چند خوش پوش نوجوانوں کی جلو میں ایک معمر شخص کھڑا ہوا تھا۔ مہمانوں کو دیکھتے ہی وہ مسکرا کر ان کی طرف بڑھا۔

"آپ شعیب القادر ہیں ــــ" حنیف نے اسد اور مولانا عبدالسلام سے کہا۔ "قاضی القضات ــــ"

قاضی القضات حضرت شعیب القادر نے بلند آواز میں "السلام علیکم" کہا اور بڑھ کر اسد سے مصافحہ کرتے ہوئے بولے۔

"آج کا دن بھی کتنا مبارک ہے۔ ہم صدیوں سے اسی دن کے منتظر تھے۔

اُڑن طشتری

بچھڑے ہوئے اسلاف کی اولادیں آج ایک دوسرے سے مل رہی ہیں۔

حنیف نے فرداً فرداً سب کا تعارف کرایا۔

قصر الذہب کے استقبالیہ شہ نشین میں پہونچتے ہی اسد اور اسکے ساتھی شہ نشین کے محراب و گنبد کو حیرت سے دیکھنے لگے۔ ان میں سے بیشتر لندن اور میڈرڈ کے عجائب خانوں میں قصر الزہرا کے ایک ایسے ہی شہ نشین کے محراب اور گنبد کی تصاویر اور خاکے دیکھ چکے تھے۔ اس شہ نشین کی آرائش آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

حضرت شعیب آقادر نے حنیف سے کہا۔

"مہمانوں کو ان کی جائے قیام پر لے چلیے ان کو آرام کی ضرورت ہے"!

مولانا عبد السلام اور منوہر سنگھ ان کے دائیں اور بائیں طرف چل رہے تھے اسد، سعد، زمرد اور حمرا ان سے کچھ پیچھے تھے۔ اسد کی نگاہیں بار بار حمرا کے چہرے کی طرف اُٹھ رہی تھیں لیکن اس میں اس قدر جرأت نہ تھی کہ اسے نگاہ بھر کر دیکھے۔ حمرا اپنے خوبصورت اور دلکش چہرے سے بار بار بال کی ایک آوارہ لٹ کو ہٹا رہی تھی شہ نشین کے محراب و گنبد اور اس پر منبت کاری کی تفصیل بتا رہی تھی۔

سب متعدد کمروں سے گزرتے اور زینے طے کرتے ہوئے ایک چھوٹے شہ نشین میں پہونچ گئے۔

(۱۸)

اسد اور اس کی جماعت کے لیے قصر الذہب کے جو کمرے مخصوص کیے گئے تھے وہ اس مصنوعی جھیل کے سامنے تھے جو قصر کی حدود میں ملکہ شارو بیہ کی تفریح کے لیے بنائی گئی تھی، ملکہ شارو بیہ کے متعلق مشہور تھا کہ وہ ایک غریب ملاح کی غیر معمولی حسین و جمیل لڑکی تھی۔ اسے بچپن ہی سے پانی میں تیرنے اور رہنے کا شوق تھا۔ شہنشاہ ناطورش کی محبوب ملکہ بن جانے کے بعد بھی اس کی یہ دلچسپی کم نہ ہوتی تھی۔

ان کمروں کی آرائش دیکھ کر مولانا عبدالسلام نے منوہر سنگھ سے کہا۔

"جو خدا کو اپناتے ہیں۔ اسے اپنا معبود سمجھتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں وہ دنیا ہی کو ان کے لیے جنت بنا دیتا ہے۔"

وہ دونوں ایک دریچے کے پاس کھڑے ہوئے جھیل کی طرف دیکھ رہے تھے، ارملا، زہرہ اور حمرا ان سے کچھ فاصلہ پر صوفوں پر بیٹھی ہوئی آپس میں باتیں کر رہی تھیں، منوہر سنگھ نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"عبادت؟ ——— عبادت سے آپ کا کیا مطلب ہے، نماز پنجگانہ؟"

"عبادت کے معنی ہیں فرائض کی ادائیگی ——— شکریہ۔"

مولانا عبدالسلام نے منوہر سنگھ کو بغور دیکھ کر کہا اور ٹہلنے لگے۔ منوہر سنگھ نے جھیل کی لہروں پر نگاہیں جما دیں اور کچھ سوچنے لگا۔ ارملا اٹھ کر اس کے پاس آئی اور اس کے چہرے کو جھک کر دیکھتے ہوئے مسکرائی۔ منوہر سنگھ بھی مسکرا دیا۔

"کسی گہرے خیال میں کھوئے ہوئے معلوم ہوتے ہو ——" ارملا نے دریافت کیا۔

"ہاں ——" منوہر سنگھ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "مولانا نے ابھی ان نظاروں سے متاثر ہو کر کہا تھا کہ جو اس کی عبادت کرتے ہیں وہ ان کے لیے دنیا کو جنت بنا دیتا ہے اور میرے استفسار پر بتایا کہ عبادت کے معنی ہیں فرض کی ادائیگی ——"

ارملا نے ہنستے ہوئے کہا "—— اور اب تم سوچ رہے ہو کہ ابتک کتنے فرائض ادا کر چکے ہو ——"

"میرے دوست! سب سے پہلے تم شادی کرو —— یہ بھی زندگی کے فرائض میں سے ہے بلکہ اہم ترین فرض ہے ——"

ارملا کے چہرے پر حیا کی سرخی آ گئی اور وہ جھیل کی طرف دیکھنے لگی۔ مولانا عبدالسلام نے زمرد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے تم اس دنیا کے متعلق کل معلومات آج ہی حاصل کر لوگی۔ ابھی تک تم لوگوں نے غسل تک نہیں کیا۔

"ہاں زمرد! بہن اب تم جا کر غسل کر و۔ کپڑے بدلو۔ اور بہن میمونہ تم بھی جاؤ۔" حمراء نے بے تکلفانہ لہجہ میں کہا "دل تو میرا ابھی اٹھنے کو نہیں چاہتا ہے لیکن مجھے بھی لباس تبدیل کرنا ہے ——"

میمونہ نے کہا "اگر کوئی حرج نہ ہو تو تم —— یعنی ——" وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

حمرا ارضی لڑکیوں سے اس بے تکلفی کے ساتھ باتیں کر رہی تھی گویا وہ انسے ہمیشہ سے واقف ہے اور ہر وقت ساتھ رہ چکی ہے۔ وہ میمونہ کا مطلب سمجھ گئی اور اس کو کھینچ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی،

"میں ضرور تمہارا کوئی اچھا سا لباس پہن لیتی لیکن میں حکومت کے سائنسی ادارے کے شعبۂ تحقیق کی ایک رکن ہوں اس لیے مجھے امیرالامرا کے حضور میں اپنے مخصوص لباس میں جانا ہوگا۔"

زمرد نے دریافت کیا۔ "تم کتنی دیر میں واپس آجاؤ گی؟"

"مجھے کہیں دور نہیں جانا ہے۔ مجلس استقبالیہ کے اراکین بھی قصرالذہب کے اسی حصہ میں مقیم ہیں۔ میرا کمرہ میمونہ کے کمرے کے سامنے ہے۔"

"اچھا تو پھر آؤ چلیں۔"

حمرا، میمونہ اور زمرد کھڑی ہوگئیں۔ منوہر سنگھ نے ارملا سے کہا۔

"تم بھی جاؤ ——— اور فیروزہ کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں ——— " میمونہ نے جواب دیا۔

وہ لوگ جس کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اس کے دروازے پر اسد اور حسن نظر آئے وہ برآمدے سے گزرتے ہوئے ایک بڑے محراب کی طرف جارہے تھے۔ مولانا عبدالسلام اور منوہر سنگھ غسل کر کے لباس تبدیل کر چکے تھے اسلیے ایک خوشنما دریچے کے پاس صوفے پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

ایک گھنٹے بعد حنیف بن ہشام اور اس کے ساتھی ارضی مہمانوں کو کاروں میں لے کر امیرالامرا کے قصر کی طرف روانہ ہوگئے ان کی کاروں کا قافلہ جس راستے

سے روانہ ہوا اس کے دونوں طرف عوام کھڑے ہوئے مسرت کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ حنیف، حسن، حمرا، اور ان کے دیگر اراکین وفد مہمانوں کو وہاں کے حالات بتا رہے تھے

کاروں کا قافلہ کشادہ سڑکوں اور وسیع پارکوں سے گزرتا ہوا دریا کے کنارے پہونچا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر بہت دور تک آٹھ منزلہ اور دس منزلہ عمارتوں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ قافلہ پل پر سے گزرتا ہوا ان عمارتوں کے سامنے پہونچا۔ حنیف ، اسد اور سعد کے درمیان بیٹھا ہوا ان سے کہہ رہا تھا۔

" ان عمارتوں میں سرکاری دفاتر ہیں اور ان کی پشت پر دارالسلام ہے ——— امیرالامرار کی سرکاری جائے قیام ——— اس کے دو حصے ہیں پہلا حصہ دارالامان کے نام سے مشہور ہیں۔ اس میں وزرائے امارت کے قصر ہیں دوسرا حصہ باب عالی کہلاتا ہے اس میں امیرالامرار رہتے ہیں ۔"

سعد نے کہا " بزرگ محترم! آپ نے ان کے متعلق ہم کو کچھ نہیں بتایا "

" ہمارے یہاں امیرالامرا کی وہی حیثیت ہے جو دنیائے اسلام میں خلفائے راشدین کی تھی۔ ان کا انتخاب بھی اسی طرح ہوتا ہے ——— یعنی مرکزی اور صوبائی انتخابات کے بعد منتخبہ اراکین امیرالامرار اور دیگر امیروں کو انتخاب کرتے ہیں۔ میں کسی وقت تفصیل کے ساتھ آپ کو سب کچھ سمجھا دونگا "

قافلہ ایک کشادہ چوراہے پر پہونچ گیا۔ اس چوراہے پر بھی فوارے چھوٹ رہے تھے اور اس کے چاروں طرف عالیشان عمارتیں تھیں۔ عمارتوں کے ہر دریچے میں لوگ کھڑے رومال اور جھنڈیاں ہلا کر مہمانوں کو خوش آمدید

کہہ رہے تھے۔

اسد نے حنیف سے کہا اس دنیا کے انسانوں نے جس خلوص اور محبت کا اظہار کیا ہے، اس کا ہم کس طرح شکریہ ادا کریں۔ کاش مجھے موقعہ دیا جائے کہ میں اپنے جذبات کو الفاظ میں ظاہر کر سکوں "

حنیف نے جواب دینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ سامنے ایک کشادہ سڑک پر دو بہت بڑے ستون نظر آئے۔ دونوں ستونوں پر سنگ اسود کے دو عظیم پیکر عقاب اس طرح نصب کیے گئے تھے کہ مائل پرواز نظر آتے تھے۔ ستونوں کے بعد سے اس کشادہ سڑک کے موڑ پر دو رویہ مسلح سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔

حنیف، اسد اور سعد سے امیر الامراء کی روزمرہ کی مصروفیات کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔

سعد نے کہا:" مجھے یہ سنکر مسرت ہوئی کہ عرب یہاں اپنے ساتھ جذبہ اقتدار پسندی۔ خانہ جنگی اور اپنی قدیم روایات نہیں لائے ورنہ یہاں بھی بنو امیہ اور بنو عباس کی تاریخ دہرائی جاتی

" ہم نے صرف اسلامی اصولوں کو پیش نظر رکھا، ہمارے سامنے صرف خلفائے راشدین کی زندگی رہی۔ ہم نے امارت کو ورثہ نہیں بنایا اور نہ دولت و ثروت سے متاثر ہوسکے۔ ہمارے موجودہ امیر الامراء عزت مآب حضرت طلحہ بن احمد مسند امارت پر آنے سے قبل ایک کامیاب قانون داں تھے۔ ان کے پاس دولت کی کمی نہ تھی چاہتے تو شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے لیکن انھوں نے اپنا سب کچھ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دیا۔ انھوں نے

بنی نوع انسان کی خدمت کو بھی عبادت کہا ـــــ وہ آج امیر الامرا، ہیں لیکن اپنا سب کام خود ہی کرتے ہیں اسی کے ساتھ خدمت خلق کے لیے بھی وقت نکال لیتے ہیں"

حنیف بن ہشام کو جوش میں یہ خیال بھی نہ رہا کہ کاریں باب عالی میں داخل ہو چکی ہیں۔ عمارت کے سامنے ایک سنگین چبوترے پر فوجی سپاہی ہلکے سروں میں بینڈ بجا رہے تھے۔ امیر الامرار کے محافظ دستے نے مہمانوں کو دیکھتے ہی خم ہو کر سلام کیا اور سرخ، سبز، نیلی اور زرد جھنڈیاں بلند کر کے مہمانوں کے گزرنے کیلئے محراب بنا دیا۔ محراب بنتے ہی جھنڈیوں سے معطر پھواریں پھوٹ نکلیں۔

صدر دروازے کی سیڑھیوں پر پانچ بزرگ صورت انسان نظر آئے۔ وہ سبز رنگ کی موٹے کپڑے کی عبائیں پہنے ہوئے تھے۔ اسد اور مہماتی جماعت کے اراکین اپنے میزبانوں کے ساتھ جھنڈیوں کی محرابوں کے نیچے سے گزرتے ہوئے سیڑھیوں کے قریب پہونچ گئے۔ حنیف بن ہشام سب سے آگے تھا اس نے پہلے زینے پر قدم رکھا ہی تھا کہ سامنے کھڑے ہوئے بزرگ صورت افراد نے قدرے آگے بڑھکر ایک ساتھ "السلام علیکم" کہا۔

اسد اور اس کے ساتھی جواب دیتے ہوئے ان کے قریب پہونچ گئے۔ درمیان میں کھڑے ہوئے قد آور بزرگ نے حنیف بن ہشام کی طرف دیکھا اور اس نے سب کا تعارف کرلیا۔

اسد، مولانا عبدالسلام، سعد، منوہر سنگھ، ارطلا اور ان کے ساتھی اس دنیا کے شہنشاہ عزت مآب حضرت طلحہ بن احمد کو حیرت سے دیکھ رہے تھے، وہ ان متمدن انسانوں کے حکمران تھے جو کرۂ ارض کے انسانوں سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ

تھے لیکن ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ معمولی سوتی کپڑے زیب تن کیے ہوتے تھے۔ اگر کرۂ ارض سے آنے والوں کو یہ نہ بتادیا جاتا کہ وہ امیرالامراء اور خادم خلق خدا ہیں تو وہ لوگ ان کو ایک معمولی انسان سمجھتے

حضرت طلحہ ابن احمد ہر ایک سے اس بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرنے لگے جیسے وہ ان سے مدتوں سے واقف ہیں اور اکثر ملتے رہتے ہیں۔ وہ اور ان کے چاروں معتمد مہمانوں کو اس آراستہ کمرے میں لے گئے جو اس وقت کی نشست کیلئے مخصوص کردیا گیا تھا۔ مہمانوں کی خاطر و تواضع کے ساتھ ہی حضرت طلحہ مہمانوں سے کرۂ ارض اور دنیائے اسلام کے حالات دریافت کرتے رہے۔ سب نے دوپہر کا کھانا امیرالامراء کے ساتھ کھایا۔ ظہر کی نماز باب عالی کی خوشنما مسجد میں ادا کی سہ پہر تک قصرالذہب واپس پہونچ گئے

ہر کمرے کے دروازے پر ایک پیش خدمت موجود تھا۔ ہر کمرے میں بین الاقامتی آلۂ نشرالصوت لگا ہوا تھا تاکہ مہمان اپنے کمرے ہی سے اپنے جس ساتھی سے چاہیں باتیں کریں۔ اپنے اپنے کمروں میں پہونچکر سب نے کچھ دیر آرام کیا اور نماز عصر کے بعد سب اپنے میزبانوں کے ساتھ ایک وسیع میدان میں پہونچے۔ اس میدان کے چاروں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر سرو سے مشابہ لیکن ان سے بہت اونچے درخت تھے۔ میدان میں جابجا خوبصورت مجسمے نصب تھے۔ یہ میدان کم و بیش کچھ فرلانگ چوڑا تھا۔ اس کے وسط میں ایک بہت بڑا فوارہ تھا چاروں گوشوں میں بھی چار فوارے اور حوض تھے۔ بلند درختوں کی قطاروں کے پیچھے ہر چہار طرف میں منزلہ مکانوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا سب عمارتوں کا طرز تعمیر ایک ہی تھا۔

میدان کے مختلف حصے میں ہزاروں آدمی جمع ہو چکے تھے اور ہر طرف سے ان کی آمد کا تانتا بندھا ہوا تھا۔

اسوقت حسن مہمانوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ ان کو ایک ایسے راستے سے اس میدان میں لے گیا جس طرف آمدورفت کم تھی۔ میدان کے ایک کنارے پر درختوں کی قطاروں سے تقریباً سو گز کے فاصلہ پر ایک سنگین اونچا پلیٹ فارم بنا ہوا تھا۔ اس چبوترے پر چھ قطاروں میں ریشمی غلافوں والے بڑے صوفے پڑے ہوئے تھے۔ چبوترے کے چاروں طرف دُور تک خوش پوش نوجوانوں کی قطاریں کھڑی ہوئی تھیں۔

حسن نے مہمانوں کو مرتفع پلیٹ فارم پر لیجاکر صوفوں پر بٹھاتے ہوئے کہا۔
"اس جگہ اہالیان شہر کی طرف سے آپ حضرات کی خدمت میں خطبۂ استقبالیہ پیش کیا جائے گا"!

"—— اور غالباً ہم کو شکریہ ادا کرنے کا بھی موقع دیا جائے گا —— ؟"
مولانا عبدالسلام نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

"یقیناً ——" حسن نے جواب دیکر پلیٹ فارم کے اس حصہ کی طرف دیکھا جہاں نقرئی انسان خاموش کھڑے ہوئے اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ حسن کے اشارے پر ایک شخص نے بڑھ کر اس کو ایک جڑاؤ زر مرصع فریم دیا۔ اس نے فریم کھول کر مہمانوں کو خطبۂ استقبالیہ کی نقل کی ایک ایک فرد دی اور پلیٹ فارم کے وسط میں رکھی ہوئی میز کے پاس جاکر اس کو بغور دیکھا۔ میز میں ایک عکس نما چند سوئچ اور متعدد لٹو لگے ہوئے تھے۔ حرار، زمرد اور سعد کے پاس بیٹھی ہوئی ماہت

کر رہی تھی۔ حسن کو میز کے قریب دیکھ کر وہ بھی اس کے پاس پہنچ گئی اور میز پر لگی ہوئی گھڑی کو دیکھ کر کہا

"ابھی نصف گھنٹہ باقی ہے!"

"مغرب کی نماز کے بعد ہی میدان بھر جائے گا۔ ہم مہمانوں کو زیادہ زحمت بھی نہیں دینا چاہتے ہیں ـــ"

ثمرا جواب دینے کے بجائے میز پر لگے ہوئے لٹوؤں کو گھما کر دیکھنے لگی۔ حسن اسد کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ مغرب سے کچھ قبل میدان کے اوپر ایک اڑن طشتری پرواز کرتی ہوئی نظر آئی وہ ایک طرف سے آئی اور فضا میں دھوئیں کی دبیز، چمکدار سرمئی لکیر بناتی ہوئی چلی گئی۔ منوہر سنگھ نے لکیر کی طرف دیکھ کر اسد سے کہا۔

"یہ کسی خاص قسم کا گیس معلوم ہوتا ہے۔ دیکھیے وہ آہستہ آہستہ میدان کی فضا پر چھاتا جا رہا ہے"

اسد نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا "دھوئیں یا گیس کی ہلکی چمکدار سرمئی تہہ پھیلتی جا رہی ہے!"

حسن ، مولانا عبدالسلام سے کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کر رہا تھا۔ ثمرا، زمرد اور سعد کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور اسد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"نماز کے بعد ہی خطبۂ استقبالیہ پڑھا جائے گا۔ اس کے بعد مہمانوں کی طرف سے آپ اس جماعت کے قائد کی حیثیت سے شکریہ ادا کریں گے"

وہ مسکرا رہی تھی اور اس کی آنکھیں پانی کی ساکن سطح پر تاروں کے عکس

کی طرح چمک رہی تھیں۔

حمرا نے پہلی بار اسد کو براہ راست مخاطب کیا تھا۔ وہ قدرے گھبرا گیا اسکی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ اس نے حمرا کی طرف دیکھا اور دیکھتا رہ گیا اسد کی اس گھبراہٹ سے حمرا کے چہرے پر بھی رنگ آگیا اور وہ اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کے لیے وسط میں رکھی ہوئی میز کی طرف دیکھنے لگی لیکن زمرد سے اس کی پریشانی پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اس نے مسکرا کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ میدان میں اذان کی آواز گونجی اور سب اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ہیجانی لمحہ گزر گیا۔

اسد نے فوراً اپنی حالت پر قابو پالیا اور مزید تیقن کے لیے کھنکھار کر حمرا سے پوچھا۔

"معاف فرمایئے گا ــــ میں کسی دوسرے خیال میں کھویا ہوا تھا اسلیئے سمجھ نہ سکا۔ آپ ابھی کیا دریافت فرما رہی تھیں ــــ؟"

حمرا نے شرمائی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اپنی جماعت کے قائد کی حیثیت سے آپ عوام سے خطاب کرینگے؟"

"بیشک۔ یہ میرا اخلاقی فرض ہے لیکن میرے بعد میرے محترم بزرگ مولانا عبدالسلام اور ان کے بعد ــــ یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ اس جماعت کا ہر رکن اپنے میزبانوں کا شکریہ ادا کرے گا۔"

اسد اور اس کے ساتھی اذان کے ساتھ ہی کھڑے ہو چکے تھے۔ حمرا نے زمرد اور میمونہ سے کہا۔

"ہم میدان کے اس گوشہ میں نماز ادا کریں گے۔" اس نے ایک مختصر چمن کی طرف اشارہ کیا۔

فیروزہ اور ارملا بھی میمونہ زمرد اور حمرا کے ساتھ چمن میں چلی گئیں۔ مہانوں اور سرکاری میزبانوں نے پلیٹ فارم کے قریب سبزہ پر نماز ادا کی اور بیس منٹ بعد سب پلیٹ فارم پر آگئے۔

جیسے جیسے تاریکی بڑھتی جا رہی تھی ویسے ویسے سیمابی روشنی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ منوہر سنگھ نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ اُڑن طشتری میدان کے اوپر سیمابی گیس کی چادر پھیلا گئی تھی۔ اب وہ چادر منور ہوتی جا رہی ہے۔"

حمرا نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ اسد فوراً بول اُٹھا۔

"اس میں فاسفورس کا گیس بھی ہے۔ غالباً یہ چند گیسوں کا مرکب ہے۔"

اس نے حمرا کی طرف دیکھا۔

"آپ کا خیال صحیح ہے۔" حمرا نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا

"تاریک راتوں میں ایسے اجتماعات کے موقعوں پر گیسوں کا یہ مرکب استعمال کیا جاتا ہے۔ دیکھیے روشنی کس تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ چند منٹ میں آپ اس روشنی میں ہر چیز کو اسی طرح دیکھ سکیں گے جس طرح روز روشن میں دیکھتے ہیں۔"

حمرا کے خاموش ہوتے ہی حسن کھڑا ہو گیا اور اسد کو مخاطب کرتے ہوئے بولا

"شیخ حلیف بن ہشام آپ سے معذرت کر چکے ہیں ورنہ یہ خطبہ وہی پڑھتے اب آپ مجھے اس کے پڑھنے کی اجازت دیں"۔

"بسم اللہ ——" اسد نے جواب دیا۔

حمراء اور حسن وسط میں بچھی ہوئی میز کے پاس پہونچ گئے۔ حمراء نے ایک سوئچ دبایا اور حسن کے چہرہ پر روشنی کا ایک حلقہ بن گیا۔ فضاء پر چھائی ہوئی گیس کی روشنی اس قدر تیز ہو چکی تھی میدان کا ہر حصہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اسد اور اس کے ساتھیوں نے انسانوں کا اسقدر زبردست اجتماع اس سے قبل نہ دیکھا تھا۔

سعد نے کہا "کم بیش پندرہ لاکھ انسان ہوں گے"۔

"یقیناً ——" انعام اللہ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جس طرف نظر جاتی ہے آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں"۔

"اس شہر کی آبادی بھی ایک کروڑ سے کم نہ ہوگی" مولانا عبدلسلام نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

میز کے ایک کونے پر سُرخ روشنی نظر آئی اور سب خاموش ہو گئے۔ میدان میں جہاں تک نظر جا رہی تھی۔ ہر شخص اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ حسن نے حمد خدا اور نعت رسول کے بعد خطبہ شروع کیا اور اس کی آواز میدان کے دوسرے کنارے تک گونجتی ہوئی سنائی دی۔ خطبہ بہت مختصر تھا۔ حسن نے خطبہ ختم کرتے ہی عوام سے اسد کا تعارف کرایا۔ حمراء میز کے قریب کھڑی ہوئی ایک ہاتھ سے کبھی ایک سوئچ دبا رہی تھی اور کبھی دوسرا

اس کا دوسرا ہاتھ ایک لٹو پہ حرکت کر رہا تھا۔ اسد نے چند الفاظ میں اس دنیا کے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اسد کے بعد مولانا عبدالسلام نے پانچ منٹ تک تقریر کی۔ ان کے بعد سعد میز کے قریب پہونچا اور جوش و مسرت سے سات منٹ تک تقریر کرتا رہا۔ باقی ماندہ مہمانوں نے ڈیڑھ اور دو منٹ میں اپنی تقریریں ختم کر دیں اور نصف گھنٹہ بعد سب کھلی ہوئی کاروں میں بیٹھکر قصر الذہب کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستہ میں بازاروں کی رونق اور سڑکوں کی چہل پہل دیکھ کر زمرد نے ارلا سے کہا "اپنی دنیا کے متمدن شہروں میں بھی ایسی ہی رونق اور چہل پہل رہتی ہے لیکن نہ تو وہاں کی سڑکیں اس قدر چوڑی ہوتی ہیں اور نہ اس باقاعدگی کے ساتھ ٹریفک چلتا ہے۔ یہاں تو ایسا معلوم ہو رہا ہے گویا ایک نظام اور ایک ہی ضابطہ کے ماتحت سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے"

حمرا فوراً بول اٹھی "یہ شہر کے معروف ترین بازاروں میں سے ایک ہے لیکن یہ راستہ مہمانوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے ــــــ صرف ٹرام۔ کار۔ بس اور ایسی ہی گاڑیوں کو ادھر سے گزرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ پیدل چلنے والے دوسرے راستے سے جا رہے ہیں"

ارلا نے کہا "میں ایک معمولی شہری کی حیثیت سے یہاں کے بازار۔ تفریح گاہیں اور عمارتیں دیکھنا چاہتی ہوں ــــــ"

حمرا بولی "کل سے ہم سادہ لباس میں معمولی شہریوں کی طرح سیر کریں گے"

فیروزہ نے کہا "واقعی ہم یہاں اسی طرح سیر بھی کر سکتے ہیں"

کاریں کشادہ سڑکوں سے گزرتی ہوئی قصر الذہب کے سامنے پہونچ گئیں۔ محل

سفید اور نیلگوں روشنی سے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ فوارے چھوٹ رہے تھے۔ ان پر مختلف رنگوں کی روشنی کا عکس پڑ کر چاروں طرف بیسوں قوس قزح بنا رہا تھا۔ کاریں رینگتی ہوئی قصر کے پھاٹک میں داخل ہو گئیں۔

(۱۹)

قصر الذہب میں پہونچکر ہمزار نے اسد سے بتایا کہ میدان میں حسن اور کرۂ ارض سے آئے ہوئے انسانوں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ کرۂ ارض پر بھی سنا گیا ہوگا اس نے یہ بھی بتایا کہ کرۂ ارض کے طاقتور ٹیلی ویژن نے ان کے عکس کو بھی قبول کیا ہوگا۔ اس وقت دونوں جھیل کی طرف کھلنے والے ایک دریچے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اور وہ ہمزار سے وہاں کے شعبۂ نشریات کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔ سعد، زمرد حسن اور فیروزہ ان دونوں سے کچھ ہی فاصلہ پر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ شیخ حنیف بن ہشام واپس آ چکے تھے اور کمرے کے وسط میں ایک صوفے پر مولانا عبدالسلام اور منوہر سنگھ کے درمیان بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ انعام اللہ ڈاکٹر ایرچ۔ فیروزہ، میمونہ اور چند نفری میزبان برآمدے میں قہقہے لگا رہے تھے۔

مولانا عبدالسلام نے بلند آواز میں کہا۔

" بچو! کیا موت کو بھولے ہوئے ہو ——— ؟"

سعد فوراً بول اٹھا۔" مولانا! آج تو کھانے کے بعد نماز ادا کی جائے گی"

اسد نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھا۔

"پندرہ منٹ بعد مہتمم مطبخ اشارہ کرے گا۔" حمرا نے اسد سے کہا۔

زمرد نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرائی۔ حمرا بھی مسکرا دی لیکن اس پر فوراً حیا غالب آ گئی اور وہ جھیل کی طرف دیکھنے لگی۔

اسد نے ایک ساعت بعد اس سے کہا "میں نے کرۂ ارض پر وہ تمام مناظر اپنے دوست ایاز کے ٹیلی ویژن پر دیکھے ہیں جو آپ یہاں سے نشر کرتی رہی ہیں۔"

"آپ نے صرف گذشتہ ماہ کے مناظر دیکھے ہیں!"

"—— اور یہ سلسلہ کب سے شروع ہوا ہے —— ؟"

"تیس سال قبل میرے والد مرحوم نے ایک ایسا طاقتور آلہ نشر العکس تیار کر لیا تھا جس سے کرۂ نمر کے مناظر کا عکس برقی لہروں کی صورت میں کائنات کے ہر حصہ میں پہنچایا جا سکتا تھا۔ اس وقت تک ہم کو کرۂ ارض کے بہت کم حالات معلوم تھے"

اسد بول اٹھا —— "لیکن آپ کے جد اعلیٰ تو ابو الصلت علیہ الرحمۃ کے ساتھ یہاں آئے تھے!"

"جی ہاں یہ تو صحیح ہے ——" نمری مہ پارہ نے انتہائی معصومیت کے ساتھ و مزید بانداز میں جواب دیا —— "لیکن کرۂ ارض کو خیرباد کہنے کے بعد دو سو سال تک ہمارا اس سے کوئی سلسلہ یا واسطہ نہیں رہا۔ ہمارے اسلاف کو کرۂ نمر کے انسانوں نے پرجوش خیر مقدم کیا۔ اس زمانہ کے نمری بھی متمدن تھے لیکن اتنے زیادہ ترقی یافتہ نہ تھے۔ ان کی تہذیب قدیم رومنوں سے ملتی جلتی تھی۔

اُڑن طشتری

زمانہ قدیم کے ارضی انسانوں کی طرح وہ ہر اس چیز کی پرستش کرتے تھے جس سے وہ ڈرتے تھے۔ انھوں نے ہمارے اسلاف کو سب سے بڑے خدا کی بھیجی ہوئی مخلوق سمجھا اور ان کو قدسی کہنے لگے۔ ابوالصلت اور ان کے ساتھیوں کی اولاد بس اس دنیا میں آج تک قدسی ہی کے نام سے مشہور ہیں ـــــ میں بھی قدسی ہوں۔"

اسد بہت توجہ کے ساتھ حمراء کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

" والد مرحوم نے جو آلہ نشر العکس تیار کیا تھا اس کے ذریعہ یہاں کے مناظر کو کرہ ارض پر منعکس کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس وقت تک کرہ ارض کے انسانوں کے ذہن میں شاید ٹیلی وژن کا تخیل بھی نہ آیا تھا اس لیے کہ عرصہ تک وہ لہریں سطح ارض سے ٹکراتی رہیں۔ تفری انسان نے ارضی انسان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کرہ کو تعصب اور خانہ جنگیوں نے میدان ترقی میں ایک ہزار سال پیچھے ڈھکیل دیا ـــــ"

اسد حمراء کی باتوں میں گردوپیش کو فراموش کرتا جا رہا تھا۔ حمراء بھی ماحول کو بھلا بیٹھی تھی۔ زمرد دونوں کے اس انہماک کو دیکھ کر مسکرائی اور بڑھ کر اسد سے کہا۔

" حمراء بیچاری تھک گئی ہوں گی ـــــ ان کو کرسی پیش کیجیے۔"

" اوہ ـــــ" اسد نے چونک کر خجل ہوتے ہوئے کہا۔" واقعی آپ تھک گئی ہوں گی مجھے اس کا خیال بھی نہ رہا ـــــ آئیے صوفے پر بیٹھ کر باتیں کریں ـــــ"

کمرے کے ایک گوشے سے ایک ... ... دیا۔ ... ...

اسد سے کہا۔

"آیئے اب کھانے کے کمرے میں چلیں۔"

مولانا عبدالسلام حنیف بن ہشام اور دیگر افراد کھڑے ہو چکے تھے۔ سب باتیں کرتے ہوئے کھانے کے کمرے میں گئے اور کھانا ختم کرنے کے بعد اسی کمرے میں آ گئے۔ مولانا عبدالسلام نے کھانے کے بعد ہی کہہ دیا تھا کہ نصف گھنٹہ بعد قصر الذہب کی جھیل کے کنارے والی مسجد میں نماز عشاء ادا کی جائے گی"

اسد اور حمرا، جھیل کی طرف کھلنے والے ایک خوشنما دریچہ کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ اسد نے بیٹھتے ہی کہا۔

ہاں تو اس وقت آپ کرۂ ارض کے متعلق کہہ رہی تھیں کہ تعصب اور خانہ جنگیوں نے اسے میدان ترقی میں ایک ہزار سال پیچھے دھکیل دیا۔"

"جی ہاں ـــــ" حمرا نے ایک دل نواز تبسم کے ساتھ کہا۔ "ہمارے جداعلیٰ کرۂ ارض سے آئے تھے۔ کرۂ ثفر متمدن ضرور تھا لیکن کرۂ ارض کی طرح ترقی یافتہ نہ تھا اس لیے حضرت ابوالصلت علیہ الرحمۃ اور ان کے رفقار کار یعنی قدسیوں نے یہاں پہونچکر نئے سرے سے تحقیق و تجسس اور تجزیات شروع کیے اور اسی لیے دو سو سال تک قدسیوں نے کرۂ ارض کی طرف رُخ نہ کیا۔"

اسد نے کہا "میرے خیال میں تو ان کو رابطہ قائم رکھنا چاہیے تھا ـــــ"

"چاہیے تو تھا اور ان کو اس کا احساس اور غم بھی تھا لیکن حالات نے انکو اس کی اجازت نہ دی۔ قدسیوں کے قائد حضرت ابوالصلت علیہ الرحمۃ نے اپنی بھلائی میں جو کشش استعمال کی تھی وہ زائل ہو چکی تھی اور یہاں ان کے پاس اپنے

آلات نہ تھے اس لیے ان لوگوں نے کرۂ ارض سے رابطہ قائم رکھنے کا خیال ہی دل سے نکال دیا اور تجربات میں مصروف ہو گئے ۔۔۔۔ "

اسد نے حمزار سے دریافت کیا " کیا یہاں کسی کتب خانہ میں کوئی ایسی مستند کتاب ہے جس میں تفصیل کے ساتھ قدسیوں کے قائد اور ان کے رفقاء کار کے حالات درج ہیں ۔۔۔۔ "

" جی ہاں ۔۔۔۔ اس قصر کے کتب خانہ میں بھی ایسی کتابیں ہیں "

" میں کل ایسی کتابیں دیکھوں گا "

" میں ضرور دکھاؤں گی ۔۔۔۔ " حمزار نے جواب دیتے ہوئے کہا " ہاں تو میں ابھی یہ بتا رہی تھی کہ دو سو سال تک قدسیوں نے کرۂ ارض کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس کے بعد سب سے پہلے ابو جعفر بن عبدالرحمٰن نامی ایک قدسی نے کرۂ ارض کی طرف لاسلکی پیغامات ارسال کیے۔ وہ مسلسل دس سال تک پیغامات ارسال کرتا رہا لیکن ارضی انسان دار التجارب اور رصد گاہوں سے نکل کر میدان جنگ میں پہونچ چکا تھا "

" ثغری انسان کو یہ کیسے معلوم ہوا ۔۔۔۔ ؟ " اسد نے مسکرا کر حمزار کے دلفریب چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

" اگر وہ دار التجارب اور رصد گاہوں میں رہتا تو میدان ترقی میں ثغری انسانوں سے کہیں آگے پہونچ چکا ہوتا ۔۔۔۔ "

" بیشک آپ کا خیال صحیح ہے " اسد نے مسکرا کر کہا " آپ جس زمانہ کا ذکر کر رہی ہیں اس وقت وہ کرۂ ارض میدان کارزار بنا ہوا تھا مغرب مشرق پر غالب آنے کی

کوشش کر رہا تھا۔ صلیبی اور ہلالی لڑائیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔

"یہی قدسیوں کا بھی خیال تھا۔ بہر حال قدسیوں نے تیس سال قبل ٹیلی ویژن کی صنعت کو ترقی کی معراج پر پہونچا دیا۔ میرے والد مرحوم نے صدہا بار یہاں کے مناظر کا عکس لہروں کی صورت میں کرۂ ارض تک پہونچایا لیکن اسوقت تک شاید وہاں ٹیلی ویژن نہیں ایجاد ہوا تھا۔"

"جی ہاں آپ کا خیال صحیح ہے۔"

"والد مرحوم بارہ سال تک کرۂ ارض کو اس طرف متوجہ کرتے رہے لیکن انکو کامیابی نہیں ہوئی جب میں پانچ سال کی تھی اس وقت ان کا انتقال ہوا انتقال سے دو تین روز قبل انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ بیٹی میں نے جو کام شروع کیا تھا۔ وہ پایۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکا وہ ادھورا ہے۔ تم جوان ہو کر اسے پایۂ تکمیل کو پہونچانا۔ پانچ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے لیکن ابو کی بات میرے دل میں اتر گئی اور جب میں سن شعور کو پہونچی تو میں نے عہد کر لیا کہ جبتک کرۂ ارض کے انسانوں کو کرۂ مشتری کی طرف متوجہ نہ کرا لوں گی اس وقت تک دنیا کے کسی دوسرے کام میں کوئی دلچسپی نہ لوں گی۔ میں نے اپنی عمر کے پندرھویں سال سے آلۂ نشر العکس پر تجربہ شروع کیا۔ تعلیم کے ساتھ ہی تحقیق و تجسس میں بھی مصروف رہی۔ گزشتہ سال میں نے دار العلوم سے تعلیم کی اعلیٰ سند حاصل کی اور گزشتہ سال موسم بہار میں پہلی بار قصر الذہب کا عکس لہروں کی صورت میں کرۂ ارض تک پہونچایا۔ آٹھ ماہ تک میں روزانہ ہر چار گھنٹے کے بعد مناظر کا عکس نشر کرتی رہی لیکن ——— لیکن" وہ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

"ـــــــ لیکن آپ کو کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی ــــــ" اسد نے اس کا نامکمل جملہ مکمل کر دیا۔

"جی ہاں ـــــ" حمرا کی مخمور آنکھیں اسد کی طرف اُٹھ گئیں "۔ لیکن میں نے اس کو اپنی ناکامی پر محمول نہیں کیا بلکہ لہروں کی طاقت بڑھا دی۔ اسلئے کہ ہماری ہوائیاں کرۂ ارض تک پہونچ چکی تھیں اور ان میں سفر کرنے والوں نے کرۂ ارض کے مناظر اپنے ٹیلی ویژن پر دیکھے تھے۔ اس لیے میں نے اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دیں اور دوسرے ماہ ریڈر کی لہروں سے یہ معلوم کر لیا کہ کرۂ ارض کے کسی حصہ میں میرے نشر کیے ہوئے مناظر ٹیلی ویژن پر دیکھے جا رہے ہیں۔"

"ــــــ اور اس طرح آپ کا عہد پورا ہو گیا۔" اسد نے مسکرا کر حمرا کی طرف دیکھا۔

"جی نہیں ـــــ" حمرا نے انتہائی سادگی کے ساتھ منھ بنا کر کہا "ارضی انسانوں کو کرۂ ثفر کی طرف متوجہ کرنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ وہ کرۂ ثفر تک پہنچیں آپ کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ پندرہ سال کی عمر سے میں نے کسی خوشی کی تقریب یا تہوار میں کوئی حصہ نہیں لیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل تک میں بہت پر اُمید تھی لیکن دو تین ماہ قبل جب ہماری اُڑن طشتریوں کے مشاہدین نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ کرۂ ارض کے انسان ابھی تک کوئی ایسی ہوائی نہیں تیار کر سکے ہیں جو فضائے بسیط میں تیرتی ہوئی کرۂ ثفر تک پہونچ سکے تو میرا دل ٹوٹ گیا اس وقت میں نشرگاہ میں تھی اور کرۂ ارض کے لیے اپنا پروگرام نشر کرنے جا رہی تھی کہ میری عزیز ترین سہیلی سلمٰی نے مجھے رپورٹ دکھائی۔ رپورٹ دیکھتے ہی میری عجیب

حالت ہوگئی ـــــ مجھے یقین ہو گیا کہ خدا نے مجھے ہمیشہ کے لیے زندگی کی مسرتوں اور دنیا کی دل چسپیوں سے محروم کر دیا ہے ـــــ اُف ـــــ میں آپ سے کیا عرض کروں کہ اس وقت میری کیا حالت ہو گئی تھی۔ بہر حال اس وقت تو میں نے کسی نہ کسی طرح پروگرام نشر کیا لیکن اس کے بعد میری حالت غیر ہو گئی ـــــ"

"ـــــ اور آپ دو ایک روز تک اپنا عکس نہ نشر کر سکیں ـــــ میں اس وقت ٹیلی ویژن کے پردہ پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ پہلے آپ نے کسی غیر مانوس زبان میں تقریر کی اس کے بعد ٹیلی ویژن کا کیمرہ آپ کے چہرے کے بالکل قریب آ گیا۔ آپ کا چہرہ حسرت ویاس کا مرقع نظر آ رہا تھا۔ آپ حسرت سے ٹیلی ویژن کیمرہ کے عدسہ کی طرف دیکھ رہی تھیں آپ کی آنکھوں میں آنسو تیرتے ہوئے نظر آئے اور ـــــ اور ـــــ اُف میں وہ منظر کبھی نہ بھولوں گا ـــــ"

"آہ وہ منظر نشر ہو گیا ـــــ میری اس متغیر حالت کا منظر نشر ہو گیا!"

حمرا نے دریچہ سے باہر متجابانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مغموم لہجہ میں کہا۔

اسد اس کو پریشان اور مغموم دیکھ کر بے چین ہو گیا اور اس کی طرف جھک کر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ جھیل کے کنارے مسجد میں مؤذن نے اذان دی۔

اذان سنتے ہی حمرا بھی چونک پڑی اور فوراً کھڑی ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی اسد بھی اٹھا اور سب خاموشی کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ حمرا، میمونہ اور زمرد کے ساتھ چلنے لگی۔ اسد، سعد اور مولانا عبدالسلام کے ساتھ چل رہا تھا لیکن وہ اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ وہ سب زینے سے اتر کر پھولوں کے تختوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے مسجد کے سامنے پہونچ گئے۔

منوہر سنگھ ڈاکٹر ایرچ، فیروزہ اور ارملا بھی مسجد تک اُن کے ساتھ آ گئے۔ منوہر سنگھ نے مسجد کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ مسجد تو قلعہ معلّٰی کی یاد تازہ کرا رہی ہے۔ بالکل موتی مسجد معلوم ہو رہی ہے۔"
سب ایک ساعت کے لیے مسجد کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ حنیف بن ہشام نے کہا۔

"یہ مسجد اٹھارہ سال قبل قصر الذہب کے ایک نگراں غوث بن حکیم کی اہلیہ (ا) سلمیٰ نے اپنی لڑکی کی پہلی سال گرہ کی خوشی میں تعمیر کرائی تھی۔ اس وقت وہ لوگ قصر کے اسی حصہ میں رہتے تھے۔"

مسجد کے اندر کا حصہ سیمابی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ باہر کے حصہ پر محل کی روشنی پڑ رہی تھی۔ جھیل کے سیاہ پس منظر نے تیز روشنی میں مسجد کی خوبصورتی اور دلآویزی میں چار چاند لگا دیے تھے۔

منوہر سنگھ، ڈاکٹر ایرچ، فیروزہ اور ارملا آپس میں باتیں کرتے ہوئے جھیل کے کنارے ٹہلتے ہوئے بہت دُور نکل گئے۔ ان کی گفتگو کا موضوع اسلام کے سادہ اصول، انسانیت کی تعلیم اور اسلامی عقائد کی خصوصیات تھا۔ منوہر سنگھ عالمانہ انداز میں اسلام کی خوبیاں بیان کر رہا تھا۔

فیروزہ نے کہا "جہاں تک اسلام کی تعلیمات کا تعلق ہے۔ بیشک یہ انسان کو انسانیت سے قریب لے جاتا ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بانیِ اسلام خدا کے نبی تھے۔ ان کے بعد بھی کچھ عرصہ تک مسلمان اپنے پیغمبر کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے رہے لیکن یہ حالت زیادہ عرصہ تک نہ قائم رہ سکی۔ اگرچہ اسلام کی تبلیغ ہوتی

رہی اور مسلمان یورپ، ایشیا اور افریقہ پر چھا گئے لیکن ان میں بیشتر تعداد ایسے افراد کی تھی جو برائے نام مسلمان تھے۔"

منوہر سنگھ نے کہا: "اسلام میں شہنشاہیت کی بنا پڑتے ہی انکا زوال شروع ہو گیا۔ فتوحات کے اعتبار سے ان کا یہ دور بہت شاندار تھا لیکن بعد میں اس نے رخنے پیدا کر دیے۔"

"بہرحال" اربلابولی "ارضی مسلمانوں کے مقابلہ میں تنفری مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہیں۔"

منوہر سنگھ اور اس کے ساتھی واپسی میں جب مسجد کے قریب پہونچے تو سعد، اسد اور نعیم سرکار کو مسجد سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا ان کے بعد ہی حمرا، زمرد اور میمونہ نظر آئیں اور یکے بعد دیگرے سب مسجد سے کچھ فاصلہ پر سبزہ پر جمع ہو گئے۔

زمرد نے مولانا عبدالسلام سے کہا: "میں تو کچھ دیر جھیل قدمی کرنا چاہتی ہوں کیوں سعد ــــــ؟" اس نے اپنے شوہر سے دریافت کیا۔

"ہاں ــــــ اچھی زمرد اس وقت تم نے میرے دل کی بات کہدی۔"

اسد نے غیر ارادی طور پر حمرا کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک مغموم اور پریشان نظر آرہی تھی۔ اور جھیل کی تاریکیوں میں کسی نقطہ پر نگاہیں جمائے کچھ سوچ رہی تھی۔

مولانا عبدالسلام نے کہا: "میں تو اب اپنے کمرے میں جارہا ہوں۔"

وہ حذیفہ بن ہشام سے باتیں کرتے ہوئے مقصر کی طرف چلے۔ زمرد نے

حرا سے دریافت کیا۔

"حرا! بہن کیا تم کچھ دیر ہمارے ساتھ رہو گی؟"

"کیا مضائقہ ہے ___" حرا نے چونک کر زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ قدرے مضمحل نظر آ رہی ہیں؟" اسد نے حرا سے کہا۔ "میرے خیال میں تو آپ جا کر آرام کریں ___"

"مہمانوں کو چھوڑ کر آرام کے لیے اپنی خوابگاہ میں چلے جانا ___ میرے خیال میں تو یہ بداخلاقی کی بدترین مثال ہو گی۔"

"نہیں ___ اچھی حرا ___" ارملا نے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم ایسے خیالات اپنے دل میں نہ لاؤ ___ واقعی تم کسلمند معلوم ہو رہی ہو ___ جاؤ آرام کرو ___"

"آپ آرام کیجئے۔" اسد بول اٹھا "تکلف کی ضرورت نہیں۔"

حرا نے جواب دینے کے بجائے جھیل کی طرف دیکھا اور مسکرا دی۔ ارملا نے اس کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"چلو میں تم کو زینے تک پہونچا دوں۔"

فروزہ اور میمونہ بھی ارملا اور حرا کے ساتھ قصر کی طرف چلی گئیں زمرد نے اسد سے کہا۔ "ابھی کچھ دیر قبل حرا آپ سے باتیں کر رہی تھی۔ اس وقت وہ بہت ہشاش بشاش تھی خدا معلوم اس کو یکایک کیا ہو گیا۔"

"کسی خاص موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔؟" سعد نے اسد سے دریافت کیا

"وہ اپنے والد کے ایجاد کردہ آلہ شہرالعکس کے متعلق باتیں کر رہی تھی اسی سلسلہ میں اس نے یہاں کے کچھ واقعات بتائے اور یہ بھی بتایا کہ اس نے عہد کیا تھا کہ جبتک وہ کرۂ ارض کے انسانوں کو کرۂ تنفر کی طرف متوجہ نہ کرا لیگی اور وہ یہاں تک پہونچ نہ جائیں گے اس وقت تک وہ کسی چیز میں دلچسپی نہ لے گی۔"

"ایسی حالت میں ہمارے یہاں آنے کی اس کو سب سے زیادہ خوشی ہونا چاہیئے۔"

سعد نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

زمرد نے کہا، "واقعی وہ سب سے زیادہ خوش تھی۔"

ارملا، فیروزہ اور میمونہ حمراز کو زینے تک پہونچا کر واپس آگئیں۔ منوہر سنگھ ایرج، نعیم سرکار اور انعام اللہ باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھ چکے تھے۔ جمیل یوسف اور جاوید جھیل کے کنارے کھڑے ہوئے کچھ دیکھ رہے تھے۔

ارملا نے آتے ہی کہا۔

"بڑی ہنس مکھ لڑکی ہے، معلوم نہیں کیوں یکایک افسردہ ہوگئی۔"

سعد نے کچھ سوچکر کہا، "انسان خواہ کتنا ہی متمدن ہوجائے لیکن زندگی کی الجھنیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی ہیں۔"

اسد نے اس کی طرف دیکھا اور سب پہلی ٹولی کے پیچھے چلنے لگے۔ سعد اور زمرد کی رفتار سست تھی۔ اسد ارملا اور میمونہ کے درمیان چل رہا تھا فیروزہ جمیل اور یوسف کی ٹولی میں شامل ہوگئی تھی۔

اُرملا نے اسد سے کہا: "آپ بھی خاموش ہیں!"

"مجھ سے کسی کی پریشانی نہیں دیکھی جاتی ہے۔ میں بہت جلد متاثر ہو جاتا ہوں۔"

میمونہ بول اُٹھی "میرا تو یہ خیال ہے کہ اس کے دل میں دو متضاد خیالات ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کر رہے ہیں!"

"بہرحال ان باتوں کا تعلق اس کی ذات سے ہے۔"

ارملا نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اس دنیا میں یہ ہماری پہلی رات ہے۔" میمونہ چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی

"کرۂ تفرد نیا سے زیادہ شاداب معلوم ہوتا ہے۔" ارملا نے بغیر کسی ارادے کے کہا۔

اسد نے بہت دُور جھیل کی سیاہ سطح پر نگاہیں جما دیں اور بے خیالی کے عالم میں ان کے ساتھ چلتا رہا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر جمیل بھی ان کی ٹولی میں شامل ہو گیا۔ اس نے آتے ہی کہا۔

"اسد صاحب! آپ نے حمراد سے یہ بھی دریافت کیا کہ ایک بار وہ اپنی نشرگاہ میں کرۂ ارض کے لیے پروگرام نشر کرتے وقت آبدیدہ اور مغموم کیوں ہو گئی تھی؟"

"نماز سے قبل یہی باتیں ہو رہی تھیں۔ حمراد کو اس وقت تک یہ نہیں معلوم تھا کہ اس حالت میں اس کا عکس نشر ہو چکا ہے۔ جب میں نے اس سے کہا تو وہ قدرے پریشان ہو گئی۔"

"عجیب معمہ ہے۔" جمیل خود بخود بڑبڑانے لگا۔

اسد نے کہا: "کرۂ تفرد کے چند مشاہدین نے اُڑن طشتریوں پر کرۂ ارض کے

گرد چکر لگا کر جو رپورٹ دی تھی اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ارضِ انسانی ابھی کرۂ ثفر تک نہیں پہونچ سکتا ہے۔"

"ــــــ اور وہ یہ سنتے ہی آبدیدہ اور مغموم ہوگئی" جمیل نے استفسارانہ لہجہ میں کہا: واقعی غالب نے سچ کہا ہے ؎

قیدِ حیات بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

ایک فوارے کے سامنے پہونچکر سب سنگ سماق کی بنچوں پر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ نعیم سرکار نے اسد کے پاس آکر کہا۔

"کل صبح کشتی پر سیر کرنا چاہیئے۔ وسط جھیل سے قصر الذہب کا نظارہ قابل دید ہوگا ــــــ"

"اسے جہاں سے بھی اور جس زاویہ سے بھی دیکھا جائے یہ خوشنما اور عجیب و غریب نظر آئے گا ــــــ"

اسد نے بغیر کسی ارادہ کے جواب دیا اور فوارے کی طرف دیکھنے کے بعد ادھر ادھر باتیں کرنے لگا وہ اپنے تاثرات چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اپنی طبیعت کو سنبھال رہا تھا لیکن اس کا دل خود بخود بیٹھا جا رہا تھا وہ کچھ دیر بعد اکتا کر کھڑا ہو گیا اس کے ساتھ سب کھڑے ہو گئے اور باتیں کرتے ہوئے اپنی جائے قیام پر پہنچ گئے۔ مولانا عبدالسلام ملاقات کے کمرے میں بیٹھے ہوئے حنیف بن ہشام سے باتیں کر رہے تھے۔ اسد ان سے دو چار ضروری باتیں کر کے اپنی خوابگاہ میں چلا گیا۔

(۲۰)

دوسرے روز حنیف بن ہشام نے مہمانوں کو دار الحکومت کے مشہور مقامات اور تاریخی عمارتوں کی سیر کرائی۔ دار الحکومت کا نام بھی قیرانیہ تھا اس کی آبادی ایک کروڑ اسی لاکھ تھی۔ بیشتر عمارتیں بارہ اور چودہ منزلہ تھیں۔ وسط میں کچھ عمارتیں تیس اور چالیس منزلہ بھی تھیں لیکن مضافاتی آبادی میں بیشتر مکانات دو منزلہ تھے۔ فلک بوس عمارتیں صرف دفاتر اور کاروباری اداروں کے لیے مخصوص تھیں

حنیف بن ہشام، حسن، حمراء، امیر قیس اور عیاض العباسی مہمانوں کو ہر عمارت کے مختصر حالات بتا رہے تھے۔ حمراء بہت مسرور اور ہشاش بشاش تھی وہ سب سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی، سب نے دوپہر کے وقت قصر الذہب میں واپس آکر کھانا کھایا اور سہ پہر کو پھر سیر کے لیے نکلے شہر کے چند بڑے پارک اور باغات دیکھے۔ اور بعد مغرب واپس آ گئے۔ رات کے کھانے کے بعد حمراء مہمانوں سے معذرت کر کے اپنے مکان چلی گئی اس کی والدہ کی طبیعت قدرے ناساز تھی۔

عشاء کی نماز کے بعد مولانا عبدالسلام کے اصرار پر ریاض العرشی نے ملاقات کے کمرے میں مہمانوں کو اس دنیا کی مختصر تاریخ بتائی۔ کرۂ تنفر میں خاندان فرغوشیہ کا ہر فرد کسی زمانہ میں خدا کا بیٹا سمجھا جاتا تھا اسی لیے قدسیوں کی آمد سے قبل تک اس دنیا کے ہر حصہ میں صرف ان ہی کی حکومت تھی۔ قدسیوں کی آمد کے بعد یہ طلسم

ٹوٹا اور یہاں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ خاندان فرغونیہ کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔ فوجی سرداروں اور مذہبی پیشواؤں نے جا بجا اپنی خود مختار ریاستیں قائم کرلیں اور خانہ جنگی شروع ہوگئی اس خاندان کے ایک حکمران شاہ اوغوش نے قدسیوں کو اپنی مملکت کا ایک جزیرہ دے کر ان کی خودمختاری کو تسلیم کرلیا۔

قدسیوں نے شاہ اوغوش کی مدد کی انھوں نے شاہ اوغوش کی فوجوں کے لیے جدید قسم کے اسلحہ تیار کیے اور اس طرح ایک بار پھر خاندان فرغونیہ کرۂ نفر کے بیشتر حصہ پر حکمران ہوگیا۔ مذہبی پیشواؤں نے شاہ اوغوش سے مصالحت کرلی اور باجگذار ریاستوں کی حیثیت سے باقیماندہ حصہ پر قابض رہے۔ قدسیوں نے ہر ایک کو حق کا پیغام پہونچایا۔ اور دنیا کے علوم سے آشنا کردیا۔ ان کے اطوار وعادات۔ اور اخلاق سے متاثر ہوکر اس کرہ کی تقریباً نصف آبادی حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔

قدسیوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے پریشان ہوکر مذہبی پیشواؤں نے ان کے خلاف عوام کو بھڑکانا شروع کیا اور جا بجا فسادات شروع ہوگئے اوغوش کے لڑکے شاہ لیاطہ نے قدسیوں اور عام مسلمانوں کی سرپرستی کی۔ اس وقت تک قدسیوں نے نفری انسانوں کو بہت حد تک اپنے علوم سے آشنا کرادیا تھا اور کرۂ نفر میں ارتقائی دور شروع ہوچکا تھا۔

مذہبی پیشواؤں نے اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لیے اپنی ایک وفاقی سلطنت بنالی اور کرۂ نفر میں پہلی جنگ عظیم ہوئی سات سال تک بستیاں اجڑتی رہیں۔ کھیتیاں جلتی رہیں اور انسان ہلاک ہوتے رہے۔ ساتویں سال قدسیوں نے

میدان کارزار میں ایسے آلات حرب بھیجے کہ مذہبی پیشواؤں کی فوجیں قدم نہ جما سکیں اور پیچھے ہٹنے لگیں مذہبی پیشواؤں کے قائد سنجیت نے مصالحت کی کوشش کی، قدسیوں کے امیر محمد یحیٰی نے بھی شاہ لیاط کو یہی مشورہ دیا۔ سنجیت نے اپنی وفاقی سلطنت کا ایک حصہ شاہ لیاط کو دیدیا اور صلح ہوگئی؟

قدسی جزیرے سے نکل کر ہر طرف پھیل چکے تھے۔ ان کی ذہنی ترقی اور دماغی صلاحیتوں نے انھیں ہر دل عزیز بنا دیا تھا۔ شاہ لیاط کی محبوب ملکہ یوزی بھی مسلمان ہو چکی تھی۔ اس کے بطن سے جو بچے پیدا ہوئے انھوں نے بھی اپنی ماں کا مذہب اختیار کیا خود شاہ لیاط اسلامی اصولوں کا پابند تھا۔ لیاط کے انتقال کے وقت اس کے بڑے لڑکے کی عمر بارہ سال کی تھی اس لیے خاندان فرغوشیہ کی روایات کے مطابق شاہ لیاط کا چھوٹا بھائی غواث پنجم کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ وہ عیاش اور بدقماش تھا۔ سنجیت نے اس سے پینگ بڑھائے۔ مذہبی پیشوا دوسروں کو ورغلانے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

غواث پنجم نے ایک موقعہ پر قدسیوں کے امیر محمد یحیٰی کی توہین کی اور سنجیت کے مشورے سے ان کو اعلیٰ عہدوں سے ہٹایا جانے لگا۔ قدسیوں اور تفرری مسلمانوں کے لیے یہ چیز ناقابل برداشت تھی۔ عوام نے ساتھ دیا اور غواث پنجم کو معزول کر دیا گیا۔ چھ سال بعد شاہ لیاط اور ملکہ یوزی کا لڑکا شہزادہ ادغا تخت نشین ہوا۔ وہ ایک خدا پرست اور صالح جوان تھا اس نے بائیس سال کی عمر میں تخت و تاج کو چھوڑ دیا اور عوام کو اپنا ایک امیر منتخب کرنے کی دعوت دی عبوری دور حکومت میں اسلامی شریعت کی روشنی میں نئے قوانین مرتب ہوئے اسلامی

اصولوں پر امیر کا انتخاب ہوا اور عوام نے شہزادہ ادفا ہی کو اپنا امیر منتخب کیا اور کرۂ ثنفر کے تین چوتھائی حصہ میں شہنشاہیت ختم ہو گئی منوہر سنگھ نے ریاض العرشی سے دریافت کیا۔

" کیا آپ ہم کو یہاں کے جغرافیائی حالت بتا سکتے ہیں ؟"

" کرۂ ثنفر کی جسامت۔ اس کا قطر اور بحری و بری حالات کرۂ ارض سے بہت حد تک مطابقت رکھتے ہیں۔ اس کرہ میں سات براعظم ہیں ایک براعظم فوریسہ سب سے بڑا ہے قرانیہ اسی براعظم میں ہے۔ فوریسہ کے بعد دوسرا بڑا براعظم غور ریشہ ہے تیسرا نکونہ۔ چوتھا کارنجی، پانچواں اینوں، چھٹا ساسوں اور ساتواں پنجار ہے یہ آسٹریلیا کی طرح ایک بڑے جزیرے کی حیثیت رکھتا ہے۔"

ہر شخص ریاض العرشی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

" فوریسہ، غور ریشہ اور کارنجی پر پہلے خاندان فرغوثیہ کی حکومت تھی اور اب امیر الامراء کے زیر نگیں ہیں ان تینوں براعظموں کو مرفونیہ کہتے ہیں۔ نکونہ بھی امارت کے وفاقی نظام میں شامل ہے۔ نکونہ میں اب تک شخصی حکومت ہے اس براعظم میں فینقی اکثریت میں ہیں وہ سورج کو خالق اکبر مانتے ہیں۔ اینوں، ساسوں اور پنجار پر ناریتیوں کی حکومت ہے۔ سنجیت ناریتی تھا۔ مرفونیہ کے بعد یہ دوسری ترقی یافتہ سلطنت ہے۔"

ریاض العرشی ایک ساعت کے لیے ٹھہرا ہی تھا کہ ایک ملازم آکر اس کے قریب کھڑا ہو گیا اور مؤدبانہ انداز میں کہا۔

" شیخ کو قصر العال میں یاد کیا گیا ہے۔"

ریاض العرشی نے ملازم کی طرف دیکھا اور مہمانوں سے معذرت کر کے چلا گیا۔
حسن نے کہا، "شیخ ریاض العرشی عالی قیرانیہ کے مشیرِ خاص ہیں اس وقت قصر میں ان کی طلبی خالی از علت نہیں۔"

مولانا عبدالسلام نے حسن سے کہا، "ہم یہاں کے حالات اور سیاسیات سے ناواقف ہیں۔ بہرحال یہ تو آپ ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس کی کیا اہمیت ہے اور ان کو کیوں بلایا گیا ہے؟"

اسد نے حسن سے سوال کیا "یہاں داخلی بدامنی یا اندرونی خلفشار کا تو کوئی اندیشہ نہیں ہے؟"

"جی نہیں ـــــ" حسن نے جواب دیا، ـــــ "لیکن قیرانیہ کی مشرقی سرحدیں ضرور غیر محفوظ ہیں۔ کیوں کہ وہاں ساسوں کی سرحدیں ملتی ہیں اور ساسیوں کے ارادے گزشتہ چار سال سے اچھے نہیں ہیں وہ در پردہ جنگی تیاریوں میں معروف ہیں۔ مرفونیوں سے ہر چیز کو راز رکھا جا رہا ہے۔"

"خدا کرے تنفر کو جنگ سے بچائے" مولانا عبدالسلام نے حسن سے کہا ایسی ہی لڑائیوں نے کرۂ ارض کو میدانِ ترقی میں ایک ہزار سال پیچھے دھکیل دیا تھا۔"

کچھ دیر تک اسی موضوع پر گفتگو کرنے کے بعد سب اپنی اپنی خواب گاہوں میں چلے گئے۔ اسد اپنے بستر پر پہونچتے ہی بے خبر ہو گیا۔ صبح اسے سعد نے بیدار کیا۔ دونوں نے مسجد میں نماز فجر ادا کی واپسی پر سعد نے اسد سے کہا

"حزاد کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"وہ بہت ذہین اور ہونہار لڑکی ہے، ہماری اس مہم کی کامیابی میں اس کی

کوششوں کا بھی دخل ہے"

دونوں قصر میں جانے کے بجائے جھیل کے کنارے چلنے لگے۔ سعد نے کہا "ایاز نے مجھ سے لکھنؤ میں بتایا تھا کہ تم اس نامعلوم سیارے کی ایک پُراسرار حسینہ سے بہت زیادہ متاثر ہو"

"ٹیلی ویژن کے پردہ پر اسکا عکس دیکھ کر میں یقیناً متاثر ہو گیا تھا" اسد نے جواب دیا" اور اس وقت بھی متاثر ہوں لیکن ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ان تاثرات کی نوعیت کیا ہے"

"تم اس کے قرب سے مسرت اور سکون محسوس کرتے ہو؟"

"ہاں ——" اسد نے معصومیت کے ساتھ جواب دیا۔

سعد مسکرا دیا۔ اسد نے اس کی طرف دیکھا اور خود بھی مسکرا دیا۔

"تم کو اس سے محبت ہے ——"

اسد نے سعد کو استفسارانہ نگاہوں سے دیکھا اور پھر جھیل کی طرف دیکھنے لگا سعد نے ایک ساعت بعد کہا" وہ بھی تم سے متاثر ہے —— لیکن جہاں تک میں پرسوں سے اس وقت تک غور کر سکا ہوں اسی نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ وہ واقعی پراسرار ہے۔ اس کی شخصیت پراسرار ہے —— یہی زمرد کا بھی خیال ہے"

جمیل، زمرد، ارملا، منوہر سنگھ، میمونہ، فیروزہ اور ایرج ان کے پیچھے قہقہے لگاتے ہوئے آرہے تھے۔ اسد نے پلٹ کر دیکھا۔ زمرد ان دونوں کے بالکل قریب پہونچ چکی تھی۔ سعد نے اسے محبت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم نے گلے میں مفلر نہیں ڈالا۔ اس وقت قدرے خنکی ہے اور رات کو تمہارا

طبیعت قدرے مضمحل تھی۔

"اب میں بالکل چاق و چوبند ہوں لیکن اسد صاحب مضمحل نظر آرہے ہیں۔ ان کی آنکھیں بتا رہی ہیں کہ رات کو انھیں نیند نہیں آئی ہے۔"

"نہیں زمرد ـــــ" اسد فوراً بول اُٹھا۔ "میں رات کو بستر پر دراز ہوتے ہی سو گیا۔ اور صبح سعد نے جگایا۔"

"بہر حال اطمینان اور سکون کی نیند نہیں آئی ہو گی ـــــ" زمرد نے جواب دیا اور سعد سے کہا "ـــــ کیوں سعد! میرا خیال صحیح ہے نا ـــــ؟ ان کی آنکھیں دیکھو ـــــ"

سب آگے پیچھے باتیں کرتے ہوئے جھیل کے کنارے قصر کے اس حصہ میں پہونچ گئے جہاں ایک پختہ گھاٹ پر دُور تک چھوٹی اور بڑی کشتیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ زمرد نے قریب ترین موٹر لنچ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سعد۔ آؤ ہم تم اور اسد اس پر بیٹھ کر جھیل کی سیر کریں۔ اس میں تین نشستیں ہیں ـــــ میں اسٹرینگ سنبھال لوں گی۔"

منوہر سنگھ اُرملا، جمیل اور نعیم سرکار ایک دوسرے موٹر لنچ پر بیٹھ گئے۔ کشتیوں کے نگراں اور اس کے نائبین نے مہمانوں کو کشتیوں کے چلانے کا طریقہ بتایا اور موٹر لنچ جھیل کی سطح پر ہلکی لہروں کو چیرتے ہوئے کنارے سے دور پہنچ گئے۔

زمرد کی کشتی سب سے آگے تھی۔ سعد نے اس سے کہا۔

"رفتار کم کر دو تاکہ صحیح معنوں میں جھیل کی سیر کا لطف اُٹھایا جا سکے۔"

زمرد نے رفتار کم کر دی اور کشتی کو بائیں جانب موڑتے ہوئے کہا۔

اُرن طشتری

"میں واقعی حمراد کی کمی محسوس کر رہی ہوں ـــــــ"

اسد اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ زمرد نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا

"واقعی میں سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہی ہوں۔ وہ بہت خلیق ہے اور ہر شخص کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔ وہ کل بدرجہ مجبوری گئی ہے اور آج ہی کسی وقت واپس آجائے گی۔"

دوسری کشتیاں بھی ادھر ادھر سطح آب پر دوڑ رہی تھیں جھیل کے اس حصہ سے قصر الذہب کا منظر بہت دلفریب تھا۔ کچھ دیر تک کشتیاں اسی جگہ چکر کاٹتی رہیں اور طلوع آفتاب کے وقت سب واپس آ گئے۔ جھیل کے رُخ والے ایک برآمدے میں مولانا عبدالسلام اور حنیف بن ہشام بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے حنیف قدرے متفکر نظر آ رہے تھے۔

اسد ان کے پاس پہونچکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور رسمی گفتگو کے بعد کہا۔

"آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

"آپ حضرات کی آمد نے ماریتیوں کو مشتعل کر دیا ہے۔ وہ عرصہ سے جنگ کے لیے بہانہ تلاش کر رہے تھے اور اب کل سے انھوں نے سرحد پر مورچہ بندی شروع کر دی ہے۔"

اسد نے کہا "کل شب کو شیخ ریاض العرشی کو غالباً اسی سلسلہ میں قصر العال میں بلایا گیا تھا۔"

"جی ہاں ـــــــ اس مورچہ بندی کی پہلی خبر کل سہ پہر کو یہاں موصول ہوئی ہمارے سرحدی شاہدین نے کل دوپہر کے بعد ماریتیوں کے طوفانی دستوں کو

کوہ طاطوریس کی گپھاؤں میں دریائے فالس کے کنارے نقل و حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔ کل شام کو ان کے تیز رفتار طیارے بھی سلسلہ کوہستان سے دور پرواز کرتے ہوئے نظر آئے۔ ابھی تک باضابطہ طور پر تاریتیوں کی کوئی یادداشت یا احتجاج نہیں موصول ہوا ہے۔"

اسد اور مولانا عبدالسلام نے سر جھکالیا اور کسی گہرے خیال میں کھو گئے۔ کچھ دیر بعد سب ناشتہ کے لیے کھانے کے کمرے میں جمع ہو گئے۔ اسد کو کمرے میں حمرا بھی نظر آئی۔ وہ ابھی اسی وقت آئی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی اسد کے قلب کی حرکت تیز ہو گئی اور سعد کا کہا ہوا جملہ اس کے کانوں میں گونجنے لگا۔

"تم کو اس سے محبت ہے"

"مجھے اس سے محبت ہے۔؟" اسد نے اپنے دل میں کہا اور ایک بار پھر حمرا کی طرف دیکھا۔ وہ زمرد اور دارملا سے باتیں کر رہی تھی۔ اس وقت وہ ہلکے نارنجی رنگ کا مراکشی کرتا اور اسی رنگ کی اندلسی شلوار پہنے ہوئے تھی۔

ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد سب ایک بڑے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ مولانا عبدالسلام، حنیف بن ہشام اور اسد وغیرہ حنیف کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ اسد نے حنیف سے دریافت کیا۔

"کیا تاریتی بھی مرفونیوں کی طرح متمدن اور اسی قدر ترقی یافتہ ہیں"؟

"یقیناً کسی حد تک تو ضرور ترقی یافتہ ہیں لیکن مرفونیہ بہرحال ان سے زیادہ ترقی یافتہ ہے"

"یہ جانتے ہوئے بھی وہ جنگ پر آمادہ ہیں۔"

"ہاں — اس لیے کہ ساسونی قبائل بہت زیادہ جنگجو اور دلیر ہوتے ہیں وہ کرۂ ثفر کے بہترین سپاہی تسلیم کیے جاتے ہیں۔"

" — لیکن سائنسی ایجادات کے مقابلہ میں دلیری اور بہادری کوئی حقیقت نہیں رکھتی ہے۔" اسد نے جوش میں کہنا شروع کیا "سمیں شعاعیں چشم زدن میں لاکھوں کا لشکر جلا کر راکھ کر سکتی ہیں۔"

"یہ شعاعیں کرۂ ثفر کے لیے نئی نہیں ہیں۔ اس کا توڑ بھی دریافت کیا جا چکا ہے۔ جوہری قوت ایک داستان پارینہ ہے۔ علاوہ ازیں مرفونیہ کے متعدد سائنسدان ارتکاب جرم کے بعد قانونی گرفت سے بچنے کے لیے یہاں سے فرار ہو کر ساسونیوں اور بختار میں پناہ لے چکے ہیں۔ وہاں کی حکومت نے ان کو چھپا رکھا ہے اور وہی مرفونیوں کی ہر ایجاد کا توڑ تیار کر رہے ہیں۔"

مولانا عبدالسلام بول اُٹھے " — اور وہ غالباً قدسی ہوں گے۔"

"جی ہاں —"

"کینہ پروری۔ خود غرضی اور اپنوں ہی کو نقصان پہنچانا عربوں کی فطرت ثانیہ ہو چکی ہے۔ افسوس کہ یہاں بھی وہی جذبہ کارفرما ہے" مولانا عبدالسلام نے تاسفانہ لہجہ میں کہا اور کچھ سوچنے لگے۔

حنیف بن ہشام نے کہا "صالحین کی مجلس اولیٰ کے ایک رکن منذر بن احمد نے گذشتہ ہفتہ ایوان صالحین سے کہا ہے کہ نارسیتی ہمارے چند بلند پایہ مشہور سائنسدانوں سے رابطہ قائم کیے ہوئے ہیں اور اب تک ہمارے متعدد اہم راز معلوم کر چکے ہیں — دراصل وہ دوسروں کو اُبھارنے ورغلانے اور اپنا

ہم خیال بنانے میں جواب نہیں رکھتے ہیں۔"

"ہمارا یہاں آنا آپ لوگوں کے لیے نامبارک ثابت ہوا!" اسد نے مغموم لہجہ میں کہا۔ حنیف بن ہشام ہنس دیا۔

"ہم ناریتیوں کی ان سرگرمیوں سے قطعی خائف نہیں ہیں۔ ہم جنگ سے گریز کرتے ہیں تو محض اس لیے کہ انسان کا خون نہ بہے ——— خیران باتوں کو چھوڑیئے۔ وزارت دفاع کا ہر فرد بہتر سمجھتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔ آج دس بجے ہم یہاں سے القنطہ کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ ہم برقی ریل سے سفر کریں گے تاکہ آپ لوگ، کوہ القمہ کے مناظر سے بھی لطف اندوز ہو سکیں یہ سلسلہ کوہ دو ہزار میل تک پھیلا ہوا ہے برقی ریلوے اس کوہستانی سلسلے سے گزر کر القنطہ جاتی ہے۔"

منوہر سنگھ، جمیل اور سعد بھی ان کے پاس آکر بیٹھ گئے اور ان سے باتیں کرنے لگے۔ اسد کسی ضرورت سے اٹھ کر اپنے کمرے میں گیا۔ واپسی پر اسے برآمدہ میں حمرا نظر آئی، وہ زینے کی طرف جا رہی تھی اسد کو دیکھتے ہی وہ کھڑی ہو گئی اور مسکرا کر سلام کیا اسد نے سلام کا جواب دیتے ہوئے دریافت کیا۔ "آپ کی والدہ کا کیسا مزاج ہے؟"

"خدا کا شکر ہے۔ نزلہ کی معمولی سی شکایت ہے اسی لیے دو روز تک آرام کرتی رہیں۔ انھوں نے دراصل مجھے اپنی علالت کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ لوگوں کے حالات دریافت کرنے کے لیے بلایا تھا۔"

"اگر آپ وہاں پہونچکر مجکو مطلع کر دیتیں تو اسی سلسلہ میں ان کا نیاز حاصل ہو جاتا۔" حمرا نے بھولے پن کے ساتھ کہا۔ "مجھے وہاں پہونچکر خیال ہوا لیکن محض اسلیے

کہ آپ حضرات تھکے ماندے تھے میں نے تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔ بہرحال القنطرہ سے واپسی پر آپ کو لے چلوں گی۔"

حرا کی آنکھیں دنورِ مسرت سے چمک رہی تھیں اور چہرے پر شادابی جھلک رہی تھی۔ اسد اس کے چہرے کی طرف ٹکٹکی باندھے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اسد کو اس عالم میں دیکھ کر اس کی نگاہیں خود بخود جھک گئیں اور رخسار تمتما اٹھے۔ اسد کے قلب کی حرکت تیز ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ وہ اسی کشمکش و تذبذب میں تھا کہ حرا نے اس کی طرف دیکھے بغیر گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا "مجھے کچھ دیر کے لیے اجازت دیجئے۔ نیچے کمرے میں ایک صاحب میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

اسد کے جواب سے قبل وہ مڑی اور زینے سے اترتی ہوئی نیچے پہونچ گئی۔ سامنے برآمدے میں ایک نوجوان ٹہل رہا تھا۔ حرا کے قدموں کی آہٹ پر وہ تیزی کے ساتھ مڑا اور اس کو دیکھتے ہی مسکرا دیا۔

"اوہ زیاد ——— تم ہو ———"

"ہاں ابھی حرا ——— " اس نے حرا کو پرشوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا "بہت انتظار دکھایا تم نے ——— میرا خیال تھا کہ تم مجھ سے ملتی ہوئی یہاں آؤ گی ———"

زیاد کو دیکھتے ہی حرا کے چہرے کی شگفتگی جاتی رہی تھی۔ اس نے سراسیمگی کے عالم میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلو کمرے میں بیٹھ کر باتیں کریں۔"

زیاد حمرا کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور دونوں ایک میز کے پاس ایک دوسرے کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ زیاد فرانسیسی طرز کا چُست پاجامہ اور اندلسی وضع کا کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس نے کرسی پر بیٹھتے ہی کہا۔

"ہاں ——— تو تم نے کیا فیصلہ کیا ———؟"

"تم رات کو امی کی گفتگو سن چکے ہو!"

"یہ امی کی نہیں تمہاری زندگی اور تمہارے مستقبل کا سوال ہے"

حمرا نے سر جھکا لیا۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔ زیاد کچھ دیر تک اس کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"حمرا ——— تم کو معلوم ہے کہ تمہارے والد مجھ کو کس قدر عزیز رکھتے تھے۔ انھوں نے متعدد بار حکیم انس بن شعیب اور اپنے دیگر ہم عصروں کے سامنے یہ خیال ظاہر بھی کیا کہ وہ مجھ کو ہمیشہ اپنے ہی ساتھ رکھیں گے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا کیا ارادہ تھا۔

"ارادہ کا تو خدا ہی کو علم ہوگا" حمرا نے قدرے جرات کے ساتھ کہا "لیکن انھوں نے مجھ سے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں جو کچھ بھی کہا اس کا مطلب یہی تھا کہ میری تخلیق اس دنیا کے لیے نہیں ہوئی ہے"

"یعنی تم بھی اپنی ماں کی ہم خیال ہو ——— اور ——— اور غالباً اسی لیے تم ابھی ایک ارضی انسان سے بے تکلفی کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں"

"زیاد!" حمرا نے قدرے تلخ لہجہ میں کہا "میں یہاں ایسی باتیں سننے کے لیے نہیں آئی ہوں۔ مجھے اپنے مستقبل کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق ہے"

"میں سات سال سے تم سے تمنائیں وابستہ کیے ہوئے ہوں۔"

"تم ہمیشہ مجھ سے اپنی تمنائیں وابستہ رکھ سکتے ہو لیکن مجھکو مجبور نہیں کر سکتے ہو۔"

"تمھارا عہد پورا ہو چکا ہے اب تم مجھ سے شادی کر لو۔"

"کبھی نہیں ——" حمرا کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور آنکھیں سُلگتی ہوئی گندھک کی طرح چمکنے لگیں۔

زیاد بھی کھڑا ہو گیا اور جوش میں مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "حمرا! تم زیاد سے گفتگو کر رہی ہو —— تمھاری یہ ضد ملک اور قوم کے لیے مہنگی پڑے گی۔"

"میں کچھ سننا نہیں چاہتی ——" حمرا چیخ اٹھی۔

"تم کو بہت کچھ دیکھنا ہوگا۔"

زیاد تیزی کے ساتھ مڑا اور کمرے سے نکل گیا۔

(۲۱)

برق رفتار ٹرین کوہ القا کی گھاٹیوں میں شور مچاتی عمیق کگاروں کے کناروں اور بلند چٹانوں پر سے گزرتی اور بل کھاتی ہوئی القنطہ کی طرف چلی جا رہی تھی سیاحوں کی آراستہ بوگیوں کے ایک بڑے درجے میں اسد اس کے ساتھی اور مرفونیہ کے سرکاری میزبان بیٹھے ہوئے قدرتی مناظر دیکھ رہے تھے۔

حمرا، اسد، زمرد اور سعد ایک بڑی کھڑکی کے پاس بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ زمرد حمرا سے کہہ رہی تھی۔

"ان پہاڑوں کے مناظر دیکھ کر ہندوستان کے مغربی گھاٹ کی یاد تازہ ہو گئی کیوں اسد صاحب؟"

"واقعی اس وقت تو میں محسوس کر رہا ہوں جیسے ہم سب پونا سے بمبئی کی طرف جا رہے ہیں۔"

زمرد نے حمرا سے بتایا کہ بمبئی ہندوستان کا ایک مشہور بندرگاہ اور تجارتی مرکز ہے"

"القنطرہ بھی قیرانیہ کا مشہور بندرگاہ اور تجارتی مرکز ہے۔ وہاں مرفونیہ کی بحری افواج کا صدر دفتر بھی ہے اور ایک زبردست بحری بیڑا ہر وقت تیار رہتا ہے۔"

اسد نے حمرا سے دریافت کیا۔ "اس کی آبادی کیا ہو گی؟"

"ایک کروڑ دس لاکھ "

زمرد اور سعد آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ زمرد، حمرا کو دیکھ کر مسکرائی اور اُٹھتے ہوئے بولی

"ہم لوگ کچھ دیر وہاں بیٹھنا چاہتے ہیں۔" اس نے ایک گوشے کی خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

اسد مسکرا دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ زمرد اور سعد اس کو حمرا سے بات چیت کرنے کا موقعہ دینا چاہتے ہیں۔ زمرد کے ساتھ ہی سعد بھی کھڑا ہو گیا۔ ٹرین کی حرکت کی وجہ سے دونوں کے شانے آپس میں ٹکرا رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کرسیوں کا سہارا لیتے ہوئے گوشے کی طرف چلے گئے۔

حمرا بہت دور، ایک سبز پوش پہاڑی پر نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔ زمرد کے اُٹھتے ہی اس نے سمجھ لیا تھا کہ زندگی کا نازک ترین لمحہ قریب آتا جا رہا ہے۔ وہ اس سے

دُور بھاگنا چاہتی تھی۔ اسد نے بھی اس کے چہرے سے اندازہ لگالیا کہ وہ ذہنی طور پر پریشان ہوتی جارہی ہے اس لیے اس نے اس کو اپنی باتوں سے بہلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"نارسیلیوں کے رویہ سے مجھے تشویش ہوگئی ہے، آج شیخ حنیف بن ہشام نے مجھے بتایا ہے کہ وہ قیرونیہ کی سرحد پر فوجیں جمع کر رہے ہیں۔"

"یہ کوئی پہلا اتفاق نہیں ہے۔ اس سے قبل بھی متعدد بار جنگ کی دھمکیاں دے چکے ہیں۔ لیکن مرفونیہ میں کبھی ایسی دھمکیوں کا کوئی اثر نہیں لیا گیا۔ در اصل نارسیلیوں نے ابتک ہماری اور اپنی طاقت کا غلط اندازہ لگایا ہے۔"

"اس مرتبہ تو انھوں نے محض ہماری آمد کی وجہ سے ان سرگرمیوں کا مظاہرہ کیا ہے۔"

"نارقیصوں میں نہ تو اتنی صلاحیت ہے کہ وہ مرفونیہ پر حملے کے لیے نقشہ جنگ بنائیں اور نہ ان میں اتنی جرأت ہے کہ میدان جنگ میں صف آرا ہوں۔"

اسد نے کہا، شیخ حنیف نے مجھے بتایا ہے کہ مرفونیہ کے سیاسی اور اخلاقی مجرم عموماً بخار، ساسوں اور اینوں میں پناہ گزیں ہوتے ہیں۔ نارتی ان کو پناہ دیتے ہیں ان کی سرپرستی کرتے ہیں اور ان کو مرفونیوں کے خلاف کام میں لاتے ہیں۔"

"جی ہاں ــــ" حرار نے جوش میں جواب دیا۔ "نارسیلیوں نے ایسے ہی افراد کے ذریعہ ہمارے متعدد اہم راز حاصل کرلیے ہیں۔ اس وقت بھی ہمارے چند مشہور سائنسداں اور ماہرِ فن ان کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔"

حرار کی پریشانی دُور ہوچکی تھی اور اب وہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی اسد نے

اس سے دریافت کیا۔ کیا کسی ایسے سائنسداں یا ماہر فن کو آپ جانتی ہیں۔"

" جی ہاں ــــــ " اس نے فوراً جواب دیا۔ کم از کم ایک کو تو میں جانتی ہوں اس نے میرے والد مرحوم کے تیس سال کے تجربات کی نقل اور اہم خاکوں کے چربے کا روخ پہونچا دیے ــــــ کاروخ بخار کا دارالحکومت اور ناریتی کے سائنسی تجربات کا مرکز ہے۔"

" ــــــ اور وہ آج بھی مرفونیہ میں موجود ہے ــــــ ؟" اسد نے متعجبانہ لہجہ میں دریافت کیا۔

" وہ قرانیہ میں موجود ہے اور سائنسدانوں کی اعلیٰ مجلس کا ایک رکن ہے اس کا نام زیاد بن ابی عامر ہے۔ وہ آج صبح قصر الذہب میں بھی تھا۔"

" قصر الذہب میں ــــــ ؟" اسد نے گھبرا کر سوال کیا۔

" جی ہاں، قصر الذہب میں۔" حمرا نے اسے جواب دیا۔ صبح جب آپ مجھے زینے کے قریب ملے تھے اس وقت زیاد ابن ابی عامر نیچے برآمدے میں میرے انتظار میں ٹہل رہا تھا۔"

اسد نے حمرا کو پر معنی نگاہوں سے دیکھا اور پھر کھڑکی سے باہر تیزی کے ساتھ گزرتے ہوئے درختوں اور چٹانوں کی طرف دیکھنے لگا۔

حمرا نے اسد کو بغور دیکھا اس کا دل خود بخود بیٹھنے لگا۔ لیکن اس نے فوراً اپنی حالت کو سنبھال لیا اور کہنے لگی۔

" زیاد میرے والد کے معمل میں کام کر چکا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد بھی وہ اسی معمل میں رہا اور گزشتہ سال تک ہم دونوں اسی معمل میں ایک ٹیلی ویژن میں اختراعات

کرتے رہے ـــــ" یکایک اس نے سر جھکا لیا اپنی انگلی کے ناخنوں کو دیکھنے لگی اور ایک ساعت بعد اسی طرح سر جھکائے ہوئے کہا اور اب وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے ـــــ"

اسد کو ایسا محسوس ہوا جیسے ٹرین کی رفتار یکایک بہت تیز ہو گئی ہے اور درخت چٹانیں اور گھاٹیاں بہت تیزی کے ساتھ بھاگتی چلی جا رہی ہیں اس نے اپنے صوفے کی پشت پر سر ٹکا لیا اور کچھ دیر تک اسی عالم میں نیلے آسمان کی گہرائیوں میں کچھ دیکھتا رہا.

حمرا نے اس کی طرف دیکھا اور ایک ساعت بعد بولی.

" وہ کل شب کو امی کے پاس بھی گیا تھا. میں وہاں موجود تھی. اس نے میری موجودگی میں امی سے میرے متعلق کہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا. ان کو اس کی صورت سے نفرت ہے"

"ـــــ اور آپ کو ـــــ ؟" اسد نے قطعی غیر متوقع طور پر سوال کیا.

" امی کو صرف اس کی صورت ہی سے نفرت ہے لیکن میں اس کے وجود سے متنفر ہوں ـــــ آج صبح میں نے بہت سختی کے ساتھ کہدیا ہے کہ آئندہ وہ مجھ سے گفتگو کی کوشش نہ کرے ـــــ"

" کیا وہ آپ کی اس ہدایت پر عمل کرے گا. ؟"

" نہیں ـــــ وہ بہت چالاک اور بد باطن ہے. اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ میری ضد ملک اور قوم کے لیے بہت مہنگی پڑے گی ـــــ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ یہاں سے راہ فرار اختیار کرے گا اور نا رسیتیوں سے مل کر قوم اور ملک کو نقصان

پہونچانے کی کوشش کرے گا۔

”کیا یہ ممکن نہیں کہ ملک اور قوم کو نقصان سے بچانے کے لیے آپ اس سے نکاح کرلیں؟“

”میں جانتی ہوں کہ میرے لیے اس دنیا میں مسرتیں نہیں ——— تو پھر میں اپنی زندگی کو مزید سوگوار کیوں بناؤں ——— رہا ملک اور قوم کا سوال تو ——— زیاد اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کرسکتا ہے کہ وہ ہمارے چند راز تاریتیوں کو دیدے۔“

اسد نے حمرا کی طرف دیکھکر کہا: ”اگر اس دنیا میں آپ کے لیے مسرتیں نہیں ہیں تو دوسری دنیاؤں میں تلاش کیجئے۔ اب انسان کی پرواز اس کے تخیل سے بھی بلند ہو چکی ہے۔“

دونوں جس موضوع سے گریز کر رہے تھے نادانستہ طور پر وہی زیر بحث آگیا تھا۔ حمرا، کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اسوقت ٹرین ایک پہاڑ کے دامن میں پہونچ چکی تھی اس کی رفتار سست ہو چکی تھی۔ سامنے ایک دریا بہتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اسد حمرا کے جواب کے انتظار میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک ساعت بعد ایک طویل سانس لی اور سعد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”واقعی انسان کی پرواز اس کے تخیل کی پرواز سے بھی بلند تر ہو چکی ہے!“

ٹرین کی رفتار بہت زیادہ سست ہو گئی۔ حمرا نے دریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ دریائے ابیض ہے۔ قیرازی کے تین بڑے دریاؤں میں سے ایک ہے۔ ہماری ٹرین اس کے پل پر سے گزرے گی۔ یہ پل فن انجینیری کا ایک عظیم الشان کارنا

ہے اس کو بیک وقت چار ٹرینیں عبور کر سکتی ہیں۔ یہ بہت بلند ہے اور اس کے نیچے سے بڑے سے بڑے جہاز گزرتے رہتے ہیں۔"

اسد نے ایک ہینڈل کو دبایا، کھڑکی کا شیشہ اوپر کو اٹھ گیا۔ دونوں نے اپنے صوفے کھڑکی کے قریب کھینچ لیے اور دریا کی طرف دیکھنے لگے۔ ٹرین گھماؤ پر جا رہی تھی، کچھ دیر بعد دریا کے کنارے دس دس اور بارہ بارہ منزلہ عمارتیں نظر آنے لگیں، چند عمارتوں سے دھوئیں کے لچھے اور بھاپ کے بادل اُٹھ رہے تھے۔

"یہ غالباً کارخانے ہیں۔"

"جی ہاں ــــــ یہ سلسلہ اس پہاڑ کے دوسری جانب تک پھیلا ہوا ہے۔"

"یہ شاید القسطہ کا ایک مضافاتی علاقہ ہے۔"

"القسطہ یہاں سے بیس میل دُور ہے۔ وہ اس پہاڑ کے اس سمندر کے کنارے ہے۔"

مولانا عبدالسلام اور حنیف بن ہشام باتیں کرتے ہوئے ان کے قریب سے گزرے اور حمزار کی دعوت پر ان دونوں کے پاس بیٹھ گئے۔

ٹرین دریائے ابیض کے پل پر سے گزرتی اور ایک چھوٹی پہاڑی کے گرد چکر کاٹتی ہوئی دریا کے دوسرے کنارے پر پہونچ گئی اور اس کے متوازی چلنے لگی۔ حنیف بن ہشام نے کرسی پر بیٹھتے ہی حمزار سے کہا۔

"روانگی سے قبل مجھے اسٹیشن پر معلوم ہوا ہے کہ عال نے زیاد ابن ابی عامر کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیے ہیں۔ سنا جا رہا ہے کہ اس نے دس روز قبل

ساسون کے وزیراعلیٰ کو ایک خط لکھا تھا۔ وہ ایک نارمیتی جاسوس کے ذریعہ روانہ کیا گیا تھا لیکن سرحدی گشتی دستے کے ایک افسر نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس کے پاس سے وہ خط برآمد ہوا۔"

حمرا نے کہا: "یہ پہلا اتفاق نہیں ہے اس سے قبل بھی وہ ملک اور قوم سے غداری کر چکا ہے لیکن امیر یا امیر الامراء نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ صرف اس کو چھ ماہ کے لیے ساحل لوکاس پر بھیج دیا گیا۔"

"کیا وہاں سیاسی مجرموں کو رکھا جاتا ہے؟"

"جی نہیں —— بلکہ وہاں نفسیاتی طور پر انسان کی ذہنیت بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ منصفوں کی اعلیٰ مجلس نے یہی مناسب سمجھا کہ اس کو سزا دینے کے بجائے اس کی ذہنیت بدلنے کی کوشش کی جائے۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ وہ چھ ماہ میں ٹھیک ہو جائے گا اور کسی حد تک اس کی ذہنیت بدل بھی گئی لیکن اب ادھر گزشتہ چند ماہ سے اس کی ذہنیت پھر بدل گئی ہے۔"

حمرا نے کہا: "یہ پہلا شخص ہے جو ساحل لوکاس پر جانے کے بعد بھی نہ بدلا۔"

اسد نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ سامنے مضافات کی عمارتیں نظر آرہی تھیں۔ ٹرین کی رفتار قدرے تیز ہو چکی تھی۔ حنیف نے کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"میں آج صبح تک نارمیتیوں کی سرحدی سرگرمیوں کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا لیکن روانگی سے قبل اسٹیشن پر میں نے جو کچھ بھی سنا ہے وہ تشویشناک ہے۔"

حمرا بول اٹھی: "زیادہ اس جیسے دس بیس سامنے آ جائیں تب بھی نارمیتیوں سے ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں۔ اگر جنگ شروع ہو جائے تو ہم شیخ عبدالناصر کے سامنے

ہوئے منصوبے پر عمل کرنا چاہیئے۔ ناریتیوں کی اس وقت وہی حالت ہے جو زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی تھی لیکن جب وہ دائرہ اسلام میں آ گئے تو ان لوگوں کی تقدیریں بدل دیں اور دنیا کے معلم ہو گئے۔ اگر ناریتیوں میں تبلیغ ہوتی رہتی تو آج اس دنیا کی حالت مختلف ہوتی اور بہت ممکن تھا کہ ہم کرۂ نارس تک پہونچ چکے ہوتے۔"

حنیف نے حرار کی تائید کرتے ہوئے کہا "اب میرا بھی یہی خیال ہے۔"

اسد نے بہت دور کی چیز کو دیکھتے ہوئے حرار سے کہا۔

"یہ کیا چیز ہے ——؟"

"باب الناصر ——" حرار نے جواب دیا "شیخ محمد الناصر قدسیوں کے ایک عظیم المرتبت سپہ سالار گزرے ہیں۔ انھوں نے زغوثیوں اور تاریتیوں کے متحدہ لشکر کو القنطہ میں شکست فاش دی تھی۔ یہ اسی کی یادگار ہے۔"

حنیف نے اُٹھتے ہوئے کہا "آیئے اب ہم سب اٹھیں۔ ہمارا سفر ختم ہو رہا ہے۔"

سب، حرار اور مولانا عبدالسلام ایک ساتھ کھڑے ہو گئے۔ ریل کی فولادی پٹری کا جال کھیلتا جا رہا تھا۔ سب باتیں کرتے ہوئے ایک دوسرے درجے میں آ گئے۔ حرار، میمونہ، اربلا اور فیروزہ کے پاس چلی گئی۔

اسٹیشن پر مہمانوں کا سرکاری طور پر استقبال کیا گیا اور ان کو سمندر کے کنارے ایک عالی شان ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ زمرد نے القنطہ کی چوڑی سڑکیں اور فلک بوس عمارتیں دیکھ کر کہا۔

"بظاہر ان شہروں اور ہماری دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں زیادہ فرق

نہیں ہے لیکن یہاں کی بعض چیزیں بالکل انوکھی اور ہمارے لیے نئی نہیں ہیں۔ مثلاً یہی نہ تو قرانیہ میں ٹریفک پولیس دیکھی اور نہ یہاں۔ ہر چوراہے پر اشارے کے لئے خود بخود رنگین بتیاں جلتی اور بجھتی رہتی ہیں۔ بغیر شوفر کے کاریں۔ مصنوعی چاندنی وغیرہ۔"

اس وقت وہ سب ہوٹل کے ایک بڑے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حمرا نے کہا۔

"ابھی تک آپ لوگوں نے صرف عمارتیں ہی دیکھی ہیں۔ آپ یہاں کے اسپتال اور ایسے ہی دیگر ادارے دیکھ کر یقیناً خوش ہوں گے۔"

ارملا نے کہا "راستہ میں حسن صاحب کہہ رہے تھے کہ وقت ضرورت یہاں زراعتی علاقوں میں مصنوعی بارش بھی ہوتی ہے اور اگر قدرتی طور پر کسی سال بارش زیادہ ہونے کا امکان ہو تو اس پر قابو پا لیا جاتا ہے اور ابر محیط کے باوجود آفتاب کی مصنوعی شعاعوں سے پھلوں کو درختوں کی شاخوں ہی میں پکا لیا جاتا ہے۔"

حمرا نے کہا "یہ شعاعیں تین سو برس قبل ایک قدسی سائنسداں نے جونے اور لوہے سے پیدا کی تھیں۔ اس وقت وہ قدسی سائنسداں آفتاب کی شعاعوں سے شکر اور سفوف کی صورت میں ایک خاص قسم کا حیاتین حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس جوہری طاقت کے ذخائر موجود ہیں اور صنعتی اداروں میں انھیں سے کام لیا جا رہا ہے۔"

اسد چند لفری سائنسدانوں کے پاس بیٹھا ہوا ان سے باتیں کر رہا تھا۔ حمرا نے اس طرف دیکھ کر ایک سائنسداں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ عون بن العزیز ہیں ماہر برقیات اور ان کے دائیں جانب غوث طوماغ

اُڑن طشتری

ہیں. تقریباً سلمانوں میں طوماغ دسویں سائنسدان ہیں جو موجدوں کی صف اول میں آتے ہیں۔ انھوں نے حال ہی میں ایسی لہریں دریافت کی ہیں جو فضا میں نشر ہو جانے کے بعد طیاروں، ہوائیوں اور اُڑن طشتریوں کو قابلِ پرواز نہیں رکھتی ہیں، ان لہروں کے جال میں داخل ہوتے ہی ہر مشین بے کار ہو جاتی ہے دھاتوں کا وزن سو سے دو سو گنا تک بڑھ جاتا ہے اور وہ سطحِ زمین پر آرہتے ہیں!

زمرد بول اٹھی "آپ لوگ تحقیق و تجسس میں ارضی انسان سے بہت آگے ہیں"

حمزار نے کہا "خدا نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجا اب یہ اس کی صلاحیتوں پر منحصر ہے کہ وہ اپنے مرتبہ کو سمجھے یا نہ سمجھے"

ایک گھنٹہ بعد سب بلدیہ کی چار منزلہ عمارت کے سامنے اس کے اس پارک میں پہونچ گئے جہاں بلدیہ کی طرف سے ان کے عصرانہ کا انتظام کیا گیا تھا معتمد بلدیہ حلیب منعم نے او، لوزم مہمانوں کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا۔ مولانا عبدالسلام نے ایڈریس کا جواب دیا۔ مہمانوں کی فواکہات اور مشروبات سے تواضع کی۔ عصرانہ ختم ہوتے ہی القنطہ کے معززین شہر کی دعوت پر مہمانوں کو لبِ ساحل ایک خوبصورت عمارت میں لے جایا گیا۔ عمارت کے صدر دروازے پر معززین شہر نے مہمانوں کا استقبال کیا اور ان کو ایک آراستہ شہ نشین میں لے جاکر بٹھایا۔ حمزار نے میمونہ اور دیگر مہمانوں سے کہا۔

"یہ یہاں کا مشہور سینما گھر لیل و نہار ہے"

"نام تو بہت اچھا ہے ——— لیل و نہار، شاعرانہ تخیل ہے" لامبو دے نے

ژ نشین کو دیکھتے ہوئے کہا وغالباً یہ استقبالیہ ژ نشین ہے"

"جی ہاں ـــــ ہال اس کی پشت پر ہے"

حبیب منعم، اسد، سعد اور منوہر سنگھ کے پاس بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا ژ نشین کے ایک گوشے میں چھت کے قریب ایک نارنجی قمقمہ روشن ہوا اور گل ہوگیا اور ایک منٹ بعد مسلسل جلنے اور بجھنے لگا۔ حبیب منعم فوراً کھڑا ہو گیا اور مہمانوں کو خطاب کرتے ہوئے بولا۔

"معزز مہمانو! میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں آپ کو کس طرح مخاطب کروں۔ مجھے الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔ ایک تفری اور القنطہ کے ایک شہری کی حیثیت میں ابھی کچھ دیر قبل میں بلدیہ کی عمارت میں اپنے جذبات کا چند الفاظ میں اظہار کر چکا ہوں۔ اس وقت آپ حضرات کو چند دستاویزی فلمیں اور ایک تفریحی فلم دکھایا جائے گا۔ اس صنعت میں تفری انسان نے کس حد تک ترقی کی ہے آپ حضرات کو اس نمائش سے کچھ اندازہ ہو جائے گا"

حبیب منعم نے اسد کی طرف دیکھا، وہ اس کا مطلب سمجھ کر کھڑا ہو گیا، اسکے ساتھ ہی سب کھڑے ہو گئے۔ حبیب منعم نے مہمانوں کی رہنمائی کی اور سب وسیع ہال میں پہونچ گئے۔

ہال میں ہر طرف ہلکی نیلی روشنی تھی۔ اسد نے مولانا عبدالسلام سے کہا۔

"میرے خیال میں دیواروں پر فاسفورس کے کسی مسالہ کا پلاسٹر ہے"

حمرا مسکرائی۔ اسد نے مسکرا کر اس کو دیکھا اور اس سے دریافت کیا

"کیا میرا خیال صحیح نہیں ہے ـــــ؟"

"یہ سیپ کے چونے کی قلعی ہے۔ سیپ کے چونے کو ایک مرکب میں حل کر کے قلعی کرنے سے تاریکی میں اس کی ہلکی بنفشئی شعاعیں خارج ہوتی ہیں۔ یہ شعاعیں صرف کسی تاریک کمرے یا ہال کو منور ہی نہیں کرتی ہیں بلکہ ان کے اثر سے نائٹروجن گیس بھی تحلیل ہوتا رہتا ہے اور اس طرح ہوا بالکل صاف رہتی ہے"

ہال میں ہر طرف صوفے بچھے ہوئے تھے۔ حبیب منعم نے سب کو بٹھایا اسد نے حمرا سے کہا۔

"کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ اس وقت کونسا فلم دکھایا جائے گا؟"

"آپ کی طرح یہاں میں بھی ایک مہمان کی حیثیت رکھتی ہوں"

دونوں سامنے زرکار پردہ کی طرف دیکھنے لگے۔ پردے کے پیچھے سے ہلکے نغمات بلند ہو رہے تھے۔ نعیم سرکار نے ارملا سے دریافت کیا۔

"ارملا! بتاؤ کون کون سے ساز بج رہے ہیں۔؟"

ارملا نے نغمات کی طرف کان لگائے اور ایک ساعت بعد بولی۔

"جلترنگ اور طاؤس ——— اور غالبا ——" اس نے ایک سریلی تان پر کان لگائے اور کہنے لگی "سارنگی یہ یقیناً سارنگی ہے"۔

"اور الغوزہ بھی ہے ——" یوسف پردیز بول اٹھا۔

"—— لیکن یہ زیر و بم کس ساز سے پیدا ہو رہا ہے۔ یہ پیانو تو ہو نہیں سکتا ہے ——" نعیم سرکار نے پردہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیوں ارملا تمھارا کیا خیال ہے ؟"

"ممکن ہے پیانو کی قسم کا کوئی ساز ہو ——" ارملا نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

زنگار پردہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے ہٹا اور پردہ سیمیں سامنے آگیا اس کے چاروں طرف سیاہ جالی کا حاشیہ تھا۔ سب اس طرف متوجہ ہو گئے۔ یکایک ہال کی روشنی کم ہونے لگی۔ اسد نے قریب ترین دیوار کی طرف دیکھا۔ دیوار کی نیلگوں سفیدی پر ہلکی سیاہ تہہ جمتی جا رہی تھی۔ وہ اس طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا اسکے کانوں میں حراز کی زمزمہ بار آواز گونجی۔

"دیوار کی سطح اور اس کے بالائی خول کے درمیان معمولی قسم کا سیاہ گیس دوڑ رہا ہے قلعی کی بنفشئی شعاعیں اس گیس میں جذب ہو جاتی ہیں"۔

اسد حراز کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آپ کا مطلب یہ ہے کہ دیواروں کی سطح پر جو قلعی ہے اس کے اوپر بھی کسی چیز کا غلاف ہے ــــ؟"

"جی ہاں ــــ اسی غلاف کے اندر گیس بھر جاتی ہے"

پردہ کی سمت سے آواز آئی "کرہ ارض سے آنے والے اولالعزم انسانوں کی خدمت میں مرخونیہ کے فلمسازوں کی انجمن ایک تاریخی فلم حیات ابدی پیش کرتی ہے"

سب اس طرف متوجہ ہو گئے۔ تعارف کے بعد ایک کوہستانی منظر سے فلم کی ابتدا ہوئی۔ کوہستانی منظر قدرتی رنگوں میں نظر آ رہا تھا۔ ہر طرف خود رو پودوں، بیلوں اور جھاڑیوں میں پھول کھلے ہوئے تھے۔ ہوا کے جھونکوں سے شاخیں جھوم رہی تھیں۔ ان پھولوں کی خوشبو سے مہک اٹھا اور کوہستانی ہوا کے جھونکوں سے ہال میں بیٹھنے والوں کے لباس پھڑپھڑانے لگے۔

"سبحان اللہ ——" مولانا عبدالسلام بے ساختہ کہہ اُٹھے "اس فن کو بھی کمال کی حدود تک پہونچایا"

اسد، سعد اور ان کے ساتھی ایک ایک منظر پر جھوم رہے تھے۔ ہر منظر کے ماحول اور درجۂ حرارت کے ساتھ ہال کا ماحول اور درجۂ حرارت بدل رہا تھا۔ ریگستانی مناظر اور بادِ سموم کے جھونکوں سے سب کے چہرے جھلسنے لگے۔ لیکن یہ منظر بہت جلد ایک جنگل کے منظر میں مدغم ہوگیا۔ فلم کی کہانی اس درجہ دل چسپ تھی کہ ہر شخص خود کو اسی کا ایک کردار سمجھ رہا تھا۔

ڈھائی گھنٹہ بعد سب باہر آئے۔ سمندر کے کنارے سڑک سیمابی روشنی سے سیاہ چادر پر روپہلی بیل کی طرح نظر آرہی تھی۔ سمندر کی سیاہ سطح پر شارک سے مشابہ چھوٹی کشتیاں ادھر ادھر دوڑتی پھر رہی تھیں۔ سڑک کے انتہائی گھماؤ پر ہزاروں بتیاں روشن تھیں اور تیز روشنی کے آڑے ترچھے اور سیدھے خطوط تاریک فضا میں زرد ظلمت کا جال بنا رہے تھے۔ عمارت کے سامنے جدید قسم کی چھوٹی کاریں ایک قطار میں کھڑی ہوئی تھیں۔ سب کاروں پر بیٹھکر ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئے۔

آسمان پر شرق کی طرف سے گھٹائیں گھرتی چلی آرہی تھیں۔ حنیف بن ہشام نے مولانا عبدالسلام اور سعد سے بتایا کہ یہ طوفان کے آثار ہیں۔ زمرد نے آسمان کی طرف دیکھا تارے غائب ہو چکے تھے۔ ہوا تیز ہوتی جارہی تھی، اور بجلی چمکنے لگی تھی۔

(۲۲)

ہوٹل کے احاطہ میں کاریں داخل ہوتے ہی بارش شروع ہوگئی۔ ہوا کے تیز و تند جھونکے عمارتوں سے ٹکرا کر خوفناک شور پیدا کر رہے تھے۔ سب استقبالیہ کمرے سے گزرتے ہوئے چوتھی منزل کے اس بڑے کمرے میں پہنچ گئے جو ان کے بیٹھنے کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ پانی کی چادریں برآمدے تک آ رہی تھیں ـــــ بادلوں کی گرج کے ساتھ مسلسل بجلی چمک رہی تھی اور اس کی روشنی میں سمندر کی متلاطم موجیں اس سنگین چار دیواری سے ٹکراتی ہوئی نظر آ رہی تھیں جو سڑک اور سمندر کے درمیان حد فاصل کے طور پر بنی ہوئی تھی۔

ارملا نے حرار سے کہا: "کیسی طوفانی رات ہے ـــــ کیا یہاں اکثر ایسے طوفان آتے رہتے ہیں!"

"سال میں دو چار بار تو ایسے طوفان ضرور آتے ہیں!"

مولانا عبدالسلام نے دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"انسان قدرت سے جنگ کر کے کبھی کامیاب نہیں ہوا ہے!"

"طوفانوں پر قابو پالینا قدرت سے جنگ نہیں کہا جا سکتا میرے عزیز دوست"

خلیف بن ہشام نے مولانا عبدالسلام کو سمجھاتے ہوئے کہا: "اگر ہم ان طوفانوں کو بالکل روک دیں تو یقیناً یہ قدرت کے خلاف جنگ ہوگی!"

حسن بول اٹھا: "اٹھارہ سال قبل اسی شہر کے ایک سائنسدان القنطوری نے

ایک قریب ترین جزیرے میں جنگ کے آلات نصب کیے اور جب طوفان آیا تو اس نے جوہری طاقت سے اس کا رُخ بدل دیا اور وہ سطح زمین سے دو ہزار فیٹ کی بلندی پر چلا گیا ــــــ اور اس طرح اس سال القنطہ میں کوئی طوفان نہیں آیا ــــــ عوام اس کو قدرت پر سائنس کی فتح سمجھنے لگے ــــــ لیکن ابھی وہ سال ختم بھی نہ ہوا تھا کہ القنطہ اور اس کے مضافات میں وبائیں پھوٹ پڑیں اور صرف تین دن میں ڈیڑھ لاکھ انسان لقمہ اجل ہو گئے۔"

"ڈیڑھ لاکھ ــــــ" مولانا عبدالسلام چونک پڑے "الاماں، والحذر"

حسن نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "محکمہ حفظانِ صحت کی کوششوں سے جو تھے روز ان وبائی امراض پر قابو پایا جا سکا اس کے بعد اطبا اور سائنسدانوں کی ایک مشاورت ہوئی اور ایک تحقیقاتی جماعت مقرر کی گئی۔ اس جماعت نے حالات کا مطالعہ کیا، ہر غذا کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ عوام کے بیانات قلمبند ہوئے گزشتہ پچیس سال کا موسمی ریکارڈ دیکھا گیا۔ غرضیکہ دو ماہ تک ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد یہ جماعت اس نتیجہ پر پہونچی کہ یہ وبائیں موسمی تغیرات سے پھوٹ پڑیں۔ اگر طوفانوں کا رُخ نہ بدلا جاتا تو وباؤں کے جراثیم نہ پیدا ہوتے۔ قدرت کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔"

"آپ کا خیال بہت صحیح ہے ــــــ" مولانا عبدالسلام بیساختہ کہہ اُٹھے۔

"یہ میرا خیال نہیں بلکہ ہمارا عقیدہ ہے۔ اب ہم طوفانوں کا زور تو ضرور کم کر دیتے ہیں لیکن ان کو روکتے نہیں ہیں۔"

ایک نظری طبیب نے حسن کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ بارش، طوفان، سردی،

گرمی وغیرہ نہ صرف انسانی صحت و تندرستی بلکہ زرعی پیداوار کے لیے بہت ضروری ہیں جس سال القطوری نے طوفانوں کا رُخ بدلا اس سال ہی الفقہ کے کوہستانی سلسلہ میں کہیں بھی اچھی فصل نہیں ہوئی۔ خصوصاً ترکاریاں تو بالکل نہیں ہوئیں، اس موسمی تغیر کا مویشیوں پر بھی برا اثر پڑا اور قیرانیہ کو مصنوعی دودھ پر اکتفا کرنا پڑا۔ اس لیے کہ اس کوہستانی سلسلہ کا دودھ قیرانیہ کے ہر حصہ میں بھیجا جاتا ہے۔"

باہر گرجدار آواز کے ساتھ بجلی لہرا رہی تھی اور بوچھار کمرے تک پہونچنے لگی تھی۔ سمندر کی لہروں کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ ایک ملازم نے سمندر کی طرف کھلنے والے سب در اور دریچے بند کر دیے طوفان کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ سب اٹھ کر کھانے کے کمرے میں آ گئے۔

ہوٹل کے ایک نائب نے آ کر کہا۔

"سمندری لہریں خطرے کے نشان تک پہونچ رہی ہیں۔"

صلیف بن ہشام نے کہا "تو پھر کیا کیا جائے ——؟"

نائب کے جواب سے قبل کمرے میں سُرخ بتیاں روشن ہو گئیں اور ہر طرف خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں سب کھڑے ہو گئے اور گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے ہوٹل کا منتظم گھبرایا ہوا آیا اور چیخ کر کہنے لگا۔

"آپ لوگ فوراً عمارت سے باہر نکل جائیں۔ عمارت کے عقبی حصے میں کاریں موجود ہیں۔ جلد آیئے۔ سمندر کی طوفانی لہریں سڑک تک پہونچ چکی ہیں۔"

سب برآمدے کی طرف بھاگے۔ برآمدے میں اس وقت تک دو سو سے زیادہ آدمی جمع ہو چکے تھے۔ کوئی شخص زینے پر کھڑا ہوا کہہ رہا تھا۔

"آپ لوگ اپنے سامان کی فکر نہ کریں۔ کاریں موجود ہیں جلد بیٹھیے ـــــ"

بادلوں کی خوفناک گرج میں اس کی آواز دب گئی۔ مسافر سراسیمگی کی حالت میں ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے کاروں کی طرف دوڑے۔ سعد نے زمرد کا بازو پکڑ کر آگے بڑھاتے ہوئے چیخ کر اسد سے کہا۔

"حرار کہاں ہے ـــــ اسے لے لو ـــــ"

ہر شخص چیخ چیخ کر اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو بلا رہا تھا۔ اسد نے حرار کو ایک ستون کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا اور دوڑ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ادھر آیئے ـــــ"

حرار نے گھبرا کر اسد کی طرف دیکھا۔ اس نے اسے کھینچ کر اپنے قریب کر لیا اور سہارا دے کر آگے بڑھایا۔ مسافر بدحواسی کے عالم میں ان کے قریب سے گرتے پڑتے ہوئے گزر رہے تھے۔ حرار اور اسد دوڑ کر ایک بڑی کار کے قریب پہونچ گئے۔ منوہر سنگھ ارملا اور فیروزہ کو اس میں بٹھا رہا تھا۔ حرار اس طرف لپکی اور ٹھیک اسی وقت ایک خوفناک گرج کے ساتھ سب بتیاں گل ہو گئیں۔ بجلی کی چمک میں اسد نے ایک شخص کو حرار کی طرف جھپٹتے ہوئے دیکھا اس کے بعد ہی حرار کی چیخ سنائی دی۔

اسد اس کا بازو چھوڑ چکا تھا۔ اس نے پھر تاریکی میں اس کو پکڑنے کی کوشش کی۔ حرار کی چیخ کے ساتھ ہی لوگ شور کرنے لگے۔ بجلی ایک بار پھر چمکی اور اسی کے ساتھ ایک بار پھر حرار کی آواز سنائی دی، وہ مدد کے لیے چلا رہی تھی۔ اسد نے

آواز کی طرف دیکھا ایک شخص اس کو اپنے بازوؤں پر لئے ہوئے پھاٹک کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اسد اور منوہر سنگھ چیختے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے۔

ہوا کے تیز و تند جھونکوں اور بارش کی شدت کی وجہ سے وہ دونوں بھاگنے والے کا تیزی کے ساتھ تعاقب نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود سو گز کے فاصلے تک دوڑنے کے بعد وہ ان کے قریب پہونچ گئے۔ ہوٹل کے دو محافظ بھی ان کے پیچھے آ رہے تھے۔ حمرا اب تک اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی جد وجہد کر رہی تھی۔ بھاگنے والے نے پلٹ کر اسد اور منوہر سنگھ کی طرف دیکھا اور برقی سرعت کے ساتھ اپنی کمر سے کچھ نکال کر دونوں کی طرف شست باندھی اور ایک نیلگوں لہر دونوں کے جسموں کو چھوتی ہوئی نکل گئی۔ ہوٹل کے محافظ خوفناک چیخ کے ساتھ گر پڑے لیکن اسد اور منوہر سنگھ دوڑتے ہوئے اس کے قریب پہونچ گئے۔

حمرا نے بظاہر مزاحمت ترک کر دی تھی۔ لبادے میں لپٹے ہوئے شخص نے پھر شست باندھی اور ایک نیلگوں لہر منوہر سنگھ اور اسد کو چھوتی ہوئی نکل گئی

اسد نے چیخ کر کہا۔

"خبردار ——"

وہ شخص حمرا کو لیے ہوئے پھاٹک کی طرف بھاگا۔ اسد نے بڑھکر اسکو پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ پھاٹک تک پہونچ چکا تھا۔ پھاٹک کے دوسری طرف سے بوچھار کی صورت میں نیلگوں لہریں آنے لگیں۔ وہ برابر اسد اور منوہر سنگھ کے جسموں سے مس ہوتی ہوئی گزر رہی تھیں لیکن وہ اسی طرح اس شخص کے تعاقب میں تھے منوہر سنگھ نے اس کے قریب پہونچکر اس پر ہاتھ ڈالا۔

وہ پھاٹک سے باہر نکل چکے تھے۔ سڑک پر سمندر کی خوفناک لہریں سیاہ چادر کی طرح الٹ الٹ کر آ رہی تھیں۔ کسی نے پھاٹک کے پہلو سے نکل کر منوہر سنگھ کو روکنے کی کوشش کی۔ اسد نے غیر معمولی تیزی کے ساتھ اپنا آٹو میٹک نکال لیا اور مسلسل تین فائر کر دیے۔ منوہر سنگھ پر جھپٹنے والا اپنی جگہ پر اچھلا اور بل کھا کر سڑک پر بہتے ہوئے پانی میں گر پڑا۔ بجلی کی مسلسل چمک سے ہر چیز نظر آ رہی تھی۔ منوہر سنگھ نے اس شخص کو پکڑ لیا جو حمرا کو بازوؤں پر لیے ہوئے تھا حمرا بے جان لاش کی طرح سڑک پر گر پڑی۔

اسد نے دوڑ کر اس کو اٹھا لیا۔ منوہر سنگھ نے اپنے حریف کو اٹھا کر پٹخ دیا۔ اسد مدافعت کے لیے چاروں طرف فائر کرنے لگا۔ اسے چھ سات آدمی بھاگتے ہوئے نظر آئے وہ اسی طرف آ رہے تھے۔ منوہر سنگھ نے بھی اپنا آٹو میٹک نکال لیا اور اس طرف رُخ کر کے فائر کرنا ہی چاہتا تھا کہ اسد چلایا۔

"وہ اپنے آدمی ہیں۔"

منوہر سنگھ نے بھی ڈاکٹر جمیل، ایرج، نعیم سرکار، جاوید انصاری، سعید، یوسف پرویز اور امتیاز کو پہچان لیا اور فوراً اپنے حریف کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ زمین سے اٹھ چکا تھا۔ منوہر سنگھ اس کی طرف لپکا لیکن وہ بدحواسی کے عالم میں سمندر کی طرف بھاگا۔ منوہر سنگھ نے فائر کر دیا اور وہ گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی تین سیاہ پوش چہار دیواری کے قریب سے اٹھ کر سمندر کی طرف بھاگے۔ منوہر سنگھ نے یکے بعد دیگرے تین فائر کیے لیکن وہ دور پہونچ چکے تھے۔

اسد اور منوہر سنگھ کے ساتھی ان کے قریب پہونچ چکے تھے۔ بجلی بار بار چمک

رہی تھی اس کی روشنی میں ان سب نے سمندر کی متلاطم لہروں میں ایک لمبی سفید چیز کو جھولا جھولتے ہوئے اور اچھلتے ہوئے دیکھا وہ طوفانی موجوں کو چیرتی ہوئی ساحل سے سمندر کی طرف جا رہی تھی، اسد حرار کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے پیچھے

جمیل نے منوہر سنگھ کے قریب پہونچتے ہی لہروں پر ہچکولے لیتی ہوئی اس چیز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا چیز ہو سکتی ہے ——؟"

"مجھے تو کشتی معلوم ہوتی ہے۔ تارپیڈو کی طرح ہر طرف سے ڈھکی ہوئی ممکن ہے تحت البحر ہو!"

اسد نے چیخ کر کہا "اسے پکڑو —— وہ دیکھو اٹھ رہا ہے!"

منوہر سنگھ اس شخص کی طرف جھپٹا جو ابھی اس کے فائر سے زخمی ہوا تھا جمیل بھی لپکا۔ زخمی اٹھا اور پھر گر پڑا۔ منوہر سنگھ اور جمیل نے اسے اٹھایا، اسد حرار کو اپنے شانوں کا سہارا دے کر بازوؤں پر لیے ہوئے ہوٹل کی طرف چلا۔ پھاٹک کے قریب مولانا عبدالسلام اور دو ملازم نظر آئے۔ انھوں نے سب کو واپس آتا ہوا دیکھ کر دور ہی سے چلا کر پوچھا۔

"سب خیریت ہے نا ——؟"

"الحمد للہ ——" اسد نے جواب دیا۔

مولانا کے پیچھے ہوٹل کا منیجر۔ اس کے چند نائب اور نصف درجن ملازم اسی طرف آتے ہوئے نظر آئے۔

"ارے یہ کون ہے ——؟" مولانا عبدالسلام پھاٹک کے قریب ہوٹل

کے دونوں محافظوں کی لاشیں دیکھ کر اُچھل پڑے۔

اسد، منوہر اور ان کے ساتھی بھی وہاں تک پہونچ چکے تھے۔ ہوٹل کے چند محافظوں نے اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو اٹھایا اور سب برآمدے میں واپس آگئے طوفان کا وہی عالم تھا۔ ہوٹل کی عمارت تاریک تھی۔ منوہر سنگھ نے آوازیں دے کر اپنے ساتھیوں کو برآمدے کے ایک گوشے میں بلایا۔ ہوٹل کے بیشتر مسافر کاروں پر جا چکے تھے۔ اسد حمرا کو اپنے دونوں ہاتھوں پر لیے ہوئے تھا۔ سعد نے اسکی نبض دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بے ہوش ہو گئی ہیں ——— ان کے جسم کو گرمی پہونچائی جائے۔"

مولانا عبدالسلام سب کو ہٹاتے ہوئے آگے بڑھے۔" آخر یہ ہوا کیا۔ پانچ منٹ میں سب کچھ ہو گیا۔"

ہوٹل کی بتیاں دوبارہ روشن ہو گئیں۔

" اوہو ——— یہ تو بالکل شرابور ہو رہی ہیں۔" مولانا عبدالسلام نے حمرا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

مینجر نے قریب ترین کمرہ کھول دیا۔

" ان کو یہاں لٹا دیجئے۔" مینجر کے ایک نائب نے اسد سے کہا۔

میمونہ، زمرد اور ارملا نے حمرا کو سنبھال کر اٹھایا اور کمرے میں صوفے پر لے جا کر لٹا دیا۔ اسد نے مینجر سے کہا۔

"میرے خیال میں طوفان کا زور کم ہوتا جا رہا ہے کیا اب بھی یہ عمارت طوفان کی زد میں ہے ——— "

کمرے میں سُرخ بتیوں کے بجائے اب زرد اور نیلگوں بتیاں جل اور بجھ رہی تھیں۔

"جی نہیں —" منیجر نے بتیوں کی طرف دیکھ کر کہا "یا تو طوفان کا رُخ بدل گیا ہے یا اس [illegible]ور کم ہو چکا ہے —"

اسد نے میمونہ اور زمرد سے کہا "ان کو اپنے کمرے میں لے چلو"

"طبی امداد کے لیے ضرورت کی ہر چیز موجود ہے" منیجر نے اسد سے کہا اور اس کے اشارے پر چند خادماؤں نے حرار کو اس کے کمرے میں پہونچا دیا۔ زمرد اور ارملا نے اس کا بھیگا ہوا لباس اتار کر دوسرا لباس پہنایا۔ سعد اور ایک نُقرئی ڈاکٹر نے حرار کو دیکھا۔ سعد نے انجکشن کا خیال ظاہر کیا لیکن نُقرئی ڈاکٹر نے انجکشن کے بجائے اس کی پیشانی پر ایک سفید لوشن کی پھریری لگائی اور دائیں کان پر ایک سُرخ دوا لگا دی۔

"ان کے پاس صرف دو خواتین رہ جائیں — باقی لوگ ہٹ جائیں"

سب کمرے سے باہر آگئے۔ زمرد اور ارملا حرار کے پاس رہ گئیں۔ مولانا عبدالسلام ابتک متحیر تھے کہ یہ سب کیا ہوا اور کیونکر ہوا۔ طوفانی ہوائیں کم ہو چکی تھیں لیکن دھواں دھار بارش ہو رہی تھی۔

"مجھے تو یہ سب خواب کی باتیں معلوم ہو رہی ہیں جیسے ہم لوگوں نے کوئی بھیانک اور ڈراؤنا خواب دیکھا ہے" انھوں نے سعد سے کہا۔

"واقعی —" اسد نے جواب دیا "یہ سب کچھ اس تیزی کے ساتھ ہوا کہ میں ابتک اس کی نوعیت سمجھنے سے قاصر ہوں"

ہوٹل کے طبی شیر نے کہا۔" میرے خیال میں اس واقعہ کی نوعیت پر غور کرنے سے زیادہ یہ ضروری ہے کہ آپ لوگ اپنے اپنے لباس تبدیل کرلیں اور یہ بھیگے کپڑے اُتار دیں

" واقعی ہم سب بُری طرح نہائے ہوئے ہیں"

اسد اور اس کے ساتھی اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے اور کچھ دیر بعد لباس تبدیل کر کے آگئے۔ زمرد نے دروازے پر آکر کہا۔

" حمرا ہوش میں آچکی ہے لیکن ابھی گھبرائی ہوئی ہے۔ سعد تم آکر اسے دیکھ سکتے ہو۔ ڈاکٹر صاحب آپ بھی تشریف لائیے"

سعد اور ڈاکٹر کمرے میں چلے گئے۔ اسد نے باہر کی طرف دیکھ کر کہا۔

" اب بارش بھی کم ہو چلی ہے

اس کا جملہ ختم ہوتے ہی زینے کی طرف سے آٹھ دس آدمی دوڑتے ہوئے سامنے آگئے وہ ارغوانی رنگ کی چست وردیاں پہنے ہوئے تھے۔ منیجر ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

" آپ وقت پر آگئے لیکن ـــــ " اس نے اجنبی مہمانوں کی طرف دیکھا

" قتل کی واردات ـــــ ؟" ایک افسر نے آگے بڑھکر دریافت کیا

" جی ہاں ـــــ " منیجر نے جواب دیا۔" ہوٹل کے دو محافظوں کو چند نامعلوم افراد نے موت کی نیلگوں برقی لہروں سے کوئلہ کر دیا۔ ان کا بھی ایک آدمی ہلاک اور ایک زخمی ہوا ہے۔ وہ نیچے برآمدے میں ہے"

اسد نے تفصیل کے ساتھ واقعات بتائے، منوہر سنگھ نے بتایا کہ ان پر

نیلگوں لہریں چھوڑ دی گئیں لیکن کسی خاص وجہ سے وہ انکے اثر سے محفوظ رہے۔"
اسد اور ڈاکٹر بھی کمرے سے باہر آ گئے۔ مینیجر نے اسد سے کہا۔

"یہ پولیس کا طوفانی دستہ ہے۔ آپ ان سے اس چیز کے متعلق بھی بتا دیجئے۔ جسے آپ نے ساحل سے سمندر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا ہے۔"

پولیس آفیسر پھر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اسد نے اس عجیب و غریب چیز کے متعلق اس کو بتاتے ہوئے کہا۔

"وہ غالباً تحت البحر یا طوفانی لہروں میں چلنے والی کوئی کشتی تھی۔"

پولیس آفیسر نے نیچے جا کر زخمی کو دیکھا اس سے چند سوالات کیئے۔ ہوٹل کے محافظوں کے بیانات سنے اور دوبارہ اسد کے پاس آکر اس سے چند باتیں دریافت کرنے کے بعد حرار کا بیان قلمبند کیا۔ وہ اب بالکل ٹھیک تھی اور ایک آرام کرسی پر اس کے تکیہ پر سر ٹکائے نیم دراز تھی۔ پولیس آفیسر کے جانے کے بعد حرار نے مینیجر سے کہا۔

"میں ڈاکٹر غوث طوماغ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ آپ ان کو فوراً مطلع کریں۔"

"وہ بہت جلد یہاں آجائیں گے۔" مینیجر نے حرار کو جواب دیا اور اسد سے کہا "بارش کم ہوتی جارہی ہے۔ طوفان بھی ختم ہو چکا ہے۔ آپ لوگ کھانے کے کمرے میں تشریف لے چلیں۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ ہمارے معزز مہمانوں کو اس وقت ان ناخوشگوار واقعات سے دوچار ہونا پڑا۔"
رسمی گفتگو کے بعد مینیجر چلا گیا۔ اسد نے حرار سے دریافت کیا۔

"اب آپ کا مزاج کیسا ہے؟"

"خدا کا شکر ہے۔ اب بالکل ٹھیک ہوں ـــــ" وہ مسکرائی اور نگاہیں نیچی کر لیں۔

سب نے مقررہ وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد کھانا کھایا اور اس کمرے میں آکر بیٹھ گئے جو ان کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ ہوٹل کے باقیماندہ مسافر بھی واپس آچکے تھے۔ ہوٹل کے احاطے سے حمرا کو زبردستی اٹھائے جانے کی جو کوشش کی گئی تھی اس پر سب کو تعجب تھا۔ مرفونیہ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا واقعہ تھا۔

حمرا ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی اسد، سعد اور زمرد سے باتیں کر رہی تھی، وہ اس وقت بھی قدرے متوحش نظر آرہی تھی، دروازے کا پردہ ہلا اور ایک معمر شخص نظر آیا۔

"اوہ۔ آپ آگئے ـــ" حمرا نے تعظیماً اُٹھتے ہوئے کہا۔

زمرد نے اسے سہارا دیا۔ اسد اور سعد بھی کھڑے ہو گئے۔

"السلام علیکم ـــــ"

"وعلیکم السلام ـــ" کہتے ہوئے اسد نے ڈاکٹر غوث طوماغ کو پہچان کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

ڈاکٹر غوث نے اسد کے پاس حمرا کے مقابل ایک دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اس وقت یہاں جو کچھ ہوا ہے اسے سن کر مجھے تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی۔"

اسد نے تفصیل کے ساتھ کل واقعات بیان کر دیے۔ ابھی تک خود حمرا کو بھی

نہیں معلوم تھا کہ اسد نے کس طرح اس کو بچایا۔ وہ پھاٹک کے اندر ہی بیہوش ہو چکی تھی۔ اسد کی دلیری اور جرات پر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور اس نے اسے متشکرانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسد صاحب! آپ کو خدا نے بچایا۔ ورنہ موت کی نیلگوں لہروں سے انسان بچ ہی نہیں سکتا ہے۔"

اسد سے قبل ڈاکٹر غوث بول اُٹھے: "حرار! تم نے اس شخص کو بھی پہچانا جو تم کو اٹھا کر بھاگا تھا ــــــ؟"

"جی ہاں ــــــ وہ زیاد بن عامر کا ملازم نیزان تھا۔"

"وہ زخمی ہو چکا ہے اور پولیس اپنے ساتھ لے گئی ہے۔" ڈاکٹر غوث نے اسے اطمینان دلایا

اس نے پوچھا۔ ــــــ "اور وہ کشتی جس کا اسد صاحب نے ابھی تذکرہ کیا ہے ــــــ؟"

"وہ یقیناً زیاد کی کشتی تھی۔ وہ آج ساحل سے قریب کسی جزیرے میں چلا گیا ہے۔ اسوقت جو طوفان آیا تھا وہ یہاں سے بیس میل کے فاصلہ پر اس قدر تیز و تند اور خوفناک نہیں تھا۔ اس کو زیاد نے برقی لہروں سے خوفناک بنایا اور ہوٹل کی عمارت کو طوفان کی زد میں لاکر تم کو زبردستی اُٹھا لے جانے کی کوشش کی لیکن اسد صاحب کی جرارت نے اسے اس کے ارادوں میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ اس نے ان پر موت کی نیلگوں برقی لہریں بھی استعمال کیں، لیکن خدا نے ان کو اور ان کے دوست کو بچا لیا۔ اسے معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے۔" ڈاکٹر غوث ایک ساعت

کے لیے خاموش ہو گئے اور پھر اسد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا! ــــــ کیا میں آپ کا وہ لباس دیکھ سکتا ہوں جو آپ اس وقت پہنے ہوئے تھے؟"

اسد نے اپنے کمرے سے اپنا بھیگا ہوا سوٹ لاکر دکھایا۔

"یہ کشمیری اون کی معمولی سرج ہے۔ منوہر سنگھ بھی اسی سرج کا سوٹ پہنے ہوئے تھے۔"

ڈاکٹر غوث نے سوٹ کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور اسد سے کہا۔

کیا میں اسے چند گھنٹوں کے لیے لے جا سکتا ہوں۔؟"

"ضرور ــــ اگر آپ فرمائیں تو ڈاکٹر منوہر سنگھ کا سوٹ بھی منگوا دیا جائے۔"

"جی نہیں۔ بس یہی ایک لباس کافی ہے۔" اس اُون میں یقیناً ایسی برقی لہریں موجود ہیں جو ان خوفناک نیلی لہروں کو بے اثر کر دیتی ہیں۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجیے"

ڈاکٹر غوث کھڑے ہو گئے۔

حمراء، زمرد، اسد اور سعد بھی کھڑے ہو گئے۔ حمراء نے کہا۔

"آپ کو بہت زحمت ہوئی۔ میری وجہ سے آپ کے آرام میں خلل پڑا۔"

"آج آرام کرنے کا وقت نہیں ملے گا۔" ڈاکٹر غوث نے کہا وہ زیادا گر یہاں سے براہِ راست ساسون کے کسی بندرگاہ کی طرف جائے گا تو قریب ترین بندرگاہ تک پہونچنے کے لیے اس کو تین گھنٹے چاہئیں اور میرے آلہ کی برقی لہریں اس وقت تک ان بحری اور فضائی راستوں کو ہوائیوں، اڑن طشتریوں جہازوں اور آبدوز کشتیوں کے لیے ناقابل گزر بنا چکی ہوں گی! اچھا خدا حافظ۔"

(۲۳)

اسد فجر کی نماز کے لیے چار بجے اُٹھا۔ اسوقت اس کی خواب گاہ کا درجہ حرارت وہی تھا جو شمالی ہند میں ستمبر کی راتوں کا ہوتا ہے۔ اس نے اپنی خواب گاہ ہی میں نماز ادا کی اور پونے پانچ بجے خواب گاہ سے نکل کر دوسرے کمرے میں آیا۔ وہ اپنی رات کی کامیابی پر بہت مسرور تھا اور اسی رَو میں گنگنانے لگا۔

"السلام علیکم اسد صاحب! ـــــ" کمرے کے ایک گوشے سے حمرا کی آواز آئی۔

اسد نے چونک کر اس طرف دیکھا کمرے کا دروازہ بند تھا۔ وہ ٹہلتا ہوا ابین الاقامتی آلۂ نشر الصوت کے پاس پہونچا۔

"کیا آپ ابھی بیدار ہوئی ہیں؟"

"جی نہیں ـــــ" حمرا نے اپنے کمرے سے جواب دیا۔ ساڑھے تین بجے قیرانیہ سے میری سہیلی سلمیٰ نے مجھ سے سلسلہ ملا کر گفتگو کی اسوقت سے مجھے نیند ہی نہیں آئی۔"

"کوئی خاص خبر تھی ـــ؟" اسد نے دریافت کیا۔

"جی ہاں ـــــ بہت خاص خبر ـــــ" حمرا نے جواب دیا۔ "ساسون، انیوں اور نیختار کے بحری اور فضائی راستے ناریتیوں کے لیے مسدود کر دیے گئے ہیں"

"کیا آپ نماز ادا کر چکی ہیں ـــــ" اسد درمیان میں بول اٹھا۔

"جی ہاں ـــــ"

"اگر زحمت نہ ہو تو نشست گاہ میں آ جایئے۔"

"میں ابھی آئی ــــــ"

اسد اپنے کمرے سے نکلا حمرا بھی اپنے کمرے کے دروازے پر نظر آئی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی اس وقت اس کا چہرہ گلاب کے شگفتہ پھول کی طرح کھلا ہوا تھا اور آنکھوں میں مسرت جھلک رہی تھی۔ اسد اس کے قریب پہونچ گیا۔

"تو گویا آپ رات کو بہت کم سوئیں ــــــ"

"چار گھنٹے گہری نیند سوئی ــــــ"

دونوں باتیں کرتے ہوئے نشست گاہ میں پہونچ گئے۔ ہوٹل کا ایک ملازم آتشدان کے گلدان میں پھول لگا رہا تھا۔ . . . .

دونوں سمندر کے رُخ پر کھلنے والے ایک دریچے کے پاس بیٹھ گئے۔ دور کی جزیریاں بھی صاف اور واضح نظر آنے لگی تھیں۔ سمندر کی لہریں چہار دیواری سے ٹکرا رہی تھیں۔

"کتنا اچھا سماں ہے ــــــ" حمرا نے بغیر کسی ارادے کے کہا۔

اسد نے پوچھا۔ "کیا ڈاکٹر غیاث نے نارسیتیوں کے بحری اور فضائی راستے مسدود کر دیئے ہیں۔؟"

"جی ہاں ــــــ سلمیٰ نے مجھ سے بتایا ہے کہ آفتاب طلوع ہونے سے قبل ہی ہمارا فضائی بیڑہ ساسوں، اینوں اور بخار کی فضاؤں میں منڈلانے لگے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ــــــ یعنی ــــــ" اسد کچھ کہنا چاہتا تھا کہ حمرا بول اٹھی۔

"جی ہاں۔ امیر الامراء نے نارسیتیوں کو آٹھ بجے تک کا وقت دیا ہے۔ زیادہ

اڈن طفیری

نے ناریتیوں کے صدر اور وزراء کو جو خطوط لکھے تھے اور ان کے جو جوابات آئے وہ ہمارے قبضہ میں آ چکے ہیں اگر امیر الامراء ان کے جواب سے مطمئن نہ ہوئے تو آٹھ بجے کے بعد سے ہماری فوجیں ساسوں، اینوں اور نجتار کے شہروں میں اترنا شروع ہو جائیں گی۔

"ـــــ ورناریتی ـــــ"

اسد کا جملہ مکمل ہونے سے قبل ہی حمرار بول اٹھی۔

ناریتیوں نے زیاد ابن عامر کی شہ پر یہ رویہ اختیار کیا تھا۔ ان کو یقین تھا کہ اگر وہ ان کے ساتھ ہو گیا تو وہ چند گھنٹوں میں قرانیہ پر قابض ہو جائیں گے لیکن ـــــ لیکن وہ غریب اس وقت یہاں سے دس میل کے فاصلہ پر ایک جزیرہ میں پناہ گزیں ہے اور فرار ہونے کی راہیں تلاش کر رہا ہے۔"

حمرار کی آنکھیں وفور مسرت سے اور زیادہ روشن ہو گئیں اور دانت موتیوں کی طرح چمکنے لگے۔

دروازے پر مولانا عبدالسلام اور حلیف بن ہشام نظر آئے۔ ان کو دیکھتے ہی حمرار اور اسد تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ مولانا عبدالسلام بھی بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ اسد اور حمرار کے سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ دونوں اندر آ گئے۔

حمرار نے دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "آپ لوگوں کو شاید معلوم ہو چکا ہو گا کہ آٹھ بجے کے بعد ہماری فضائی فوجیں ساسوں، اینوں اور نجتار پر تاخت شروع کر دیں گی ـــــ"

مولانا عبدالسلام نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "ہاں ابھی شیخ حلیف

نے بتایا ہے کہ چھ بجے مرفونیہ کا ایک فضائی بیڑا نارتیبوں کے ممالک محروسہ کی طرف پرواز کرے گا۔"

شیخ حلیف بن ہشام نے حمرا سے دریافت کیا: "تم کو کیسے معلوم ہوا۔؟"

"سلمیٰ نے ساڑھے تین بجے مجھ سے سلسلہ ملا دیا تھا۔ وہ اب قرانیہ سے روانہ ہونے والی ہوگی یا روانہ ہو چکی ہوگی اور بہت ممکن ہے کہ وہ مجھ سے ملتی ہوئی جائے۔"

"اعلان جنگ کے علاوہ ہمارے لیے اور کوئی صورت نہیں رہ گئی تھی۔"

شیخ حلیف نے مولانا عبدالسلام اور اسد کو سمجھاتے ہوئے کہا: "نارتیبی ہمارے ہی سائنسدانوں کے بھروسے پر ہم کو شکست دینے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ گزشتہ سال بھی انھوں نے سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ شروع کی تھی لیکن امیرالامراء نے انکو معاف کر دیا اور ان سے تاوان بھی نہیں لیا۔ وہ آخری موقعہ تھا اب یہ صورت حال زیادہ عرصہ تک نہیں برداشت کی جا سکتی ہے۔ وہ انسانیت سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔"

حمرا نے کہا: "مجھے افسوس ہے کہ میں اس مہم میں کوئی حصہ نہیں لے سکتی۔ اس لیے کہ اب وقت نہیں رہ گیا ہے۔"

"آپ ایک گھنٹہ میں قرانیہ پہنچ سکتی ہیں ـــــ" اسد نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"جی نہیں ـــــ" اس نے جواب دیا: "ڈاکٹر غوث نے برقی لہریں فضا میں منتشر کر دی ہیں۔ اب صرف ساسوں کی طرف ہمارے طیارے ہوائیاں اور اُڑن طشتریاں پرواز کر سکتی ہیں لیکن ـــــ میرا مطلب یہ ہے کہ ساسوں، اینوں اور بختار جنوب دسترس میں ہیں۔ اسلیے ہم اس سمت تو ضرور پرواز کر سکتے ہیں لیکن اسطرف

یا کسی اور سمت سے اس طرف نہیں آسکتے ہیں؟"

"یعنی نارسیتوں کے طیارے اور ہوائیاں کسی سمت سے بھی مرونیہ پر پرواز نہیں کر سکتی ہیں؟"

"جی ہاں ـــ اب وہ ادھر کا رخ بھی نہیں کر سکتی ہیں۔"

"ـــــ اور اگر کسی ضرورت سے مرونیہ کے فضائی بیڑے کا کوئی طیارہ قرانیہ آنا چاہے ـــــ"

"دو ماہ قبل جو تجربہ ہوا تھا اس میں ایسے جیس طیارے استعمال کیے گئے تھے جو ان لہروں میں بھی ہر سمت پرواز کر سکتے تھے، ان میں خاص قسم کے برقی آلات لگائے تھے ان سے پیدا ہونے والی لہریں ان لہروں کا اثر زائل کر دیتی ہیں۔"

میمونہ اور ارملا قہقہہ لگاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کے بعد ہی سعد، زمرد، ڈاکٹر ایرج، جمیل اور منوہر سنگھ اور باقی افراد بھی آ گئے۔ کچھ دیر بعد سب نے ملحق کمرے میں ناشتہ کیا اور پھر اسی کمرے میں آکر بیٹھ گئے۔ صبح کی سپیدی میں نارنجی جھلک آچلی تھی۔ حنیف بن ہشام نے حرار سے کہا۔

"منیجر سے کہہ کر اس کمرے میں ایک ٹیلی ویژن سیٹ لگا دو۔ اگر نارسیتوں نے آٹھ بجے تک معقول جواب نہ دیا تو ہماری فوجیں اپنا کام شروع کر دیں گی اور اہم واقعات کی تفصیل اور مناظر کا عکس ضرور نشر کیا جائے گا ـــــ"

حرار جانے کے لیے اٹھی ہی تھی کہ کمرے کے دروازے پر منیجر کے ساتھ ایک حسین و جمیل نوجوان لڑکی نظر آئی، وہ مرونیہ کے فضائی افسروں کی طرز کا نیلا چست لباس پہنے ہوئے تھی۔ •

"____ اوہ ____ سلمیٰ ____ میری پیاری ____" حمرا اس کو دیکھتے ہی اس کی طرف لپکی

"حمرا ____" کہتی ہوئی وہ بھی بڑھی اور دونوں بغلگیر ہو گئیں۔ سب ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حمرا اسی طرح سلمیٰ کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہوئے اسے اپنی جگہ پر لائی۔ اسد اور اس کی جماعت کے اراکین کے لیے سلمیٰ اجنبی نہ تھی وہ کرۂ ارض پر بھی اس کا عکس دیکھ چکے تھے اور اس کی آواز سن چکے تھے۔ وہ بھی قرانیہ میں سب سے متعارف ہو چکی تھی اس نے حمرا کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا

"میں صرف دس منٹ بیٹھوں گی۔ وقت کم ہے۔ آٹھ بجے سے فوجیں اپنا کام شروع کر دیں گی۔"

"مارینی بھی غالباً پوری تیاریاں کر چکے ہیں۔" اسد نے سلمیٰ سے کہا۔

"وہ مدتوں سے جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ لیکن بہرحال ہماری ایجادات ان کی قوت کو توڑ دیں گی۔ وہ مرفونیہ کو صرف اسی حالت میں نقصان پہونچا سکتے ہیں جبکہ ان کا فضائی بیڑا ہماری سرحدوں کو عبور کرلے۔ وہ یہی کوشش کریں گے اگر انھوں نے برقی لہروں کے جال کو توڑ دیا تو دوپہر تک وہ قرانیہ پر قابض ہو جائیں گے ورنہ سہ پہر تک ساسوں، اینوں اور بخار پر مرفونیوں کی حکومت ہو گی۔"

مولانا عبدالسلام نے کہا: "واللہ مجھے تو یہ سب قصہ کہانیوں کی باتیں معلوم ہو رہی ہیں۔ اب دیکھیے نا کل تک کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ آج یہ صورت حال ہو گی قوموں کی قسمتیں بدل جائیں گی ملکوں کا نظام بدل جائے گا لیکن آج یہی سب کچھ ہونے والا ہے۔"

اُڑن طشتری

حمزہ نے سلمیٰ سے کہا: "مجھے کل سے اب تک کے واقعات کا خلاصہ بتا دو۔"

"کل گیارہ بجے جنگی مجلس اعلیٰ کا اہم مشاورت ہوئی اور امیر الامراء کے فیصلہ پر غور کیا گیا۔ اسی وقت نقشہ جنگ بنایا گیا۔ لائحہ عمل مرتب ہوا۔ احکامات جاری کیے گئے اور چار بجے تک جملہ انتظامات مکمل ہو گئے۔ میں مرکزی حکومت کے محکمہ نشریات کی طرف سے معین کی حیثیت سے جا رہی ہوں۔"

حمزہ نے حسرت آمیز لہجہ میں کہا: "میں عرصہ سے اسی دن کی منتظر تھی۔ ابا نے انتقال سے دو ماہ قبل کہا تھا کہ ناراتیوں کو ایک دن منہ کی کھانی پڑے گی اور ہم ان کو انسانیت کا سبق دیں گے۔"

"اگر ہمارا انتخاب میزبانوں میں نہ ہو چکا ہوتا تو یقیناً آج تم بھی جاتیں۔ مگر تم ذہنی میں تو جا رہی ہوں ——۔"

سلمیٰ نے اُٹھنے کا ارادہ کیا۔ حمزہ نے کہا "تم ابھی پانچ منٹ اور بیٹھ سکتی ہو۔"

"ہاں —— لیکن اب مجھے بیٹھنے کے لیے نہ مجبور کرو۔ تم اس کمرے میں ٹیلی ویژن منگا لو —— ہم سب سے پہلے زلو کو گرفتار کریں گے۔" سلمیٰ نے اُٹھتے ہوئے کہا: "میں نے کل اس کے وہ خطوط دیکھے ہیں جو اس نے ناریتیوں کے جنگی دیوتا کو لکھے تھے۔ اس نے اس کو یقین دلایا تھا کہ وہ طوفان باد و باراں سے مرزونیہ کے سلسلۂ رسل و رسائل کو تباہ کر دے گا اور ناریتی چند گھنٹوں میں قرانیہ پر قابض ہو جائیں گے۔"

حمزہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا: "وہ شیطان مجسم ہے۔ اس نے یقیناً فطرت کا کوئی ایسا راز معلوم کر لیا ہے جس سے طوفان باد و باراں کو تیز تر کر سکتا ہے

لیکن ڈاکٹر غوث بھی اپنی کوششوں میں کامیاب رہے ہیں"

"اچھا مجکو اجازت دو ــــــ" سلمیٰ نے حرار کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور سب کو خدا حافظ کہتی ہوئی چلی گئی۔ چند منٹ بعد مہتم نے کمرے میں ایک بڑا ٹیلی ویژن لگا دیا۔ حرار نے اس کے تاروں کا سلسلہ ملا کر دیکھا اور سب اس کے گرد بیٹھ گئے۔

حسن نے اسد سے کہا: "اگر واقعی ناریتیوں نے ہمارے برقی جال کو بے اثر کردیا تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کرۂ تُفر میں کیا ہوگا ــــــ؟"

"حق کی فتح ہوتی ہے" مولانا عبدالسلام نے قرارت کے ساتھ کہا: "خدا اسی کو کامیابی عطا فرماتا ہے جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں"

ہوٹل کا ایک نائب ایک خط لایا اور حرار کو دے کر چلا گیا۔ اس نے خط کھول کر پڑھا اور اسد کو مسکراتی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر غوث نے آپ کے لباس پر تجربہ کرلیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس اُون کے باریک ترین ریشوں میں ایسی برقی طاقت موجود ہے جو موت کی لہروں کو بے اثر کردیتی ہے۔ کرۂ تُفر کے کسی حصہ میں ایسا اُون نہیں پایا جاتا ہے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ اون کسی ایسے جانور کے بالوں سے تیار کیا گیا ہے جو یخ بستہ پہاڑیوں اور وادیوں میں رہتے ہیں"

اسد نے کہا: "کشمیر کے شمالی حصہ میں ایسی بیشتر وادیاں ہیں جہاں ہمیشہ برف جمی رہتی ہے اور بادل ان یخ بستہ چوٹیوں سے ٹکرا کر برقی لہروں کو بے ہم کرتے رہتے ہیں!"

"ـــــــ اور قدرت ان کو ان خوفناک برقی لہروں سے بچاتی رہتی ہے!"
حمرا نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

حنیف بن ہشام نے کہا: "جب ہم اس کی قدرت پر غور کرتے ہیں تو ہم کو اپنی ترقی ہیچ معلوم ہوتی ہے!"

ٹیلی ویژن کے ایک سوراخ میں زرد روشنی نظر آئی۔ حمرا ایک کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گئی اور اس کا ایک لٹو گھمایا۔ اور سوئچ دبا کر دوسرے لٹو کو آہستہ آہستہ گھمانے لگی۔ یہ ٹیلی ویژن ایاز کے جدید ٹیلی ویژن سے مشابہ تھا۔ لیکن اس میں صرف دو لٹو ہی تھے۔

معمولی سنسناہٹ کے بعد بتدریج آوازیں تیز ہونے لگیں اور پردۂ سیمیں پر رنگین غبار اور مختلف رنگوں کی آڑی ترچھی لکیریں اُبھرنے لگیں۔ سب کی نگاہیں ٹیلی ویژن کے پردہ پر جمی ہوئی تھیں، حمرا نے ہوٹل کے ایک نائب کو بلا کر آہستہ سے کچھ کہا اور چند منٹ بعد دو ملازموں نے ٹیلی ویژن کے پیچھے ایک اسٹینڈ پر ایک بڑا سفید پردہ لگا دیا۔ حمرا نے ٹیلی ویژن کے عقبی حصہ کو کھول کر کچھ درست کیا اور ملازم کو اشارہ کیا اس نے نشست گاہ کے دراوزے دریچے بند کر دیے اور کمرہ تاریک ہوگیا۔ حمرا نے پہلے لٹو کو گھمایا اور اسٹینڈ کے پردہ پر بھی رنگیں خطوط نظر آنے لگے
"بیک وقت پچیس تیس آدمی ایک ٹیلی ویژن پر مناظر نہیں دیکھ سکتے ہیں اس لیے ایسی حالت میں یہ فاضل پردہ استعمال کیا جاتا ہے۔"

وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن ٹیلی ویژن کی گھڑگھڑاہٹ نے اس کو اپنی طرف متوجہ کر لیا حمرا لٹو کو جلد جلد گھمانے لگی اور ایک ہلکا نغمہ کبھی کم اور کبھی تیز ہونے لگا

کسی نے کہا: یہ نشریات کا اشارہ ہے۔

پردہ پر رنگین خطوط ایک کرے کے منظر میں تبدیل ہونے لگے اور چند ثانیہ بعد سلمیٰ نظر آئی وہ ایک چوکور دریچے کے پاس کھڑی ہوئی تھی اور اس وقت صرف اس کا چہرہ اور دونوں شانے نظر آ رہے تھے۔ اس نے اپنی گردن کو گھمایا اور پردۂ سیمیں کی طرف دیکھنے والا ہر شخص یہ سمجھا کہ وہ اسی کو دیکھ رہی ہے، اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ——" سلمیٰ کی صاف اور سریلی آواز کرے میں گونجی

"وعلیکم السلام ——" سب نے ایک ساتھ جواب دیا۔

"توحید کے پرستارو! آج وہ دن آ پہونچا جسے ہم مدتوں سے ٹالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ زیاد بن ابی عامر نے کرۂ تفر کے تخریبی عناصر نے ساز باز کر کے مرفونیہ کے خرمن امن پر بجلی گرانے کی کوشش کی۔ اس نے ملک اور قوم سے غداری کی، اس نے انسانیت سے بغاوت کی اور قانون کی زد سے نکلنے کیلئے اسکو توڑا۔"

سب کی نگاہیں پردۂ سیمیں پر جمی ہوئی تھیں اور کان اس کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ اس نے ایک ساعت توقف کے بعد کہا۔

" —— زیاد بن عامر اسوقت جزیرہ سقاریہ میں ہے۔ وہ مرفونیہ کی حدود سے نکل جانا چاہتا ہے۔ اس نے خود کو قانون کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا ہے اسے یقین ہے کہ اس کی ایجادات اور اختراعات اسے بچا لیں گی

مرفونیہ کی فضائی طاقت کے چوتھے بیڑے کے آخر طیارے، دو ہوائیاں اور

اُڑن طشتری

ایک اُڑن طشتری جزیرہ سقاریہ پر منڈلا رہی ہے۔

پردہ سیمیں پر ایک قطار میں آٹھ طیارے اُڑتے ہوئے نظر آئے۔ وہ بادلوں کے اندر سے گزر رہے تھے۔ سگار کی شکل کا ایک چمکتا ہوا راکٹ بادلوں کو چیرتا ہوا نکلا اور طیاروں کے اوپر سے گذر گیا۔ اس کے بعد ایک اُڑن طشتری نظر آئی۔

" ــــــ اور یہ ہے جزیرہ سقاریہ ــــــ دو ہزار فیٹ کی بلندی سے۔"

سلمیٰ کی آواز سنائی دی اور منظر بدل گیا۔ جزیرہ سقاریہ سرمئی چادر پر سبزی مائل سیاہ دھبہ نظر آ رہا تھا۔ یکایک اس کی جسامت بڑھنے لگی۔"

"سقاریہ کی پہاڑیاں اور ایک چھوٹا دریا ــــــ سفید کپڑے کی دھجی کی طرح نظر آ رہا ہے۔"

سلمیٰ کے خاموش ہوتے ہی جزیرے کی پہاڑیاں نظر آنے لگیں۔ طیارے بلندی پر پرواز کر رہے تھے۔ سلمیٰ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد کہہ رہی تھی۔

" ــــــ اور انھیں پہاڑیوں کے دامن میں زیاد اور اس کے چھ ساتھی چھپے ہوئے ہیں۔ اگر ودسنٹ کے اندر انھوں نے سفید جھنڈیاں ہلا کر سپر نہ ڈالے تو یہ سرسبز اور شاداب گھاٹیاں ہر جاندار جسم میں ناقابلِ برداشت کھجلی پیدا کرنے والی برقی لہروں سے بھر جائیں گی ــــــ وہ دیکھیے زیاد نے زندگی پر موت کو ترجیح دی کر شعاعوں کی جنگ شروع کر دی ــــــ ۔"

ایک پہاڑی سے سُرخ اور نیلگوں شعلے لہروں کی صورت میں فضا میں بلند ہونے لگے۔ سب پردہ پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔ ہر ایک کے چہرے سے خوف و ہراس ظاہر ہو رہا تھا۔ فضا میں تیرتا ہوا ایک طیارہ ان شعاعوں کی زد میں آیا اور

قلابازی کھا کر زمین کی طرف چلا لیکن فوراً سنبھل کر سیدھا ہوا اس میں سے ایک تیز شعلہ خارج ہوا اور ایک پہاڑی آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ کر آگ اُگلنے لگی۔ —— مطلع تیرہ و تار ہو گیا۔

ایک دوسری پہاڑی کے دامن سے دھواں اُٹھتا ہوا معلوم ہوا اور اس تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا کہ چند سکنڈ میں پورا جزیرہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سلمیٰ ٹیلی ویژن پر کہہ رہی تھی۔

" —— اور یہ دھوئیں کی سیاہ چادر —— طوفانی بادل ہیں۔ زیادہ انکو فضا میں بلند کر کے طیاروں کو سطح زمین سے دور رکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ ساحل تک پہونچ سکے —— "

بادل تیزی کے ساتھ اوپر کی طرف اُٹھ رہے تھے۔ طیارے ایک سمت کو چلے اور ان کی جگہ راکٹ پہونچ گیا۔ راکٹ کی دُم سے ایک چمکدار روشنی نکلی ، بادلوں میں بجلیاں کوندنے لگیں۔ سلمیٰ نے کہا۔

"ہمارے راکٹ سے ایسی لہریں نکلی ہیں جو ان بادلوں کو فضا میں تحلیل کر دیں گی —— اور یہ دیکھیے سطح سمندر —— ہماری برق رفتار آبدوز کشتیاں پانی کی سطح سے نیچے تیر رہی ہیں ۔ ان آبدوزوں کے میناروں کا بالائی حصہ سطح سمندر سے اوپر تیرتے ہوئے کچھووں کی طرح نظر آ رہا ہے —— یہ زیادہ کچھ دیکھتے ہی شارک کی طرح اسرار اور اس کے ساتھیوں پر جھپٹ پڑیں گے۔"

سطح سمندر پر کچھووں کی طرح کچھ چیزیں جا بجا تیرتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ طیارے سطح آب پر آبابیلوں کی طرح جھپٹ رہے تھے وہ سطح کو چھوتے ہوئے بلند

ہوجاتے تھے۔

"زیاد اور اس کے ساتھی ساحل کی طرف آرہے ہیں وہ برقی لہروں کی حفاظت میں چل رہے ہیں لیکن ساحل کے قریب یہ لہریں بے اثر ہوجائیں گی۔"

ساحل سے کچھ فاصلہ پر چٹانوں کے درمیان ٹینک کی قسم کی ایک گاڑی ناہموار راستے پر لڑھکتی ہوئی نظر آئی۔ ایک چٹان کے قریب سطح آب پر الومنیم کے رنگ کی تار پیڈو سے مشابہ ایک کشتی پڑی ہوئی ہچکولے کھارہی تھی

"—— غالباً زیاد اور اس کے ساتھی اس دبابہ میں آرہے ہیں" سلمیٰ نے پھر بجھانا شروع کیا۔" ان کو یقین ہے کہ وہ اپنی کشتی تک پہونچ جائیں گے اور اس پر بیٹھکر نکل جائیں گے اور واقعی ڈاکٹر غوث کے بچھائے ہوئے برقی جال کو توڑ کر نکل جاتے لیکن ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ آٹھ آبدوزوں کے سولہ شاہدین کی بتیس آنکھیں سطح آب سے ان کی نقل وحرکت دیکھ رہی ہیں۔ زیاد کو یقین ہے کہ اس نے سمندروں میں جو برقی لہریں منتشر کردی ہیں وہ مرفونیہ کی آبدوزوں کو جزیرہ متعاریہ کے ساحل تک نہ پہونچنے دیں گی —— لیکن ڈاکٹر غوث نے ان کو بے ضرر کردیا ہے —— ڈاکٹر غوث زندہ باد —— دولت مرفونیہ پائندہ باد۔"

دبابہ ساحل کے قریب ایک چٹان کی آڑ میں آکر ٹھہرا۔ زیاد آزادی کے ساتھ اُتر اس کے ساتھ اس کے پانچ رفقاء کار تھے۔ وہ کشتی کی طرف چلا ہی تھا کہ سب کے ہاتھ اوپر کی طرف اُٹھ گئے اور وہ جہاں پر تھے وہیں پر رہ گئے۔ ایک آبدوز سطح آب پر آگئی اور ساحل کی طرف بڑھی۔

"ایک آبدوز سے خارج ہونے والی لہروں نے زیاد اور اس کے ساتھیوں کو

جسے دست و پا کر دیا۔ انسانیت سے غداری کرنے والوں کا ہمیشہ یہی انجام ہوتا ہے۔ جو بھی فخرِ کائنات کے بتائے ہوئے راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہ فرار اختیار کرے گا وہ ذلیل و خوار ہوگا۔"

پردہ پر منظر بدل چکا تھا۔ مرفونیہ کی بحری فوج کے چند افسر زیاد اور اسکے ساتھیوں کو اپنے حلقے میں لیے ہوئے ساحل کی طرف آرہے تھے۔

"زیاد بدنہاد گرفتار ہوگیا ـــــ حق کے پرستاروں کی پہلی فتح ـــــ اب ڈیڑھ گھنٹہ بعد یہ سلسلہ دوبارہ شروع کیا جائے گا ـــــ خدا حافظ ـــــ"

پردہ پر سلمیٰ کا چہرہ نظر آیا اور قومی ترانہ کی دھن بتدریج ہلکی ہوکر غائب ہوگئی۔ کمرے کے دریچے کھول کر پردے کھینچ دیے گئے اور سب آپس میں زیاد بن عامر کے متعلق باتیں کرنے لگے۔ حمرا نے کہا۔

"امیر الامراء اس کو موت کی سزا دیں گے دماغی امراض اطبار نے اس کی پہلی ہی غلطی پر کہہ دیا کہ اس کے دماغ کے شرایئن عام انسانوں کے شرائن سے زیادہ چوڑے ہوگئے ہیں وہ آپریشن سے بھی نہیں ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ اس کی اصلاح ناممکن ہے۔"

زمرد کھڑی ہوگئی۔ اس نے حمرا کو بھی اپنے ساتھ اُٹھایا سعد نے اسد کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ دونوں بھی ان کے ساتھ باہر چلے گئے۔ حنیف بن ہشام نے مولانا عبدالسلام سے کہا۔

"حمرا اسد سے بہت زیادہ متاثر نظر آرہی تھی۔"

"اسد صاحب نے دراصل ٹیلی ویژن پر حمرا کا عکس دیکھ کر تشریف آنے کا فیصلہ کیا"

"ہونے والی بات ہوکر رہتی ہے۔" حنیف نے کہا۔ "غیب کا علم تو صرف

خدا ہی کو ہے لیکن ہمارے بزرگوں نے جو کچھ کہا تھا وہ صحیح ثابت ہو رہا ہے۔ حضرت عثمان القادر نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں کہا تھا کہ ایک روز کرۂ ارض سے کچھ لوگ آئیں گے اور منقطع رشتوں کی تجدید ہوگی۔ وہی ہو رہا ہے۔ سعد کے جد اعلیٰ المتقی حضرت ابو الصلت علیہ الرحمۃ کے دادا تھے اور حمرا ———— میرے کانوں میں اس کے باپ کے کہے ہوئے جملے ابتک گونج رہے ہیں۔ رازق میرے عزیز ترین دوستوں میں سے ایک تھے وہ حمرا کے بچپن ہی میں اس کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ اس کی تخلیق کسی دوسری دنیا کے لیے ہوئی ہے ————۔

حسن نے آگے جھک کر پرجوش لہجہ میں کہا: میں نے حمرا کو بارہا یہی کہتے ہوئے سنا ہے۔ اس کو کرۂ ارض سے بچپن ہی سے دل چسپی رہی ہے۔

حنیف بن ہشام نے حسن کی تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا: سن شعور کو پہنچنے کے بعد اس نے میری موجودگی میں اپنی والدہ سے کہا تھا کہ جبتک کرۂ ثمرا اور کرۂ ارض کے مابین رابطہ نہ قائم ہو جائے گا وہ کسی چیز میں دل چسپی نہ لے گی اور اس نے ایسا ہی کیا۔

"زیادہ پرسوں شب کو حمرا کی والدہ کے پاس گیا تھا" حسن نے مولانا عبدالسلام اور حنیف بن ہشام سے کہا "وہ حمرا سے نکاح کرنا چاہتا تھا لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ کل وہ حمرا کے پاس قصر الذہب میں بھی آیا لیکن حمرا نے اس کو پھٹکار دیا اسی لیے رات کو اس نے اسے زبردستی اٹھا لے جانے کی کوشش کی۔ اگر اسد ———— ان بدمعاشوں کا تعاقب نہ کرتے تو وہ اسے لے کر ابتک کاروخ بعد پہنچ چکا ہوتا اور تاریکی کی جیلیں مرفونیہ کی صدہا میں ہوتیں"

• خدا نے حمرا کی حفاظت کے لیے اسد کو کرۂ ارض سے بھیجا ہے۔ میں اس کی والدہ کو مشورہ دوں گا کہ وہ اسد کے ساتھ حمرا کا عقد کر دیں۔ وہ یقیناً اس رشتہ سے بہت خوش ہوگی اور اس طرح کرۂ ارض سے ہمارا منقطع رشتہ دوبارہ استوار ہو جائے گا۔"

مولانا عبدالسلام نے کہا: اسد کے لیے حمرا فردوسی تحفہ ہوگی ——"

"—— اور حمرا کے لیے اسد عطیۂ خداوندی ——" حلیف بن ہشام مسکراتے ہوئے بولے۔

(۲۴)

حمرا، زمرد، سعد اور اسد باتیں کرتے ہوئے برآمدے کے اس حصہ میں پہنچ گئے جو بالکل سمندر کے سامنے تھا۔ آفتاب کی کمزور سنہری کرنیں لہروں پر مچل رہی تھیں۔ بہت دور چند چھوٹی کشتیاں لہروں پر جھولا جھولتی ہوئی آہستہ آہستہ کھلے سمندر کی طرف جا رہی تھیں۔ اسد نے بہت دور افق پر نگاہیں جمادیں اور ایک ساعت بعد زمرد، حمرا اور سعد سے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا چیز ہو سکتی ہے۔؟"

کشتیوں سے بھی آگے افق کے قریب دس بارہ سیاہ دھبے نظر آرہے تھے

حمرا نے بغور دیکھ کر کہا "بحری بیڑے کے گشتی جہاز معلوم ہوتے ہیں۔"

ہوٹل کے سامنے سے زرہ پوش کاروں کا ایک قافلہ گزرا۔

"یہ شہری محافظوں کی کاریں ہیں!" حمرا نے اپنے تینوں ساتھیوں سے کہا۔ "آج مرفونیہ کے ہر حصہ میں وجبیں نقل وحرکت کر رہی ہوں گی۔ مجھے افسوس ہے کہ ہم آج القفظہ کی سیر نہ کر سکیں گے۔"

زمرد نے متعجبانہ لہجہ میں کہا "مجھے یہاں عوام کا اطمینان دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔ کرۂ ارض پر تو صرف جنگ کے خطرے ہی سے تہلکہ مچ جاتا ہے۔ کاروبار قطعی طور پر بند ہو جاتا ہے اور ایک عجیب افراط و تفریط کا عالم ہو جاتا ہے۔"

حمرا مسکرائی "معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگ اسلام کی تعلیم کو بھلا بیٹھے ہیں ــــ یہ سب خوف کا نتیجہ ہے۔ انسان کو صرف خدا سے ڈرنا چاہیئے ــــ"

اسد نے اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھا۔ حمرا نے شرما کر نظریں نیچی کر لیں اور ایک ساعت بعد زمرد سے کہا۔

"آیئے کمرے میں چل کر بیٹھیں۔ زیاد کی گرفتاری کے بعد دارالامارات سے کوئی اہم اعلان ضرور نشر کیا جائے گا۔"

اسد بول اٹھا "واقعی آج تو ہم کو ایک لمحہ کے لیے بھی ٹیلی ویژن کے پاس سے نہ ہٹنا چاہیئے!"

سعد نے کہا "تو پھر آیئے چل کر وہیں بیٹھیں"

چاروں باتیں کرتے ہوئے اس کمرے کے سامنے پہونچ گئے جس میں سب بیٹھے ہوئے تھے۔ کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں بند تھیں۔

زمرد نے کہا "شاید کوئی خاص اعلان سنا جا رہا ہے۔"

حمرا نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ ایک ملازم نے دروازہ کھولدیا

سب اندر پہونچ گئے۔ دروازہ پھر بند کر دیا گیا۔ پہلے تو تاریکی میں ان کو کچھ نظر نہ آیا لیکن کچھ ہی دیر بعد آنکھوں کی خیرگی جاتی رہی۔

حسن ٹیلی ویژن کے پاس بیٹھا ہوا اس کے نٹو کو آہستہ آہستہ گھما رہا تھا۔ پردہ پر ایک بزرگ صورت انسان کا عکس نظر آرہا تھا۔ وہ فصیح عربی میں کہہ رہے تھے

"۔۔۔۔۔۔ کرۂ ارض کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے اس دنیا میں بھی تدسیلوں کی آمد کے بعد سے اب تک متعدد افراد نے راہ حق سے منہ موڑا اور ذلیل و خوار ہو گئے ۔۔۔۔۔۔ زیاد بن ابی عامر بھی ان میں سے ایک ہے۔ وہ کل صالحین کی مجلس اعلیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا ۔۔۔۔۔۔ حق پر چلنے والوں پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں"

اختتامی اشارے کے ساتھ ہی حسن نے سلسلہ منقطع کر دیا اور کمرے کے دریچے کھول دیے گئے۔ زمرد، حمراء، سعد اور اسد اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

حلیف بن ہشام نے مولانا عبدالسلام سے کہا "زیاد نے جس ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے اس سے تدسیلوں کے وقار پر حرف آتا ہے"

"وہ ان ہی برقی لہروں سے ہلاک کیا جائے گا جو اس نے ہوٹل کے محافظوں پر استعمال کی ہیں"

حسن نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ سب آپس میں باتیں کرنے لگے۔ ہوٹل کے مہتمم نے دو بار کمرے میں آکر بتایا کہ ناریتیوں نے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا ہے اور وہ خوفناک گھڑی قریب آتی جا رہی ہے جب مرفونیہ کی بحری، بری اور فضائی فوجیں براہِ راست اقدام کریں گی۔

اڑن طشتری

ہر شخص ایک نامعلوم خوف سے پریشان ہوتا جا رہا تھا۔ ہر شخص کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کسی خوفناک طوفان کی آمد کا منتظر ہے۔ ان سب کی گفتگو کا موضوع وہی فیصلہ کن خطرناک ترین لمحہ تھا جو گھڑی کی سوئی کی حرکت کے ساتھ قریب آتا جا رہا تھا۔

حمرا نے ٹیلی ویژن کی گھڑی کی طرف دیکھ کر ملازم کو دروازے اور کھڑکیاں بند کرنے کا اشارہ کیا اور اپنی کرسی کھینچ کر ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھ گئی۔ کمرہ تاریک ہوتے ہی چند سکنڈ بعد پردہ پر سلمیٰ کا عکس نظر آیا۔ اسکے چہرے سے پریشانی مترشح تھی۔ اس نے معبودِ حقیقی کے نیک بندوں کو امن اور سلامتی کی دعائیں دیتے ہوئے کہا۔

"ناریتیوں کے دارالحکومت سے ایک گھنٹہ کی مزید مہلت طلب کی گئی ہے۔ امیرالامراء نے ان کی اس درخواست کو منظور کر لیا۔ —— ناریتیوں کو غالبًا کارزنج کے سائنسدانوں کی مجلسِ اعلیٰ کے فیصلہ کا انتظار ہے۔ انسانیت کے پاسبان ہر صورتِ حال کے مقابلہ کے لیے تیار ہیں ——"

صفِ اول کے جانباز ہیں ——"

پردہ پر چند انسانوں کا عکس نظر آیا۔ وہ سر سے پیر تک لبادہ میں لپٹے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر خود تھے ان میں زبر کی بلدار ٹکلیاں لگی ہوئی تھیں۔ ہر شخص کے ہاتھ میں انجکشن کی پچکاری کی قسم کی کوئی چیز تھی۔ وہ چٹانوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے۔

سلمیٰ کی آواز آئی "یہ چھوٹی پچکاریاں زمانہ قدیم کی عفریت پیکر توپوں سے

زیادہ خوفناک ہیں ان سے خارج ہونے والے شعلے دشمنوں کو تلاش کرنے کے بعد راکھ کر دیتے ہیں —— اور یہ ہیں فضاؤں اور سمندروں کے پاسبان ——

" ایک قطار میں چالیس پچاس انسان نظر آئے۔ وہ بھی سر سے پیر تک عجیب و غریب لباس میں ملبوس تھے۔ وہ سب ایک قطار میں کھڑے ہوئے تھے

" اشارہ پاتے ہی یہ اپنی کمین گاہوں میں پہونچ جائیں گے اور بلند فضاؤں سے سمندر کی تہہ تک برقی لہریں منتشر کر دیں گے ان کا جال بن دیں گے۔ یہ لہریں دیا سلائی سے لے کر آتش فشاں پہاڑ تک کو چشم زدن میں سرد کر سکتی ہیں ——

اور یہ دیکھیے انھیں کے چند ساتھی غاروں میں ان لہروں کو خارج کرنے والی مشین کے پاس حکم کے منتظر کھڑے ہوئے ہیں "

" اب فضا میں آئیے۔ یہ سامنے سطح زمین سے بہت اوپر ہمارے عیارے ہوائیاں اور اُڑن طشتریاں حشرات الارض کی طرح اُڑ رہی ہیں۔ ان پر ان برقی لہروں کا کوئی اثر نہ ہوگا جو مشینوں کو بیکار کر کے ہر جلنے والی چیز کو سرد کر دیتی ہیں۔ —— سلمیٰ کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

" یہ ہمارے بحری بیڑے کی آبدوزیں۔ یہ جنگی جہاز ہیں —— "

مناظر تیزی کے ساتھ بدل رہے تھے۔ ہر وہ شخص جس کا عکس پردہ پر نظر آرہا تھا اپنی جگہ ساکت و صامت کسی حکم کا منتظر کھڑا تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر دوربین سے مشابہ آلات نصب تھے۔ میدانوں میں جا بجا گلاب کے پھول سے ملتے جلتے پھول اُگے ہوئے تھے۔

یہ خشکی کی سرنگوں کے نشیلے ہیں —— خود بخود جل اُٹھنے والے ——

دس میل کے فاصلے سے برقی لہروں کے ذریعہ ان کو سلگایا جاتا ہے۔"

ایک پہاڑی درے سے ایک فوجی دستہ گزرتا ہوا نظر آیا وہ اپنی پشت پر گول پیپے لٹکائے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں لمبی پچکاریاں تھیں۔ سلمیٰ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"نار یتیوں کی نشر گاہیں بے کار کی جا چکی ہیں طاقتور برقی لہریں انکی نشری لہروں کو جذب کر رہی ہیں —— ساسون، اینوں اور پختار میں پریشان حال شہری ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں۔ سرکاری ملازم اور فوجی سپاہی ان کو تختہ مشق ستم بنا رہے ہیں وہ تشدد سے امن برقرار رکھنا چاہتے ہیں —— یہ دیکھئے۔"

پردہ پر ایک سڑک کا منظر نظر آیا شہری گرتے پڑتے آپس میں ٹکرا کر بھاگ رہے تھے۔ ناریتی پولیس ان کے ساتھ بہیمانہ سلوک کر رہی تھی۔ دوسرے منظر میں چند ناریتی شہری اپنی پولیس پر حملہ کرتے ہوئے نظر آئے۔ ایک دوسری سڑک پر فوج اور عوام میں دست بدست جنگ ہو رہی تھی۔

سلمیٰ کہہ رہی تھی: "ناریتی عوام اپنے حکمران طبقہ سے نالاں ہیں۔ ہمارے رویہ نے ان کی ہمت افزائی کی ہے۔ ہمارے ہمدرد ناریتی، ساسون اور اینوں کے ثقری مسلمانوں سے تعاون کر رہے ہیں اور یہ مناظر ان کے تعاون سے نشر کیے جا رہے ہیں —— یہ ہمارے ہمدرد ناریتیوں کا ایک گروہ ہے وہ ہمارے لیے پیغام اور ضروری اطلاعات نشر کر رہے ہیں۔"

چند نوجوان آلہ نشر الصوت کے سامنے مصروف عمل نظر آئے۔ ان کے بعد ہی ثقری مسلمانوں کی ایک جماعت ایک شاہراہ پر کچھ چھڑکتی ہوئی دکھائی دی۔

اُڑن طشتری

"سلیمان طشتری پر برق ریز سطوف چھڑک رہے ہیں ـــــ اب صرف دو منٹ باقی رہ گئے ہیں اس کے صرف ایک سو بیس سکنڈ ـــــ ایک سو دس سکنڈ دس سکنڈ ـــــ پانچ ـــــ دو ـــــ ایک ـــــ وہ ـــــ دیکھیے ـــــ

ـــــ فضاؤں میں اُڑن طشتریوں نے رخ بدلا ـ ہوائیاں تیر کی طرح ساسون کی سرحدوں کی طرف جنہیں طیارے عقابوں کی طرح پر پھیلائے جھپٹے ـــــ لامحدود طاقت کی برقی لہروں کو برانگیختہ کرنے کے لیے ماہرین برق نے اپنی مشینوں کے دستوں پر ہاتھ رکھ دیے ـــــ برق پاش مشینوں کے دہانے مختلف سمتوں کو گھوم گئے ـــــ خندقوں میں برق انداز ہوشیار ہو گئے ـــــ اور اور ـــــ یہ دیکھیے کوہ طاطورس کے سلسلہ میں ـــــ اس کی بلند ترین چوٹیوں کی گھاٹیوں سے ناریلیوں نے اپنا مایۂ صد ناز حربہ ـــــ سنہری لہریں فضا میں بکھیر دیں لیکن وہ سو فیٹ کی بلندی تک پہونچ کر غائب ہو رہی ہیں ـــــ ہماری طاقتور لہروں کا جال انکو بے اثر کر رہا ہے ـــــ "

سلمٰی کے ہر جملے کے ساتھ مناظر بدل رہے تھے۔

" دیکھیے آسمان کی نیلی گہرائیوں سے دو سو اُڑن طشتریاں ایک اڑتے ہوئے چندن ہار کی صورت میں اسی سلسلۂ کوہ کی طرف آ رہی ہیں ـــــ وہ آ گئیں ـــــ انھوں نے سطح کی طرف آتشیں گچھے پھینکے ـــــ وہ دیکھیے دھوئیں کے سیاہ گھنے بادل اُٹھے ـــــ دولت مرقونیہ پائندہ باد ـــــ ہمارے راکٹوں نے ان کی برقی لہروں کا جال توڑ دیا ـــــ اور یہ مٹیالے رنگ کا طوفان جو آسمان سے سطح زمین کی طرف بادلوں کی طرح آ رہا ہے ـــــ ہمارے طیارے لیے راکٹ ہیں؛

فضا میں برقی لہریں بکھیر رہے ہیں۔ ناریتی فوجیں دو گھنٹے کے لیے معلوج ہو جائنگی ——— اور ساسون، اینوں اور بچار کے چپہ چپہ پر ہمارا قبضہ ہو جائے گا ——
——— "نصر من اللہ فتح قریب ——" مولانا عبدالسلام جوش میں چیخ اُٹھے۔
"ہمارے طیارے اور ہوائیاں بچار تک پہونچ چکی ہیں ——— اور اب دیکھیے ——— یہ سیاہ بوندیں ہیں ——— ہمارے جانباز سپاہی ہر اہم مقام پر اُتر رہے ہیں۔ وہ ہزاروں فیٹ کی بلندی سے کود رہے ہیں ——— آیئے اب ہم سطح پر چلیں ——— مرفونیوں نے جنگ جیت لی۔ توحید پرستوں کو فتح ہوئی ——— کرۂ ثغر پر انسانیت کا بول بالا ہو گیا۔
"انسانیت کا بول بالا ہو گیا" مولانا عبدالسلام اور حنیف نے ایک ساتھ کہا اور اپنے ساتھیوں کے دھندلے چہروں کی طرف دیکھنے لگے۔
سلمیٰ کہہ رہی تھی "——— انسانیت کے پاسبان کارو خ جمریت اور لزاری کی سڑکوں پر سینہ تانے ہوئے چل رہے ہیں"
پردہ پر مرفونی پیدل سپاہ نظر آئی۔ انسانیت کے تحفظ کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے والے بالکل ارضی سپاہیوں کے انداز میں سینے تانے قدم ملائے ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے سڑک پر سے گزر رہے تھے۔ ناریتی عورت، مرد، بوڑھے اور بچے سڑکوں پر دو رویہ کھڑے ہوئے جوش مسرت میں تالیاں بجا رہے تھے ——— بالکل اسی طرح جس طرح مفتوح قومیں فاتح سپاہیوں کا استقبال کرتی ہیں
ایک گھنٹہ تک فاتح افواج کے داخلے اور سرکاری دفاتر اور عمارتوں پر قبضہ کرنے کے مناظر پردہ پر یکے بعد دیگرے نظر آتے رہے۔ اس مہم کی خبروں کے اختتام

پرکلی نے بتایا۔

"مملکت نارتیہ کے ارباب حل وعقد اور مقدس رہنما خود کو مرفونی کمانداروں کے حوالے کر چکے ہیں۔ نارتیوں کے جنگی دیوتا نے خودکشی کر لی ہے۔ نارتی بھی اس کو اس درجہ بزدل نہیں سمجھتے تھے۔ فوجی رہنما اپنے اسلحہ جات دے کر اپنے مرکزوں کو واپس جا رہے ہیں جنگی اور سیاسی قیدی ابھی تک شمار نہیں کیے جا سکے ہیں ان میں سے نوے فیصد ی دماغی اصلاح کے مرکزوں کی طرف روانہ کر دیے جائیں گے ان مرکزوں میں ان کی دماغی نشوونما کا جائزہ لیا جائے گا اور نشوونما میں جو خامیاں رہ گئی ہیں انکو دور کرنے کی کوشش کیجائے گی ـــــ یہ مہم نو بجے شروع ہوئی اور بارہ بجے ختم ہو گئی اب بارہ بجکر دس منٹ ہوئے ہیں ـــــ ہم بھی رخصت ہوتے ہیں ـــــ خدا حافظ۔"

پردہ پتا ر کی پھیلتے ہی ملازموں نے دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں۔ جمرا نے مسکراتی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آج وقت کا پتہ ہی نہ چلا ـــــ"

"اور کروڑوں انسانوں کی تقدیریں بدل گئیں" زمردہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "آؤ ہم سب مل کر جشن منائیں اور چمن میں خوشی کے گیت گائیں۔"

سب اُٹھکر برآمدے میں آ گئے۔ سامنے آسمان پر حد نگاہ تک ایک قطار میں اُڑن طشتریاں پرواز کرتی ہوئی نظر آئیں۔ بہت دور پر چند جہاز مرفونیہ کے بحری بیڑے کا جھنڈا اُڑاتے ہوئے دکھائی دیے۔ ان کا رُخ بندرگاہ کی طرف تھا۔ ہوٹل کے دیگر مسافر ہوٹل کے بائیں باغ کی طرف جا رہے تھے۔ وہ سب بھی زینے سے اترتے ہوئے باغ میں پہونچ گئے۔

ہوٹل کی عمارت پر مرزونیہ کا نیا گول قومی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اسکے حاشیوں پر چاروں
طرف سفید تارے اور وسط میں ہلال بنا ہوا تھا۔ اُڑن طشتریاں القنطہ پر پھول برسانی
ہوئی گذر گئیں۔ ہوٹل کے ملازم در و دیوار پر مرزونیہ کے چھوٹے اور بڑے جھنڈے لگا
رہے تھے۔ ایک بجے اسد اور اسکے ساتھیوں نے اپنے میزبانوں کے ساتھ کھانا کھایا
حنیف بن ہشام نے کھانے کے کمرے ہی میں اسد اور مولانا عبدالسلام سے بتا دیا کہ
قرانیہ میں آج جشن مسرت منایا جائے گا۔ امیرالامراء نے ارضی مہمانوں کو خاص طور پر
اس میں شرکت کی دعوت دی ہے۔

ایک گھنٹے بعد اسد اور اسکے ساتھی اس ہوائی مستقر پر پہونچ گئے جہاں اُڑن
طشتریاں اترتی تھیں۔ قرانیہ میں ان لوگوں نے جو اُڑن طشتریاں دیکھی تھیں یہ انسے بڑی
اور ساخت کے اعتبار سے بالکل مختلف تھی اسکی جسامت بھی بڑی تھی وہ ایک عفریت پیکر
کچھوے کی طرح ایک بڑے چبوترے پر اپنے چاروں پنجے ٹیکے ہوئے تھی۔ اس کا قطر تقریباً
بیس فیٹ تھا۔ حمزہ نے سب کو ایک دو کمرے میں پہونچا دیا۔ اس میں صرف ایک پائلٹ تھا
اسکی کرسی کے قریب دو چھوٹی گھڑیاں۔ ایک ٹیلی ویژن ایک آلہ نشر الصوت اور ایک دستہ لگا ہوا
تھا۔ اُڑن طشتری دو بجکر دس منٹ پر سطح زمین سے بلند ہوئی اور چند منٹ میں قرانیہ پہونچ گئی
قرانیہ کی ہر عمارت دولہن کی طرح آراستہ کی جا چکی تھی۔ مغرب سے قبل ہی فضا میں گیس
کی ایک ہلکی چادر پھیلا دی گئی جس نے آفتاب غروب ہوتے ہی اپنی ٹھنڈی سفید روشنی سے
چپہ چپہ کو منور کر دیا۔ قصر الذہب کے سامنے جھیل کے چاروں طرف میلوں تک خوش پوش نفری
عورت، مرد، بوڑھے اور بچے نصف شب تک جشن مناتے رہے جھیل کی سطح پر بے شمار چھوٹے
اور بڑے موٹر لانچ اور برقی طاقت سے چلنے والی کشتیاں دوڑتی رہیں۔ قصر الذہب ہی سے

آڈن طشتری

امیر الامراء نے کرۂ اون ثقریوں کو خطاب کرتے ہوئے ہفت روزہ جشن کا اعلان کیا۔

اسی جشن کے سلسلہ میں حرار نے اپنی والدہ کو ارضی مہمانوں سے متعارف کرایا وہ ایک چالیس سالہ کم سخن، سنجیدہ، متقی اور پرہیزگار خاتون تھیں ان کا زیادہ وقت عبادت میں گزرتا تھا۔ اسد، مولانا عبدالسلام، صنیف بن ہشام، سلمیٰ، حرار، سعد اور زمرد وہ بھی نصف شب تک ایک آراستہ بجرے پر سیر چراغاں کرتے رہے۔ زمرد اور سعد ان سے بہت جلد بے تکلف ہو چکے تھے اور ان کو امی کہکر خطاب کر رہے تھے۔ وہ سیر چراغاں سے زیادہ زمرد، سعد، اسد اور مولانا عبدالسلام کی باتوں میں دلچسپی لے رہی تھیں۔ انھوں نے مولانا عبدالسلام اور سعد کے استفسار پر اپنے مرحوم شوہر کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا۔

"انھوں نے کرۂ ارض سے رابطہ قائم کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی ——— افسوس کہ وہ کرۂ ارض تک پہونچنے کی تمنا اپنے دل ہی میں لیے ہوئے چلے گئے"

حرار کی والدہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آواز گلوگیر ہو گئی۔ کچھ دیر بعد انھوں نے اپنی آواز صاف کرتے ہوئے کہا۔

"انتقال سے کچھ عرصہ قبل انھوں نے حرار کو وصیت کی تھی کہ وہ انکے کام کو جاری رکھے اور اپنے بیٹے یہ سمجھ لے کہ وہ اس دنیا کے لیے نہیں بلکہ کسی دوسری دنیا کے لیے پیدا ہوئی ہے ——— خدا کا شکر ہے کہ حرار اپنے ارادوں میں کامیاب ہوئی۔ اسنے آپ لوگوں کو کرۂ ثقریٰ کی طرف متوجہ کرایا اور آج میں ان انسانوں کو اپنے سامنے دیکھ رہی ہوں جنکے اسلاف کے کارنامے، قصے اور کہانیوں کی طرح سنا کرتی تھی۔ میری حرار کی کامیابی ——— سے اس کے باپ کی روح کو کس قدر خوشی ہوتی ہوگی۔ کاش میں یہ معلوم کر سکتی۔ اور میری آخری آرزو بھی پوری ہو جاتی ——— "

"امی! ۔۔۔۔" حمرا بول اٹھی: "میں زندہ ہوں تو آپ کی آخری تمنا بھی پوری ہو جائے گی میں آپ کے ساتھ مکہ معظمہ چلوں گی ۔۔۔۔"

اسد نے کہا: "ہم آپ کو اپنے ساتھ لے جائیں گے ۔۔۔۔ بین السیاری سفر بہت جلد ایک تفریحی مشغلہ ہو جائے گا ۔۔۔۔"

ان کا بجرا ایک مصنوعی قوس قزح کے نیچے سے گزر رہا تھا۔ ایک دوسرے بجرے پر چند لڑکیاں رقص کر رہی تھیں حمرا اور زمرد اٹھ کر اگلے حصے پر پہونچ گئیں۔ اس جگہ سے رقص بخوبی نظر آرہا تھا۔ اس بجرے کی طرف دیکھتے ہوئے حمرا نے زمرد سے کچھ کہا اور اس نے پلٹ کر اسد کو آواز دی۔

"اسد صاحب! دیکھیے یہ اسی قسم کا رقص ہے جس کی ایک جھلک ہم نے لکھنؤ میں ایاز کے ٹیلی وژن پر دیکھی تھی۔"

اسد حمرا اور زمرد کے پاس چلا گیا۔ حمرا کی والدہ نے اپنی لڑکی کو شفقت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سعد اور مولانا عبدالسلام سے کہا۔

"سن شعور کو پہونچنے کے بعد آج یہ پہلا دن ہے کہ وہ دنیا اور اس کی تفریحات میں دلچسپی لے رہی ہے۔ اور یہ سب آپ حضرات کی آمد کا نتیجہ ہے ۔۔۔۔ وہ میری بچی تو تارک الدنیا ہو چکی تھی۔ میرا یہ پھول کھلنے سے پہلے ہی کمھلانے لگا تھا حمرا نے اپنے دل میں سمجھ لیا تھا کہ خدا نے اس کو دنیا کی مسرتوں اور جوانی کی رنگینیوں اور دلآویزیوں سے محروم کر دیا ہے ۔۔۔۔ لیکن اس خدائے بزرگ و برتر کا شکر ہے کہ وہ آج خوش ہے اور اپنی ہم عمر لڑکیوں کی طرح فتح کے اس جشن مسرت میں حصہ لے رہی ہے۔"

سعد نے متعجبانہ لہجہ میں کہا: "امی! کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا ہے کہ آپ ہماری دنیا میں ..."

کر مستقل طور پر سکونت اختیار کر لیں؟"

"میری دنیا تو حمرا ہی ہے ـــــ اگر وہ کرۂ ارض کو اپنا لیگی تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا ـــــ۔"

"حمرا پندرہ روز ہی میں ہم لوگوں میں اس طرح گھل مل گئی ہے کہ اب وہ ہماری ہی جماعت کی ایک رکن معلوم ہونے لگی ہے۔" مولانا عبدالسلام نے داڑھی پر ہاتھ پھیر کر حمرا کی والدہ کو سمجھاتے ہوئے کہا: "جہاں تک میرا خیال ہے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ جانے کی متمنی ہے۔"

"خصوصاً کل رات کے واقعہ نے اسے بہت متاثر کر دیا ہے۔" حمرا کی والدہ نے زہرہ، حمرا اور اسد کی طرف دیکھ کر کہا: "اگر اسد اپنی جان خطرے میں ڈال کر زیاد اور اس کے ساتھیوں کا مقابلہ نہ کرتے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس وقت میری بچی زندہ ہوتی بھی یا نہیں ـــــ وہ بہت خود دار اور حساس ہے ـــــ۔"

مولانا عبدالسلام نے دبی ہوئی زبان میں کہا: "تو پھر ان حالات کے ماتحت اگر وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے۔

ـــــ "میں آپ کا مطلب سمجھ گئی" حمرا کی والدہ بول اٹھیں ـــــ "لیکن یہ امیر الامراء کی مرضی پر منحصر ہے۔ حمرا کے والد نے مرنے سے قبل انھیں کو اس کا سرپرست اور ولی مقرر کیا تھا۔"

"خود آپ کا کیا خیال ہے ـــــ؟" سعد نے ان سے دریافت کیا۔

"یہ دنیا ہو یا وہ دنیا۔ حمرا صرف اسد ہی کے ساتھ خوش رہ سکتی ہے ـــــ اور اس کی خوشی میرا مقصد حیات ہے۔"

اسد کا بجرا قوس قزح کے نیچے سے گزرتا ہوا دوسرے کنارے پر پہونچ گیا۔

ایک روز محراب کے سامنے اسد کے ساتھی ان سب کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے اسد نے حمرا کی والدہ کو سہارا دے کر ساحل پر اُتارا۔ اور سب فواروں کے قریب [illegible] فواروں سے کچھ دور سنگین سیڑھیوں پر آتش بازی چھوٹ رہی تھی سب نصف شب کے بعد قصر الذہب پہونچے۔

دوسرے روز شب کو امیر الامراء نے مہمانوں کو اپنے محل میں رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے کے بعد حمرا کی والدہ خلیفہ بن ہشام اور مولانا عبد السلام بہت دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے۔ اسد اسعد ازمرد حمرا ارملا میمونہ فیروزہ منوہر اور ان کے دیگر ساتھی مریخی میزبانوں کے پاس بیٹھے ہوئے ان سے باتیں کر رہے تھے۔

محل سے روانگی سے قبل امیر الامراء نے مہمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میرے مقدس دوستو! تم سب میرے کرۂ تُفر پر بسنے والے کروڑوں انسانوں کے لیے مقدس ہو۔ اس لیے کہ تم اس کرہ سے آئے ہو جہاں خدا کا آخری نبی پیدا ہوا۔ اس کرہ کو ہماری نگاہوں میں وہی وقعت حاصل ہے جو تمھارے دلوں میں کعبہ اور حرم کے لیے ہے۔ کرۂ تُفر کے قدسی بھی اسی کرہ سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ اس لیے کرۂ ارض سے رابطہ قائم کرنا اور تعلقات برقرار رکھنا ہمارے لیے باعث فخر ہے۔"

انھوں نے چاروں طرف دیکھا۔ ہر شخص کی نگاہیں ادھر ہی لگی تھیں — امیر الامراء نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "ہم قدسیوں کی ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ ہم کرۂ ارض تک پہونچ جائیں ہمارے لیے یہ بات ناممکن تھی۔ ہمارے اسلاف اُڑن طشتری کے ذریعہ یہاں آئے لیکن وہ یہاں بیکار ہو گئی اور جب اس کے کل پرزے تیار کئے گئے اُڑن طشتری تیار ہو جاتی۔ ہمارے اسلاف کے قائد حضرت ابو الصلت علیہ الرحمۃ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابو الصلت اور ان کے ساتھیوں نے سب سے پہلے ابتدا میں مریخ کو

آ ... خیز بادکہا تھا۔ وہ اپنے عجیب و غریب آلات اور کلیں اوزار اور تجربات کی تفصیل کے قلمی نسخے سب کچھ البیریہ کی رصدگاہ کے ایک تہہ خانے میں چھوڑ آئے تھے

اُڑنا لیے صدیوں تک۔ دوسری اُڑن طشتری نہ بنائی جا سکی، لیکن ... کی راہیں مسدود نہیں ہوئیں۔ انھوں نے یہاں پھر نئے سرے سے تحقیق و تجسس کی اور سات سو سال بعد پھر ایک اُڑن طشتری بنائی گئی اور تجرباتی پرواز کے بعد گیارہ جانباز ... اب سے تیس سال قبل کرۂ ارض تک پہونچنے میں کامیاب ہو گئے۔

سب اسی طرح خاموش بیٹھے ہوئے امیر الامراء کی تقریر سن رہے تھے۔ وہ ایک ساعت کے لیے ٹھہرے اور پھر بولے

"ہم نے اپنے اسلاف کی لکھی ہوئی کتابوں میں اندلس اور دیگر ممالک کے متعلق جو کچھ بھی پڑھا تھا ہمارے سماوی مشن کے اراکین نے اس دنیا کو اس سے بالکل مختلف پایا قرطبہ ایک معمولی شہر نظر آیا اور البیریا ایک چھوٹا سا بندرگاہ۔ اس سماوی مشن نے حضرت ابو الصلت کی رصدگاہ کے کھنڈروں کو دیکھا ایک ایک پتھر کو الٹ دیا۔ تہہ خانوں کا پتہ چلایا لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ وہ واپس آئے اور پھر گئے۔ یہ سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ انھوں نے رصدگاہ کے کھنڈروں کے آس پاس کے کھیت تک کھود ڈالے لیکن کسی جگہ وہ خیز ... نہ ہوا۔ ہمارے روحانی پیشوا اور رہنما سیدی و مولائی حضرت عثمان القادر جنھوں نے اس دنیا تک ہماری رہنمائی کی تھی۔ انھوں نے وصیت کی تھی کہ جب تک کرۂ ارض کا اولوالعزم انسان یہاں تک نہ پہونچے اس وقت تک ان سے رابطہ کو نہ قائم کیا جائے۔"

امیر الامراء نے اپنی تقریر میں ابو الصلت کے اس خط کا بھی حوالہ دیا جو اسد اور اس کے ساتھیوں نے ریاض میں دیکھا تھا انھوں نے کہا۔

"ہم کو ان لوگوں کا اعتماد تھا۔ اور آج وہ ہمارے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب کرۂ ارض کے مسلمانوں سے ہمارا رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ پرانے رشتے استوار ہو چکے ہیں ان کو اور زیادہ مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے میں ابازریق مرحوم کی بیوہ حضرت مولانا عبدالسلام اور شیخ حنیف بن ہشام کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے ارضی مہمانوں اور نفری میزبانوں کو یہ مژدہ سناتا ہوں کہ کل اس قصر میں بعد نماز ظہر اسد سے حمرا کا نکاح فتح کے جشن کی مسرتوں کو دوبالا کر دے گا ——— اور ———۔"

مہمانوں کی پرجوش تالیوں کی آواز میں امیرالامراء کی آواز دب گئی۔ وہ مسکراتے رہے اور کچھ دیر بعد ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش کراتے ہوئے کہا۔

"کل ہی قصرالمذہب میں ایک دوسری مقدس رسم بھی ادا کی جائے گی۔ یہ ڈاکٹر منوہر سنگھ اور ماہر طبیعات ڈاکٹر ارملا پرتھی سنگھ کی رسم بناکحت ہوگی۔"

امیرالامراء کا کمرہ ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔ ہر شخص حمرا، اسد، ارملا اور منوہر سنگھ کو پیغام تہنیت دے رہا تھا۔ اسد نے حمرا کی طرف دیکھا حیا کی سرخی نے اسکے ملکوتی حسن میں چار چاند لگا دیے۔ غیر ارادی طور پر دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور حمرا نے نگاہیں نیچی کرلیں۔ ارملا کے چہرے کی دلکشی میں بھی اضافہ ہو گیا تھا اور وہ اپنے ساتھیوں سے نگاہیں چرانے کی کوشش کر رہی تھی۔

واپسی پر حمرا اپنی والدہ کے ساتھ اپنے مکان چلی گئی۔ قصرالمذہب پہونچکر مولانا عبدالسلام نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور قرار پایا کہ ارملا اور منوہر سنگھ کی شادی ویدک رسوم کے مطابق ہو لیکن چونکہ وہاں ان مراسم کی ادائیگی ناممکن ہے اس لیے بالکل سادہ طریقہ پر دونوں امیرالامراء کے حضور میں رشتۂ ازدواج کا اعلان کریں اور وہ چند گواہوں کی موجودگی میں ان کو سند عطا کر دیں۔ اسد، سعد، زمرد، میمونہ، فیروزہ، ایرج، جمیل اور بگرا نصف شب کے بعد تک ایک ہی برج میں بیٹھے ہوئے

اُڑن طشتری

جمیل کے نظاروں اور جشن مسرت کے پروگرام سے لطف اندوز ہوتے رہے۔
دوسرے روز آفتاب حمرا، اسد، ارملا اور منوہر سنگھ کے لیے مسرتوں کا نیا پیغام لایا
آٹھ بجے صبح امیرالامرا کی موجودگی میں ارملا اور منوہر سنگھ میں زن و شوئی کی حیثیت سے ایک
دوسرے سے وفادار رہنے کا معاہدہ ہوا اور امیرالامرا نے اس کی تصدیق کر دی۔ بعد نماز
ظہر مرنونیہ کے مفتی اعظم حضرت سید سلیمان بن زبیر الہاشمی نے حمرا اور اسد کو بھی امیرالامرا
کے محل میں رشتہ مناکحت میں منسلک کر دیا۔

امیرالامرا نے عروس کی طرف سے مہمانوں کو عصرانہ دیا۔ شب کو قصر الذہب
میں حکومت کی طرف سے دونوں شادیوں کی خوشی میں دعوت ہوئی۔ جشن کے اختتام
کے بعد اسد اور اس کے ساتھی پندرہ روز تک اس دنیا کے ہر حصہ کی سیر کرتے رہے
مرنونیہ کی مجلس صالحین نے اسد کو ایک اڑن طشتری پیش کی۔ حمرا اس ساخت کی
اڑن طشتریوں کو متعدد بار فضا میں لیجا چکی تھی۔ سولھویں روز امیرالامرا ان کے نائبین
صالحین، ماسکندانی اور ہزاروں متعدد نفری اور قدری۔ اسد، حمرا، حمرا کی والدہ، مولانا
عبدالسلام اور ان کے ساتھیوں کو فضائی مستقر پر خدا حافظ کہنے کے لیے جمع ہوئے
اسد، حمرا، مولانا عبدالسلام، جمیل، حمرا کی والدہ اور ٹھیک ۱۲ بجے اڑن طشتری میں
بیٹھے، ماآیکی جماعت منوہر سنگھ اور ارملا کے ہمراہ اسد کے راکٹ میں بیٹھے۔ نظر
ر میں بیٹھنے والے انسانوں نے سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ ہاتھ ہلائے اور چشم زدن
میں راکٹ اور اڑن طشتری بادلوں کی چادروں کو چیرتے ہوئے فضائے بسیط میں
پہنچ گئے۔ کرہ ارض کرکٹ کے اڑتے ہوئے بال کی طرح لحظہ بہ لحظہ محفوظ جات میں
چھوٹا ہوتا جا رہا تھا۔

خان محبوب طرزی
۱۹ مئی ۱۹۵۲ء
لکھنؤ